آیات قرآنی سے اصطلاحات تصوف کا استنباط: منتخب اردو تفاسیر کا مطالعہ

(ایم فل علوم اسلامیہ)

مقالہ نگار

چوہدری حسین علی

MP-IS-F22-329

شعبہ اسلامی فکر و ثقافت

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد

سیشن 2022 تا 2024

آیات قرآنی سے اصطلاحات تصوف کا استنباط: منتخب اردو تفاسیر کا مطالعہ

(ایم فل علوم اسلامیہ)

تحقیق کار

چوہدری حسین علی

MP-IS-F22-329

نگران تحقیق

ڈاکٹر عبد الروف

لیکچرار

شعبہ اسلامی فکر و ثقافت

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد

سیشن 2022 تا 2024

بسم الله الرحمن الرحيم

فارم برائے مقالہ و دفاع مقالہ

(Thesis and Defense Approval Form)

زیر دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انہوں نے مندرجہ ذیل مقالہ پڑھا اور مقالہ کے دفاع کو جانچا ہے، وہ مجموعی طور پر امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہیں اور فیکلٹی آف سوشل سائنسز کو اس مقالے کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالہ بعنوان: **آیات قرآنی سے اصطلاحات تصوف کا استنباط: منتخب اردو تفاسیر کا مطالعہ**

Translation of Title in English & Roman

Derivation of Sufi Terminologies from Qur'anic Verses: A Study of Selected Urdu Tafsirs"

Ayaat e Qurani se Istilahaat-e-Tasawwuf ka Istinbaat: Muntakhib Urdu Tafaseer ka Mutala'a

نام ڈگری: ایم فل علوم اسلامیہ

نام مقالہ نگار: چوہدری حسین علی

رول نمبر: MP-IS-F22-329

ڈاکٹر عبد الرؤف
(نگران مقالہ)
____
نگران مقالہ کا دستخط

ڈاکٹر ریاض احمد سعید
(صدر، شعبہ علوم اسلامی فکر و ثقافت)
____
دستخط صدر شعبہ اسلامی فکر و ثقافت

پروفیسر ڈاکٹر محمد ریاض شاد
(ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز)
____
دستخط ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز

تاریخ ____________________

حلف نامہ فارم

(Canidate Declaration Form)

میں چوہدری حسین علی ولد چوہدری مختار احمد

رول نمبر: MP-IS-F22-329

طالب، ایم فل، شعبہ علوم اسلامیہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز (نمل) اسلام آباد

حلفا اقرار کرتا ہوں کہ مقالہ

بعنوان: **آیات قرآنی سے اصطلاحات تصوف کا استنباط: منتخب اردو تفاسیر کا مطالعہ**

Ayaat e Qurani se Istilahaat-e-Tasawwuf ka Istinbaat: Muntakhib Urdu Tafaseer ka Mutala'a

ایم فل علوم اسلامیہ کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے سلسلہ میں پیش کیا گیا ہے، اور ڈاکٹر عبد الرؤف کی نگرانی میں تحریر کیا گیا ہے۔ راقم الحروف کا اصل کام ہے، اور یہ کہ مذکورہ کام نہ تو کہیں اور جمع کرایا گیا ہے، نہ ہی پہلے سے شائع شدہ ہے اور نہ ہی مستقبل میں کسی بھی ڈگری کے حصول کے لئے کسی دوسری یونیورسٹی یا ادارے میں میری طرف سے پیش کیا جائے گا۔

نام مقالہ نگار: چوہدری حسین علی

دستخط مقالہ نگار:

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

انتساب

میں اپنی اس کوشش کو اپنے والدین کے نام کرتا ہوں جن کی میری تعلیم کیلئے انتھک محنت، نیک تمناؤں، دعاؤں اور تربیت سے میں اس قابل ہوا۔ اللہ تعالیٰ ان کو دنیا اور آخرت کی تمام بھلائیاں عطا فرمائے اور ان کو صحت سلامتی والی لمبی زندگی نصیب فرمائے (آمین)

اظہار تشکر

اللہ تعالی کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس کی توفیق سے یہ مقالہ لکھنے کی ہمت ہوئی اللہ تعالی اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے میں اپنے والدین کا شکر گزار ہوں جنہوں نے مجھے بچپن سے بہت محنت کے ساتھ پڑھایا اور میری اچھی تربیت کی کہ میں اس قابل ہوا کہ میں یہ تحقیقی کام کر سکوں اپنے تمام اساتذہ کا شکر گزار ہوں جن کی محنت اور لگن کی وجہ سے میں اپنے اس کام کو تکمیل تک پہنچایا، میرے نگران مقالہ ڈاکٹر عبد الرؤف کی ہمہ وقت کوشش اور دستیابی کی وجہ سے یہ کام آسان ہوا، میں ان کا شکر گزار ہوں انہوں نے مجھے وقت دیا میرے کام کو سراہا۔ صدر شعبہ ڈاکٹر ریاض احمد سعید صاحب کا شکر گزار ہوں جنہوں نے مختلف امور میں رہنمائی فرمائی۔ اور ہر اس شخص کا شکر گزار ہوں جس نے میری دوران تحقیق کسی بھی طرح مدد کی۔

اللہ رب العزت سے دعاہے کہ اللہ تعالیٰ سب کو دنیاو آخرت میں کامیابیاں نصیب فرمائے۔ آمین

Abstract

This research examines the intrinsic connection between the Qur'an and Sufi terminology to demonstrate that Islamic spirituality is deeply rooted in the divine scripture. Sufism—often regarded as the inner dimension of Islam—revolves around concepts like tazkiyah (purification), qurb (divine proximity), fana (annihilation of the self), baqa (subsistence), tawakkul (trust), kashf (unveiling), and ilham (inspiration), which are frequently assumed to be esoteric or extra-Qur'anic. By analyzing six renowned Urdu tafsirs—Tibyan al-Qur'an (Dr. Ghulam Rasool Saeedi), Bayan al-Qur'an (Ashraf Ali Thanwi), Tafsir Naeemi (Mufti Ahmad Yar Khan), Tafsir Haqqani (Abdul Haq Haqqani), Tafsir Hasanat (Abu al-Hasanat Qadri), and Ma'ariful Qur'an (Mufti Muhammad Shafi Usmani)—the study seeks to uncover how these spiritual concepts are derived and explained within Qur'anic verses. A thematic-analytical method was adopted, classifying Sufi terms into three categories: faith-related, ethics-related, and practice-related. Each term was then examined in light of its Qur'anic context and interpreted through the lens of classical Urdu exegesis. The analysis reveals that Sufi terminology is not foreign to the Qur'an but emerges organically from its spiritual teachings. The tafsirs affirm that mystical ideas such as fana, baqa, and muraqabah are supported by Qur'anic evidence and are harmoniously integrated with orthodox Islamic theology. In conclusion, the study validates that Qur'anic spirituality and Sufi tradition are interconnected paths, and when interpreted through classical tafsir, Sufism complements and deepens the understanding of Islam's inner message.

Keywords: Sufism, Qur'an, Urdu Tafsir, Islamic Spirituality, Tazkiyah, Tawakkul, Ilham, Kashf, Muraqabah

.

ملخص

زیرِ نظر تحقیق قرآنِ حکیم اور اصطلاحاتِ تصوف کے مابین گہرے تعلق کو واضح کرنے کی کوشش کرتی ہے تاکہ یہ ثابت کیا جاسکے کہ اسلامی روحانیت کی بنیاد براہِ راست الہامی کتاب پر ہے۔ تصوف، جسے اسلام کا باطنی رُخ کہا جاتا ہے، ان تصورات کے گرد گھومتا ہے جیسے تزکیہ (نفس کی پاکیزگی)، قرب (اللہ سے نزدیکی)، فنا (خودی کا مٹ جانا)، بقاء (اللہ کی طرف باقی رہنا)، توکل (اللہ پر بھروسا)، کشف (باطنی انکشاف) اور الہام (روحانی الہام)۔ یہ مفاہیم اکثر مجرد اور غیر قرآنی سمجھے جاتے ہیں۔ اس تحقیق میں اردو زبان کی چھ معروف تفاسیر کا مطالعہ کیا گیا **تبیان القرآن (علامہ غلام رسول سعیدی)، بیان القرآن (مولانا اشرف علی تھانوی)، تفسیر نعیمی (مفتی احمد یار خان)، تفسیر حقانی (مولانا عبدالحق حقانی)، تفسیر حسنات (ابوالحسنات قادری)** اور **معارف القرآن (مفتی محمد شفیع عثمانی)**۔ ان تفاسیر کے ذریعے ان صوفیانہ اصطلاحات کی قرآنی بنیادوں کو تلاش کیا گیا۔ تحقیق میں موضوعاتی و تجزیاتی منہج اپنایا گیا، اور اصطلاحات کو تین اقسام میں تقسیم کیا گیا: ایمانی، اخلاقی اور عملی۔ ہر اصطلاح کو قرآنی سیاق وسباق کے ساتھ بیان کیا گیا اور مفسرین کی آراء کی روشنی میں اس کی شرح کی گئی۔ نتائج سے معلوم ہوا کہ یہ اصطلاحات دراصل قرآن کے روحانی پیغام سے براہِ راست اخذ کردہ ہیں، اور ان کا کوئی خارجی ماخذ نہیں۔ تفاسیر سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ فنا، بقاء اور مراقبہ جیسے تصورات قرآن میں جڑیں رکھتے ہیں اور اسلامی عقائد سے ہم آہنگ ہیں۔ نتیجتاً، یہ تحقیق اس بات کی تصدیق کرتی ہے کہ تصوف اور قرآنِ حکیم ایک دوسرے کے معاون اور ہم آہنگ راستے ہیں، اور کلاسیکی تفاسیر کی روشنی میں تصوف دینِ اسلام کی روحانی گہرائی کو اجاگر کرتا ہے۔

کلیدی الفاظ : تصوف، قرآن، اردو تفاسیر، اسلامی روحانیت، تزکیہ، توکل، الہام، کشف، مراقبہ

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
.1	مقالہ کی منظوری کا فارم	III
.2	حلف نامہ	IV
.3	انتساب	V
.4	اظہار تشکر	VI
.5	Abstract	VIII
.6	تعارفی ملخص	VII
.7	باب اول: تعارفی مباحث	1
.8	باب دوم: تصوف اور سلاسل تصوف و منتخب اردو تفاسیر کا تعارف	12
.9	فصل اول: تصوف اور سلاسل تصوف کا تعارف	13
.10	فصل دوم: سلاسل تصوف کا تعارف	20
.11	فصل سوم: منتخب اردو تفاسیر کا تعارف	45
.12	باب سوم: اصطلاحات تصوف کا تعارف و مفہوم	66
.13	فصل اول: ایمانیات سے متعلقہ اصطلاحات تصوف	67
.14	فصل دوم: اخلاقیات سے متعلقہ اصطلاحات تصوف	74
.15	فصل سوم: معاملات سے متعلقہ اصطلاحات تصوف	84

16.	باب چہارم: آیات قرآنیہ سے اصطلاحات تصوف کا استنباط	100
17.	فصل اول: ایمانیات سے متعلقہ اصطلاحات تصوف کا استنباط	101
18.	فصل دوم: اخلاقیات سے متعلقہ اصطلاحات تصوف کا استنباط	128
19.	فصل سوم: معاملات سے متعلقہ اصطلاحات تصوف کا استنباط	195
20.	نتائج	234
21.	سفارشات	235
22.	قرآنی آیات	236
23.	مصادر و مراجع	240

باب اول: تعارف تحقیق

فصل اول: موضوع تحقیق کا تعارف اور ضرورت واہمیت

فصل دوم: دراسات سابقہ اور جواز تحقیق

فصل سوم: مقاصد تحقیق اور سوالات تحقیق اور تحدید تحقیق

فصل چہارم: منہج تحقیق

فصل اول:

موضوع تحقیق کا تعارف اور ضرورت واہمیت

موضوع کا تعارف:(Introduction to the topic)

الحمد للہ رالعالمین والعاقبۃ للمتقین الصالحین والصلوۃ والسلام علی رسولہ الکریم و علی آلہ وآصحابہ اجمعین

اما بعد

اصطلاحات تصوف سے مراد ایسے الفاظ یا مرکب الفاظ ہیں جو اہل تصوف کے ہاں تصوف کے حوالہ سے مخصوص سیاق وسباق میں استعمال کیے جاتے ہیں۔ مسلمانوں کی ایک قابل ذکر تعداد تصوف سے گہرا تعلق رکھتی ہے اور اس کے ذریعے اپنے باطن کی صفائی اور تزکیہ نفس کی کوشش میں رہتی ہے۔ تزکیہ نفس کا سبق دراصل قرآن مجید فرقان حمید کی اس آیۃ مبارکہ سے ملتا ہے

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى[1]

بے شک کامیابی اس نے پائی جس نے تزکیہ کیا۔

اہل تصوف میں بنیادی طور پر چار بڑے سلاسل پائے جاتے ہیں جن کے اسماء یہ ہیں نقشبندیہ، سہروردیہ، چشتیہ اور قادریہ۔ ان کے علاوہ تصوف کے چند دیگر سلاسل بھی ہیں جیسے مجددیہ، حسینیہ، قلندریہ، اویسیہ، صابریہ، نظامیہ، سیفیہ اور نقیبیہ وغیرہ۔ بظاہر تو ان سب سلاسل کا تصوف سے تعلق ہے لیکن کہیں نہ کہیں ان سب میں ایک دوسرے سے چند مختلفات بھی ہیں۔ ان تمام سلاسل میں کچھ بنیادی تعلیمات افکاراور نظریات ہیں جن کو ان کے ہاں مخصوص اصطلاحات سے واضح کیا جاتا ہے۔ اسی طرح کچھ تصورات افکار اور تعلیمات ان سب سلاسل میں ایسی ہیں کہ جو دوسرے سلاسل سے مختلف ہیں۔ مثال کہ طور پہ "شیخ" کی اصطلاح ہے جو کہ اہل تصوف میں استعمال کی جاتی ہے۔ دراصل یہ اصطلاح اہل تصوف کے ہاں اس خاص شخص کیلئے استعمال کی جاتی ہے کہ جس سے لوگ آپ آپنا روحانی تعلق قائم کرتے ہیں۔ یہ تصوف میں استعمال کی جانے والی بنیادی اصطلاحات میں سے ہے اور اس کا تصور تمام

---

[1] القرآن، الاعلی: ۱۴

سلاسل تصوف میں موجود ہے۔ تصوف میں چند اصطلاحات ایسی ہیں جن کا تصور سب سلاسل کے ہاں پایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ایک بڑی تعداد ان اصطلاحات کی ہے کہ جن کا تعلق کسی خاص سلسلہ تصوف سے ہے۔ مزید بر آں کچھ اصطلاحات ایسی ہیں کہ جن کا تعلق ایمانیات سے ہے جیسے علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین وغیرہ اسی طرح کچھ اصطلاحات تصوف ایسی ہیں کی جن کا تعلق اخلاقیات کے ساتھ ہے جیسے الہام، قرب وغیرہ اور کچھ اصطلاحات کا تعلق معاملات سے ہے جیسا کہ "ذکر، زہد اور کشف وغیرہ۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان اصطلاحات تصوف پہ آیات قرآنی اور علمائے تفسیر کیا رہنمائی کرتے ہیں۔ ان باتوں کے پیش نظر میں نے سوچا اور اساتذہ کے مشورے کے بعد ارادہ کیا کہ تحقیق کی جائے اور کھوج لگائی جائے کہ ایک ایسا طریق جس کو تصوف، تزکیہ نفس اور سلوک جیسے ناموں سے تعبیر کیا جاتا ہے اور لوگوں کی ایک بڑی تعداد اس سے منسلک ہے اُس میں موجود اصطلاحات کا کیا آیات قرآنی میں ذکر موجود ہے؟ اور اگر موجود ہے تو آیات قرآنیہ اور علمائے تفسیر اس حوالہ سے کیا رہنمائی کرتے ہیں۔ یا کیا مفسرین نے ان اصطلاحات کو اپنی تفاسیر میں ذکر کیا؟ اور اگر ذکر کیا تو کس عنوان کے تحت کیا؟ اور ان کو کس معنی میں استعمال کیا یا اس سے کیا معنی اخذ کیا؟

ضرورت واہمیت: (Significance Of The Study)

تصوف اسلامی تعلیمات کا وہ پہلو ہے جو روحانی ارتقاء، تزکیۂ نفس، اور قلبی طہارت سے وابستہ ہے۔ مسلمان صدیوں سے تصوف کے مختلف سلاسل سے وابستہ رہ کر اللہ کے قرب اور باطن کی اصلاح کا راستہ اختیار کرتے آئے ہیں۔ تصوف میں استعمال ہونے والی اصطلاحات جیسے *توحید، فناء، بقاء، قرب، ریاضت، الہام*، کشف وغیرہ اہلِ تصوف کے ہاں گہری معنویت رکھتی ہیں۔ یہ الفاظ محض ادبی یا وجدانی علامتیں نہیں، بلکہ عملی روحانی مدارج کی نمائندگی کرتے ہیں۔

تاہم سوال یہ ہے کہ آیا یہ اصطلاحات صرف صوفیانہ روایات اور اقوال پر مبنی ہیں یا ان کی بنیاد قرآنِ مجید میں بھی موجود ہے؟ کیا قرآنی آیات ان اصطلاحات کی تائید یا تشریح کرتی ہیں؟ اگر ہاں، تو اردو تفاسیر نے ان کا کیا مفہوم پیش کیا ہے؟ چونکہ قرآن اسلام کا بنیادی ماخذ ہے، اس لیے لازم تھا کہ ان اصطلاحات کی قرآنی بنیادوں کو تلاش کیا جائے۔ اس مقصد کے لیے اردو زبان کی چھ معروف تفاسیر کو منتخب کیا گیا تاکہ ان کے ذریعے اصطلاحاتِ تصوف کا قرآن مجید سے استنباط ممکن بنایا جا سکے۔

یہ تحقیق عصر حاضر کے اس فکری خلاء کو پُر کرنے کی ایک علمی کوشش ہے جہاں صوفیانہ اصطلاحات اور قرآنی تعلیمات کے درمیان ربط کو کم بیان کیا گیا ہے۔ نیز یہ تحقیق ایک مثبت پیغام بھی دیتی ہے کہ قرآن و سنت کی روشنی میں تصوف کو ایک معتدل، علمی اور عملی راہ کے طور پر سمجھا جا سکتا ہے۔

تحقیقی خلا(Research Gap)

اگرچہ تصوف اور اس کی اصطلاحات پر متعدّد تحقیقی کام ہو چکے ہیں، مگر اکثر مطالعات صوفیائے کرام کے اقوال، سلاسل یا تجربات پر مرکوز رہے ہیں۔ قرآنِ مجید سے براہِ راست صوفیانہ اصطلاحات کا استنباط اور اردو تفاسیر کی روشنی میں ان کی توضیح پر منظم انداز میں بہت کم کام ہوا ہے۔ یہی علمی خلا اس تحقیق کا محرک بنا، جس میں چھ معروف اردو تفاسیر کے ذریعے قرآنی آیات سے صوفیانہ اصطلاحات کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

فصل دوم:

دراسات سابقہ اور جواز تحقیق

دراسات سابقہ (Review Of The Literature)

مقالہ جات

1. **اصطلاحات تصوف کا صوفیا کے اقوال کے تناظر میں تحقیقی مطالعہ، مقالہ ایم فل 2004، مقالہ نگار: بشری اکرم، نگران مقالہ: محمد باقر خان خاکوانی علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی**

اس تحقیقی مقالہ میں اسلامی تصوف کی اصطلاحات کو صوفیائے کرام کے اقوال کی روشنی میں جانچنے اور سمجھنے کی ایک علمی کاوش کی گئی ہے۔ محققہ نے اس تحقیقی مقالہ میں صرف تصوف کے بنیادی مفاہیم پر روشنی ڈالی ہے اور معروف صوفیائے کرام جیسے حضرت جنید بغدادی، حضرت شبلی، حضرت بایزید بسطامی، حضرت علی ہجویری، حضرت عبد القادر جیلانی وغیرہ کے اقوال کی روشنی میں ان اصطلاحات کی تشریح کی ہے۔ مقالہ کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ محققہ نے صرف کتابی تعریفات پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اقوالِ صوفیا کو بنیاد بنا کر ہر اصطلاح کے مفہوم واضح کیا ہے۔ تنقیدی طور پر دیکھا جائے تو مقالہ میں حوالہ جاتی نظام کو مزید مربوط بنایا جاسکتا تھا اور کچھ مقامات پر مصادر و مراجع کی فہرست کو تفصیل سے پیش کرنے کی گنجائش موجود تھی۔ اس مقالہ میں محققہ نے اصطلاحات تصوف کو صوفیاء کے اقوال کے تناظر میں بیان کیا ہے نا کہ آیات قرآنیہ کی روشنی میں جو کہ میرا موضوع تحقیق ہے۔

2. **سامی مذاہب میں سلسلہ ہائے تصوف: ایک تقابلی جائزہ، مقالہ ایم فل 2021، مقالہ نگار: غلام مصطفیٰ، نگران مقالہ: ابرار محی الدین مرزا، اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور**

یہ مقالہ سامی مذاہب یعنی یہودیت، عیسائیت اور اسلام کے تصوف سے متعلق تصورات اور سلسلوں کا تقابلی و تحقیقی مطالعہ پیش کرتا ہے۔ محقق نے تینوں مذاہب کے صوفیانہ رجحانات کو تاریخی، فکری سے جانچنے کی کوشش کی ہے، جو کہ اردو

تحقیق میں ایک منفرد زاویہ ہے۔ مقالے کے آغاز میں سامی مذاہب کی بنیادی تعریف، انبیائی تسلسل اور الوہیت کے تصور پر گفتگو کی گئی ہے۔ اس کے بعد ہر مذہب کے اندر تصوف یا روحانیت کی صورتوں کا جائزہ لیا گیا ہے۔ مثلاً: یہودیت میں قبالہ عیسائیت میں صوفیانہ مسیحیت (Mystical Christianity) اسلام میں تصوف کے مختلف سلاسل اور ان کی بانی شخصیات۔

تحقیق میں یہ نکتہ بخوبی واضح کیا گیا ہے کہ تینوں مذاہب میں روحانی تجربہ، تزکیہ نفس، جیسے تصورات مشترک ہیں، البتہ ان کی تعبیرات، اسالیب اور نظریاتی بنیادیں مختلف ہیں۔ اسلامی تصوف میں اللہ کے ساتھ تعلق، فنا فی اللہ اور سلوک کی راہ زیادہ گہری اور منظم نظر آتی ہے، جبکہ دیگر مذاہب میں یہ رجحانات زیادہ انفرادی یا رمزی نوعیت کے ہیں۔

یہ تحقیق تصوف کے بین المذاہب مطالعے کے لیے اہم ہے چونکہ اس میں سامی مذاہب یعنی یہودیت، عیسائیت اور اسلام کے تصوف سے متعلق تصورات اور سلسلوں کا تقابلی مطالعہ پیش کیا گیا ہے جبکہ میرا موضوع تحقیق اصطلاحات تصوف کا آیات قرآنیہ سے استنباط ہے جو کہ اس سے یکسر مختلف ہے۔

کتب

1. **تفسیر بیان القرآن میں صوفیانہ مباحث کا منہج اور تفسیر مظہری سے تقابلی جائزہ: سورہ الکہف تا سورہ الناس، مقالہ تحقیق ایم فل: 2012، مقالہ نگار: ماریہ بشیر، نگران مقالہ: ازکیا ہاشمی سید، ہزارہ یونیورسٹی مانسہرہ**

یہ مقالہ دو تفاسیر یعنی مولانا اشرف علی تھانوی کی *بیان القرآن* اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے صاحبزادے شاہ عبد القادر کی مرتب کردہ تفسیر *مظہری* کا تقابلی مطالعہ ہے، جس میں سورہ الکہف تا سورہ الناس کے مابین صوفیانہ موضوعات کا تقابل کیا گیا ہے۔ اور اس مقالہ تحقیق میں منتخب سورتوں کی مباحث کا تقابلی مطالعہ کیا گیا ہے۔ محققہ نے اصطلاحات تصوف کے حوالے سے تحقیق نہیں کی نہ اس کا قرآن سے استنباط کیا ہے جو کہ میرا موضوع تحقیق ہے.

2. **تفسیر بیان القرآن میں صوفیانہ مباحث کا منہج اور تفسیر مظہری سے تقابلی جائزہ: سورہ الفاتحہ تا سورہ التوبۃ، مقالہ تحقیق ایم فل: 2011، مقالہ نگار: سعدیہ ناز، نگران مقالہ: ایاز خان، ہزارہ یونیورسٹی مانسہرہ**

یہ مقالہ دو تفاسیر یعنی مولانا اشرف علی تھانوی کی *بیان القرآن* اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے صاحبزادے شاہ عبد القادر کی مرتب کردہ *تفسیر مظہری* کا تقابلی مطالعہ ہے، جس میں سورہ الفاتحہ تا سورہ التوبۃ کے مابین صوفیانہ موضوعات کا تقابل کیا گیا ہے۔ اور اس مقالہ تحقیق میں منتخب سورتوں کی مباحث کا تقابلی مطالعہ کیا گیا ہے۔ محقق نے اصطلاحات تصوف کے حوالے سے تحقیق نہیں کی نہ اس کا قرآن سے استنباط کیا ہے جو کہ میرا موضوع تحقیق ہے۔

3. **تفسیر بیان القرآن اور تفسیر مظہری میں مسائل تصوف کا تقابلی مطالعہ: سورہ یونس تا سورہ بنی اسرائیل، مقالہ تحقیق ایم فل:2014، مقالہ نگار: عائشہ نسیم، نگران مقالہ: مرسل فرمان، ہزارہ یونیورسٹی مانسہرہ**

یہ مقالہ دو تفاسیر یعنی مولانا اشرف علی تھانوی کی *بیان القرآن* اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے صاحبزادے شاہ عبد القادر کی مرتب کردہ *تفسیر مظہری* کا تقابلی مطالعہ ہے، جس میں سورہ یونس تا کورہ بنی اسرآئیل کے مابین صوفیانہ موضوعات کا تقابل کیا گیا ہے۔ اور اس مقالہ تحقیق میں منتخب سورتوں کی مباحث کا تقابلی مطالعہ کیا گیا ہے۔ محقق نے اصطلاحات تصوف کے حوالے سے تحقیق نہیں کی نہ اس کا قرآن سے استنباط کیا ہے جو کہ میرا موضوع تحقیق ہے۔

4. **تفسیر مظہری اور تفسیر بیان القرآن میں مذکور مسائل سلوک کا تقابلی و تحقیقی جائزہ، مقالہ تحقیق پی ایچ ڈی:2018، مقالہ نگار: شاہد کامران ملک، نگران مقالہ: محمد طاہر حافظ، عبد الولی خان یونیورسٹی مردان**

یہ مقالہ مولانا اشرف علی تھانوی کی بیان القرآن اور شاہ عبد القادر کی تفسیر مظہری میں مسائلِ سلوک کا تقابلی مطالعہ ہے۔ محقق نے دونوں تفاسیر میں بیان کیے گئے سلوک کے مراحل کو بنیاد بنا کر ان کے تفسیری اسلوب اور فکری ساخت کو واضح کیا ہے۔ دونوں مفسرین نے مراحل سلوک کو کس طرح سے بیان کیا اس کا تقابلی مطالعہ کیا گیا ہے جو کہ میرا موضوع تحقیق نہیں ہے۔ میں نے اصطلاحات تصوف کا آیات قرآنیہ کی روشنی میں استنباط کرنا ہے۔

5. **جمال الایمان فی تفسیر القرآن اور تفسیر بیان القرآن کے صوفیانہ مباحث کا تقابلی مطالعہ، مقالہ تحقیق ایم فل:2023، مقالہ نگار: تنزیم بی بی، نگران مقالہ: ڈاکٹر منظور احمد، گومل یونیورسٹی ڈیرہ اسماعیل خان**

یہ مقالہ تحقیق ایک تقابلی مطالعہ ہے، جس میں تفسیر *جمال الایمان فی تفسیر القرآن* اور *بیان القرآن* میں صوفیانہ مباحث کا تقابل کیا گیا ہے۔ محققہ نے دونوں تفاسیر میں موجود صوفیانی نکات کے مفاہیم کو اجاگر کیا ہے۔ جمال الایمان میں صوفیانہ

مباحث ، شعری انداز میں پیش گئی تھیں ان کا اور بیان القرآن میں موجود مباحث کا تقابلی مطالعہ کیا گیا ہے۔ جو کہ میرا موضوع تحقیق نہیں ہے۔ میں نے اصطلاحات تصوف کا آیات قرآنیہ سے استنباط کرنا ہے جو اس سے یکسر مختلف ہے۔

جواز تحقیق:(Rational Of The Study)

تصوف میں بہت سی اصطلاحات ہیں جن کو اہل تصوف کے ہاں بنیادی حیثیت حاصل ہے ان اصطلاحات میں کچھ کا ایمانیات سے کچھ کا اخلاقیات سے اور کچھ کا معاملات سے تعلق ہے دراسات سابقہ سے پتہ چلتا ہے کہ ابھی تک ان اصطلاحات کا قرآن مجید کی آیات سے استنباط نہیں کیا گیا ہے لہذا اس مقالہ تحقیق میں کھوج لگائی جائے گی اور قرآن مجید کی آیات سے اصطلاحات تصوف کا استنباط کیا جائے گا کیونکہ قرآن مجید کی آیات کی روشنی میں اس بات کا سراغ لگانے کی ضرورت ہے کہ ان اصطلاحات تصوف کے حوالے سے آیات قرآنیہ اور علمائے تفسیر کیا رہنمائی کرتے ہیں۔

فصل سوم:

مقاصد تحقیق اور سوالات تحقیق اور تحدید تحقیق

مقاصد تحقیق

1. سلاسل تصوف میں رائج اصطلاحات تصوف کو تلاش کرنا اور ان کے مفہوم کو واضح کرنا
2. اہل تصوف کے ہاں رائج اصطلاحات تصوف کا آیات قرآنی سے استنباط کرنا
3. مذکورہ اصطلاحات تصوف پہ منتخب اردو تفاسیر سے رہنمائی حاصل کرنا

سوالات تحقیق

1. سلاسل تصوف میں رائج اصطلاحات تصوف کون کون سی ہیں؟ اور ان کا مفہوم کیا ہے؟
2. اہل تصوف کے ہاں رائج اصطلاحات تصوف کا استنباط آیات قرآنی سے کیسے ممکن ہے؟
3. مذکورہ اصطلاحات تصوف پہ منتخب اردو تفاسیر کیسے رہنمائی کرتی ہیں؟

تحدید تحقیق

اس تحقیقی مقالہ میں برصغیر پاک و ہند میں موجود مختلف سلاسل تصوف میں موجود اصطلاحات تصوف میں سے منتخب اصطلاحات کا تفسیر بیان القرآن معارف القرآن، تفسیر نعیمی، تفسیر حقانی، تفسیر حسنات اور تبیان القرآن کی روشنی میں استنباط کیا جائے گا۔

فصل چہارم:

منہج تحقیق

منہج تحقیق:(Research Methodology)

- اس مقالہ میں تجزیاتی طریقہ تحقیق اختیار کیا گیا ہے۔
- موضوع تحقیق کے متعلق مواد کیلئے بنیادی مصادر سے استفادہ کیا جائے گا جیسے قرآن مجید، تفسیر بیان القرآن معارف القرآن، تفسیر نعیمی، تفسیر حقانی، تفسیر حسنات اور تبیان القرآن۔
- موضوع سے متعلق احادیث سے استفادہ کے لیے صحاح ستہ اور دیگر کتب حدیث جیسے المستدرک علی الصحیحین، مسند احمد، البحر المحیط وغیرہ سے استفادہ کیا گیا ہے۔
- ثانوی مصادر کو بھی استعمال میں لایا گیا ہے جیسے عوارف المعارف، کشف المحجوب، تذکرۃ الاولیاء، فوائد الفوائد اور رسالہ قشیریہ۔
- لغوی تحقیق کے لیے لسان العرب کاموس المحیط سر دلبراں فرہنگ اصطلاحات تصوف وغیرہ سے استفادہ کیا گیا ہے۔
- نمل لائبریری، انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی کی لائبریری، نیشنل لائبریری آف پاکستان سے استفادہ کیا گیا ہے۔
- جدید ذرائع جیسے ویب سائٹس، ویکیپیڈیا وغیرہ سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔
- مقالہ کی تدوین و تحریر کے لیے نمل اسلام آباد کا فارمیٹ مد نظر رکھا گیا ہے۔
- قران مجید کا اردو ترجمہ سید ریاض حسین شاہ کا ذکر کیا گیا ہے۔

ابواب وفصول کی ترتیب و تقسیم (Chapterization Of Research Theme)

باب اول: تعارف تحقیق

باب دوم: تصوف اور سلاسل تصوف و منتخب اردو تفاسیر کا تعارف

فصل اول: تصوف کا تعارف

فصل دوم: سلاسل تصوف کا تعارف

فصل سوم: منتخب اردو تفاسیر کا تعارف

باب سوم: اصطلاحات تصوف کا تعارف و مفہوم

فصل اول: ایمانیات سے متعلقہ اصطلاحات تصوف کا تعارف و مفہوم

فصل دوم: اخلاقیات سے متعلقہ اصطلاحات تصوف کا تعارف و مفہوم

فصل سوم: معاملات سے متعلقہ اصطلاحات تصوف کا تعارف و مفہوم

باب چہارم: آیات قرآنیہ سے اصطلاحات تصوف کا استنباط

فصل اول: ایمانیات سے متعلقہ اصطلاحات تصوف کا استنباط

فصل دوم: اخلاقیات کے ساتھ متعلقہ اصطلاحات تصوف کا استنباط

فصل سوم: معاملات کے ساتھ متعلقہ اصطلاحات تصوف کا استنباط

باب دوم: تصوف اور سلاسل تصوف و منتخب اردو تفاسیر کا تعارف

فصل اول: تصوف کا تعارف

فصل دوم: سلاسل تصوف کا تعارف

فصل سوم: منتخب اردو تفاسیر کا تعارف

فصل اول:

تصوف اور سلاسل تصوف کا تعارف

لغوی و اصطلاحی تعریف

لفظ تصوف کے مادہ اشتقاق کے بارے میں مختلف اقوال پائے جاتے ہیں تاہم درج ذیل مادہ اشتقاق تصوف کے حوالہ سے بیان کیے جاتے ہیں۔

صوف

اونی لباس، اگر اس کو تصوف کو کا مصدر مانا جائے تو اس لحاظ سے اس کا معنی ہو گا صوفی ایسا شخص جو اونی لباس پہنتا ہے۔

ابو النصر سراج فرماتے ہیں

الصوفیہ نسبو ا الی ظاهر اللبسۃ لان لبسۃ الصوف راب الانبیاء و شعار الاولیاء والاصفیاء[2]

صوفیہ اپنے ظاہری لباس کی وجہ سے صوفی کہلائے، یہ اس لئے کہ بھیڑوں کی اون کے کپڑے پہننا اولیاء، انبیاء اور برگزیدہ ہستیوں کا نشان خاص ہے۔

جیسے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم غلام کی دعوت قبول فرما لیتے تھے، سواری کے لیے گدھا استعمال فرمالیا کرتے تھے، صوف (اون) کا لباس پہنتے تھے۔[3]

---

[2]. مصنف، شیخ ابو نصر سراج، کتاب اللمع، کتاب اللمع فی التصوف ناشر: تصوف فاؤنڈیشن، لاہور، پاکستان. سالِ اشاعت، ۲۰۰۰، ص ۵۲

[3] شیخ شہاب الدین سہر وردی، عوارف المعارف، شبیر برادرز، اردو بازار لاہور، ۲۰۱۱، ص ۱۰۵

صف

شیخ ابو ذرعہ طاہر رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے اپنے مشائخ سے بالاسناد حضرت عبد اللہ بن مسعود سے حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا حضرت موسی علیہ السلام نے جب اللہ تعالی سے طور پر کلام فرمایا تو وہ صوف کا جبہ صوف کی شلوار چادر اور آستین بھی صوف کے پہنے ہوئے تھے۔ ان کے جوتے گدھے کے بے رنگے ہوئے چمڑے کے بنے ہوئے تھے۔

یہ بھی کہا گیا کہ ان کا نام صوفی اس لیے رکھا گیا کہ وہ اپنی بلند ہمتی اللہ سے دلی تعلق رکھنے اور اس کے سامنے باطنی اسرار پیش کرنے کی وجہ سے اللہ کے سامنے صف اول میں ہیں۔[4]

صفوی

بعض علماء کا قول ہے کہ اصل میں یہ نام صفوی تھا، جو ثقیل ہونے کی وجہ سے صوفی بن گیا۔[5]

التصوف

اس کا معنی یکسو ہونا اور پوری یکسوئی کے ساتھ متوجہ ہونا ہے اگر اس کو مادہ اشتقاق مانا جائے تو معنی یہ ہو گا کہ صوفی ایسا شخص ہے جو پوری یکسوئی کے ساتھ اپنے خالق کی طرف متوجہ ہو گیا ہے۔

الصفا

صاف ہونا اس کی رو سے کسی شے کو ہر طرح کی ظاہری اور باطنی الودگی اور ناپاکی سے پاک اور صاف کرنا اور صاف اور شفاف بنا دینا تصوف کہلاتا ہے۔ اس سے پھر مراد یہ ہو گا کہ صوفی وہ شخص ہے کہ جس نے ظاہری اور باطنی آلودگی سے خود کو صاف کر لیا ہے۔[6]

---

[4] شیخ شہاب الدین سہر وردی، عوارف المعارف، ص۱۰۷

[5] شیخ شہاب الدین سہر وردی، عوارف المعارف، ص۱۰۸

[6] ویکیپیڈیا

تصوف کی جامع تعریف

تصوف کے بارے میں صوفیائے کرام کے ہزاروں اقوال ہیں سب کا نقل کرنا باعث طوالت ہوگا اور تقریباسب کا مفہوم بھی ملتا جلتا ہے۔لہذا تصوف کی تعریف ان سب کو دیکھتے ہوئے یہ ہوگی کہ صوفی وہ ہے جو ہمیشہ تزکیہ نفس کرتا رہے اور اپنے قلب کو نفسانی آلائشوں سے صاف کر کے ہمیشہ اپنی اوقات کو کدورتوں سے پاک وصاف رکھے۔ چونکہ وہ ہر وقت اپنے مولا کے سامنے سر نیاز خم کرتا رہتا ہے اس لیے اس کی یہ نیاز مندی اس کا دل صاف کر کے کدورتیں دور کرتی ہے۔ تاہم جب کبھی نفسانی حرکتیں و صفتیں نمودار ہوتی ہیں تو وہ صوفی اپنی بصیرت کاملہ سے اسے بھانپ لیتا ہے۔ اس وقت وہ اپنے رب کی طرف رجوع کرتا ہے۔ تصفیہ قلب سے اس کو ڈھارس و دل جمعی ہوتی ہے۔ اگرچہ وہ اپنے نفس کی حرکتوں سے پریشان دل ہوتا ہے اور صفا میں قدورت پیدا ہو جائے تو اپنے رب سے قلبی تعلق استوار کرتا ہے جو اس کے قلب کو اس کے نفس پر غالب رکھتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ[7]

اے ایمان والو اللہ کے نظام پر قائم ہو جاو گواہی دینے والے انصاف کے ساتھ۔

اس آیت میں قوامین سے مراد نفس پر غالب آنا ہے اور یہی صوفیانہ اخلاق ہے۔ ایک بزرگ کا قول ہے تصوف سراپہ اضطراب ہے اگر اس میں سکون اور ٹھہراؤ آجائے تو تصوف برقرار نہیں رہے گا۔

اس قول میں یہ راز پنہاں ہے کہ روح ہمیشہ بارگاہ الہی کی طرف کشش کرتی ہے یعنی صوفی کی روح ہمیشہ قرب الہی کے بلند مقامات تک پہنچنے کی کوشش کرتی ہے مگر اس کا نفس اپنی وضع کے مطابق عالم سفلی میں تہ نشین ہونا چاہتا ہے اور پیچھے کی طرف لوٹتا ہے۔ اس لیے صوفی کو نفس اور روح کی اس کشمکش میں مسلسل جدوجہد کرنا پڑتی ہے وہ ہمیشہ رب کا محتاج اس کی پناہ ڈھونڈتا ہے اور اپنے نفس کی اچھی طرح دیکھ بھال کرتا ہے۔[8]

---

[7] المائدہ:۸

[8] شیخ شہاب الدین سہروردی، عوارف المعارف، ص ۱۰۷

تصوف حدیث جبرائیل میں مذکور لفظ احسان کے علمی بیان کا نام ہے رسالت ماب صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی پیغمبرانہ ذمہ داریوں میں سے ایک تزکیہ نفوس بھی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَ يُزَكِّيْكُمْ وَ يُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ[9]

جیسا کہ تم پر انعام کیا کہ بھیجا ہم نے تم میں تم ہی میں سے ایک عظیم رسول پڑھ پڑھ سناتا تمھیں ہماری آیتیں اور پاک کرتا ہے تمھیں اور تعلیم دیتا ہے تمھیں کتاب کی اور حکمت کی اور سکھاتا ہے تمہیں وہ باتیں جنہیں تم جانتے تک نہ تھے۔

اور تاریخی مؤثرات کے غلبے کے بعد جب ہدایت شعور سے اپنی نسبتوں کو تشکیل دیتی ہے تو تزکیہ نفس کی سرگرمی تصوف و عرفان میں بطور علم متشکل ہوتی ہے۔ یہ ان محتم بشان علوم میں سے ہے جن کے عملی بیانات و اظہارات قرون اول میں پائے جاتے ہیں اور جن کا جوہر نبوی ذمہ داریوں میں متضمن ہے۔

ہر علم کی طرح تصوف بھی تشکیل اور تدوین کے مراحل سے گزرا ہے تشکیل بنیادی علمی قضیہ کی وجہ سے عبارت ہے تدوین تفصیلات سے مکمل ہوتی ہے جبکہ تزین جزئیات نگاری اور دقت نظری کا مظاہرہ ہوتی ہے۔ دوسری صدی ہجری سے تیسری صدی ہجری کا وقت تصوف کی تشکیل کا وقت ہے پانچویں صدی ہجری تدوین کا مرحلہ ہے جبکہ بارھویں صدی ہجری تک تظیم کا دور ہے۔ حضرت شیخ علی ہجویری عہد تدوین کی شخصیت ہے اور آپ کی کتاب کشف المحجوب علم تصوف کا شاہکار ہے یہ بات معلوم ہے کہ اصطلاح سازی دراصل زبان اور تعقل کے باہمی تعمل سے مستفاد ہے جو کہ ایک مستقل فن کی حیثیت رکھتی ہے۔

تصوف کی اہمیت

انسانی وجود کے ارتقا ارتقا اور بقا کا دارومدار جسم اور روح کی ہم آہنگی پر ہے اور یکسانیت پر ہے۔ یوں بھی ہر چیز کے دو رخ ہوتے ہیں ہر چیز کے دو حصے ہوتے ہیں۔ ایک ظاہری اور دوسرا باطنی۔ انسان کے خارج کا اور اس کے ظاہر کا تعلق ظاہری ساخت اور برتاؤ سے ہوتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ باہر کا رویہ اندر کے محرکات ہی سے ہوتا ہے۔ اور اندر کے جو رویے ہوتے ہیں ان کا انحصار باہر کے یا خارجی ماحول کے تحت ہوتا ہے۔ ادیان اور مذاہب کی رو سے بھی ظاہر باطن کی اس تقسیم کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ اسلام میں

---

[9] البقرۃ:۱۵۱

بھی ان دونوں پہلوؤں کو دو اصطلاحات کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے ایک شریعت دوسرا طریقت ایک کا تعلق عبادات سے ہے اور دوسرے کا تعلق معاملات سے۔ایک کا تعلق عمل سے ہے دوسرے کا سوچنے اور محسوس کرنے سے بالفاظ دیگر شریعت کا تعلق نماز روزے ارکان اسلام کی پابندی سے متعلق احکامات پر مشتمل ہے جبکہ طریقت کا تعلق باطن کی پاکیزگی تزکیہ نفس سوچ فکر خیالات کے ذریعے داخلی رویوں کی اصلاح کے ساتھ ہے لیکن جس طرح جسم اور روح کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جاسکتا اسی طرح شریعت اور طریقت بھی ایک دوسرے میں ضم ہیں ان دونوں کو ایک دوسرے سے جدا جدا نہیں کیا جاسکتا۔

تصوف کا تعلق اگرچہ دونوں کے ساتھ ہے لیکن اس کا زیادہ جھکاؤ طریقت کی طرف ہوتا ہے یعنی انسان کے اندر کی صفائی اس کی پاکیزگی تزکیہ نفس اور اس کے ساتھ زیادہ جھکا ہوتا ہے یوں بھی میسٹیسزم تصوف اصل کے اعتبار سے یونانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی آنکھیں بند کر لینا ہیں۔

یعنی دنیائے محسوسات سے ہٹ کر باطنی حقیقت کی طرف رجوع کر لینا کہا جاسکتا ہے کہ تصوف تزکیہ نفس کے بعد اپنی اصل سے واصل ہو جانے کے ذوق کا سفر ہے۔یعنی خود کو پا لینے کے ذوق کا سفر ہے یعنی پاکیزگی باطن کے عمل سے گزر کر حقیقت مطلق سے ہمکنار ہونے کا نام تصوف ہے یہ ایک طرح سے سائنس بھی ہے اور آرٹ بھی ہے کیونکہ اگر تصوف کو صفائی باطن اور حقیقت مطلق تک رسائی حاصل کرنے کا علم تسلیم کر لیا جائے تو ایک لحاظ سے یہ سائنس کہلائے گا اور اگر اسے منزل مقصود تک پہنچنے کا عملی طریقہ کار مان لیا جائے یا منزل مقصود کے حصول کا ذریعہ مان لیا جائے تو اسے ایک فن بھی کہا جاسکتا ہے تصوف کی اہمیت علمائے امت کے ہاں بھی مسلم ہے ملا علی قاری تصوف کی اہمیت پر فقہ مالکی کے امام، امام مالک کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں

من تفقہ و لم یتصوف فقد تفسق ومن تصوف و لم یتفقہ فقد تزندق ومن جمع بینھما فقد تحقق[10]

علم فقہ حاصل کرنے کے بعد جس نے تصوف اختیار نہیں کیا وہ فسق وفجور میں مبتلا ہو گیا اور جس نے صوفیت اختیار کی اور علم شریعت سے دور رہا وہ بے دین وزندیق ہو گیا اور جس نے ایک ساتھ دونوں حاصل کر لیے اس نے حقیقت مراد پالی۔

---

[10] ملا علی قاری، مرقاۃ شرح مشکوٰۃ: ۲ / ۱۹۰، کتاب العلم، الفصل الثالث، دار الکتب العلمیہ لبنان بیروت

تصوف کے ماخذ

تصوف کے ماخذ کے بارے میں محققین علماء اور مفکرین میں کچھ اختلاف پایا جاتا ہے کچھ محققین و مفکرین تصور کو اشراقیت سے کچھ بدمت سے کچھ مسیحیت سے اور کچھ ہندو مت سے ماخوذ کہتے ہیں[11]۔ کچھ محققین تصوف کے وجود کو فلسفہ یونان بالخصوص نو افلاطونوی فلسفہ کے زیر اثر سمجھتے ہیں۔ ایک گروہ کا یہ بھی ماننا ہے کہ تصوف عربوں کے خلاف آریائی قوموں کا ایک خاص قسم کا رد عمل ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے تصوف کا ماخذ حقیقی دراصل قرآن مجید ہے قرآن کی متعدد آیات میں طلب مغفرت صبر و رضا مجاہدہ توکل اور اس کی ابتدا اور انتہا کا علم تحقیق اور اس کے مقاصد کی تفہیم اور رجوع اللہ کی ترغیب دلائی گئی۔[12]

چنانچہ ارشاد باری ہے

فاذْكُرُوْنِیْٓ اَذْكُرْكُمْ وَ اشْكُرُوْا لِیْ وَ لَا تَكْفُرُوْنِ[13]

توخوب ذکر کرو میرا، میں بھی تمہیں یاد میں رکھوں گا اور شکر ادا کیا کرو میرا اور کبھی بھی کفر نہ کرنا۔

قرآن حکیم کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم علیہ وسلم کے ارشادات اور آپ کا عمل مبارک طریقت کے اصولوں کو مرتب کرنے میں سنگ میل ثابت ہوا۔ آپ نے توحید اور رجوع الی اللہ کے بعد سب سے زیادہ کس چیز پر زور دیا وہ تصحیح نفس ہے۔ اور اس کے لیے ریاضت کے اصول اور آئین مقرر کیے۔ تفکر اور عبادت کے آداب سکھائے دنیا میں رہتے ہوئے دنیا کو بستے ہوئے دنیا سے الگ رہنے اور اس سے بے نیازی کی تعلیم دی۔[14]

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے بعد میں تم سے جس چیز کے بارے میں ڈرتا ہوں یہ کہ دنیا کے زینت اور کامیابی کے دروازے تم پر کھل جائیں گے۔

---

[11] خلیق نظامی، تاریخ مشائخ چشت، ناشر مشتاق بک کارنر، الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور ۲۰۲۱، ص ۵۲

[12] قدر آفاقی، اسلامی اخلاق اور تصوف، ناشر شیخ محمد بشیر اینڈ سنز لاہور، ۲۰۰۱، ص ۱۸۷

[13] البقرۃ:۱۵۲

[14] قدر آفاقی، اسلامی اخلاق اور تصوف، ص ۱۸۸

ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا کہ یعنی دنیا مومن کے لیے قید خانہ ہے۔ اور کافروں کے لیے جنت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعدد فرامین موجود ہیں جن میں زہد کی ترغیب بھی ہے، ذکر، توکل، صبر، توبہ، پھر نوافل کے ذریعے قرب اللہ حاصل کرنے کی بھی تعلیم ہے۔ ایک موقع پر ارشاد فرمایا اللہ تعالی جب اپنے بندے کے ساتھ بھلائی کرنا چاہتا ہے تو اسے دین میں سمجھ عطا فرماتا ہے۔[15]

رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کی ساری زندگی ریاضت اور عبادت میں گزری اور اللہ تعالی کی توحید کی دعوت دینے میں گزری آپ دن میں ستر بار استغفار فرمایا کرتے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق فرماتے ہیں جس نے معرفت الہی کا مزہ چکھ لیا وہ ماسوائے اللہ کہ سب سے بے پرواہ ہو جاتا ہے، اور لوگوں سے اسے وحشت ہونے لگتی ہے۔ حضرت عمر کی سادہ زندگی اور فقر و ایمان کی دنیا سے بے نیازی کا فرد و ثبوت ہے۔ حضرت عثمان کا زیادہ وقت عبادت ریاضت میں گزرتا تھا جہاں تک کہ شہادت کے وقت بھی تلاوت قرآن میں مشغول تھے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کی پوری زندگی تقوی عبادت و ریاضت سے عبارت ہے۔ تصوف سے ان کا یوں بھی گہرا تعلق ہے کہ تمام سلاسل تصوف کی سند حضرت علی تک پہنچتی ہے۔ حضرت ابو ذر غفاری رات دن رات کا بڑا حصہ عبادت میں سچ کرتے تھے پھر جب اسلامی فتوحات میں دنیاوی دولت اور جاہ و حشم کو مسلمانوں کے قدموں میں لاڈالا تو دنیا پرستی میں اپنا اثر دکھایا اور نفس کی پوجا شروع ہو گئی فساد کے اس دور میں پھر اہل اللہ کی ایک جماعت سرگرم عمل ہوئی اور خالص دین کا جھنڈا بلند کیا یہ جماعت صوفیاء اور اولیاء اللہ کی جماعت تھی اور یہی جماعت ہر دور میں دنیا پرستی کے خلاف صف آرہا ہی ہے۔[16]

[1515] قدر آفاقی، اسلامی اخلاق اور تصوف، ص۱۸۸

[16] قدر آفاقی، اسلامی اخلاق اور تصوف، ص۱۸۹

فصل دوم:

سلاسل تصوف کا تعارف

سلسلہ قادریہ کا تعارف

سید عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ محبوب ربانی سید عبد القادر جیلانی رحمت اللہ علیہ یکم رمضان المبارک 470 ھجری بمطابق 23 مارچ 1078ء ایران کے صوبہ کرمان شاہ کے شہر گیلان میں پیدا ہوئے[17]۔ آپ نجیب الطرفین سید تھي والد کي جانب سے امام حسن المجتبی رضی اللہ تعالی عنہ اور والدہ کی جانب سے سلسلہ نسب امام حسین سید الشہداء رضی اللہ تعالی عنہ سے جاملتاہے۔ آپ کے والد گرامی کا نام نامی حضرت ابو صالح موسی تھا، معتبر تاریخی روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ بچپن میں ہی یتیم ہو گئے تھے۔ آپ کی ولادت کے کچھ ہی دنوں کے بعد آپ کے والد ماجد کا انتقال ہو گیا تھا[18]۔ آپ اپنے والدین کے اخری اولاد تھے بچپن سے ہی اثار ولآیت نمایا تھے عام طور پر بچے کھیل کود کے شوقین ہوتے لیکن آپ بچپن ہی سے دور رہے، جیلان میں تعلیم کا کوئی ماحول نہیں تھا زیادہ سے زیادہ چھوٹے چھوٹے مکاتب تھے یہاں عربی زبان کا بھی رواج نہیں تھا لیکن آپ کی والدہ آپ کو دور بھیجنا بھی گوارانہ کرتی تھی جب آپ کی عمر 18 سال ہوئی تو تحصیل ان کے لیے والدہ نے آپ کو ایک قافلے کے ساتھ بغداد روانہ کیا جس میں 40 دینار آپ نے کپڑے میں سیدھے اور راستے میں حمدان کے قریب ڈاکوؤں کا مشہور واقعہ پیش ایا جس میں آپ کی راست بازی کی بناپر نہ صرف اہل قافلہ محفوظ رہے بلکہ ڈاکوؤں کو بھی توفیق توبہ نصیب ہوئی۔

---

[17] ذھبی، شمس الدین الذہبی، العبر فی الخبر، جلد ۴، ص ۱۷۶، دار الکتب العملیہ، لبنان، بیروت

[18] جامی،، مولانا عبد الرحمان جامی، نفحات الانس، ص ۵۳۰، مترجم سید احمد علی شاہ، شبیر برادرز اردو بازار لاہور۔

سید عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے مشائخ طریقت کی تعلیم اکثر اصحاب سیر و تاریخ کے مطابق شیخ ابو الخیر حماد بن مسلم ادباس ابو محمد جعفر بن احمد سراج اور قاضی ابو سعید مبارک بن علی سے حاصل کی خرقہ خلافت ابو حضرت ابو سعید مخرمی سے حاصل کیا[19]۔

ریاضت و مجاہدہ علم ظاہر و باطن کے تکمیل کے بعد تقریباً 25 سال آپ نے عراق کے صحراؤں اور جنگلوں میں سخت عبادت و ریاضت کی بڑی تکلیفیں اٹھائی درختوں کے پتے اور چھالیں کھا کر زندگی بسر کی فاقے کی یہاں تک کہ آپ کو عبد القادر دیوانہ کہا جانے کا جانے لگا ایک بار ایسی بے ہوشی ہوئی کہ لوگوں نے مردہ سمجھ لیا اور تجویز و تدفین کی تیاری بھی کرنے لگے۔[20]

ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کی امد اور نفوظ ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کے سب سے قدیم بلکہ اولین بزرگ حضرت سید نور الدین مبارک غزنوی ہیں وہ حضرت شیخ شہاب الدین سہر وردی کے خلیفہ تھے اور حضرت سہر وردی شیخ عبد القادر جیلانی کے خلیفہ تھے حضرت سید نور دین ایک بڑے روحانی مقتدا اور دلی کے شیخ الاسلام تھے حضرت سلطان شمس الدین التمش کے زمانہ میں آپ کو میر دلی کہا جاتا تھا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سلسلہ قادریہ ساتویں صدی ہجری کے اوائل ہی میں حضرت پیران پیر کی وصال کے 50 سال بعد ہندوستان میں پہنچ چکا تھا[21]

سلسلہ قادریہ کا شجرہ طریقت

یہ سلسلہ حضرت سید عبد القادر جیلانی سے شروع ہوتا ہے آپ کا سلسلہ طریقت حضرت علی کرم اللہ وجہ تک اس طرح پہنچتا ہے:

- حضرت علی کرم اللہ وجہ
- حضرت خواجہ حسن بصری

---

[20] امام عادل قاسمی، سلاسل تصوف، مکتبہ جامعہ ربانی، دہلی، ۲۰۲۳، ص ۲۹

[21] امام عادل قاسمی، سلاسل تصوف، مکتبہ جامعہ ربانی، دہلی، ۲۰۲۳، ص ۳۰

- شیخ حبیب عجمی
- شیخ داؤد تائی
- شیخ معروف کرخی
- شیخ تستری مکتی
- حضرت شیخ جنید بغدادی
- حضرت شیخ ابو بکر
- حضرت شیخ شبلی
- شیخ عبدالواحد تمیمی
- شیخ ابوالفراح ترتوسی
- شیخ ابوالحسن حقاری
- شیخ ابوسعید مخزوم
- حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی

سلسلہ قادریہ کی اہم تصانیف

1. آپ نے کچھ کتابیں بھی تصنیف کی جن میں سے مشہور کتابوں کے نام یہ ہیں
2. غنیتہ الطالبین عربی۔ اس کا فارسی اردو اور سندھی اور دوسری زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے
3. فتوح الغیب۔ تصوف کی تعلیم کے متعلق ایک جامع کتاب ہے اس کی شرحیں بھی لکھی گئی ہیں اور کئی زبانوں میں ترجمے ہو چکے ہیں۔
4. الفتح الربانی والفیض الرحمانی۔ آپ کے معاذ و ارشادات کا مجموعہ ہے۔
5. مکتوبات غوشیہ۔ یہ مکاتیب فارسی میں ہیں اس کا اردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔

6. دیوان محی الدین۔ یہ شاعری میں فارسی دیوان ہے۔

7. اسبوع و شریف

8. چہل کاف

9. الفیوضات الربانیہ

سلسلہ قادریہ کی تعلیمات

آپ نے توحید، شریعت کی پابندی اور اللہ تعالی سے تعلق قائم رکھنے کی تعلیم دی۔ آپ کے تعلیمات کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔

توحید خالص:

فتوح الغیب کی ایک مجلس میں آپ نے توحید خالص اور ماسوا اللہ سے قطع تعلق کرنے کی تعلیم اس طرح دی ہے:

اس پر نظر رکھو جو تم پر نظر رکھتا ہے اس کے سامنے رہو جو تمہارے سامنے رہتا ہے، اس سے محبت کرو جو تم سے محبت کرتا ہے اس کی بات مانو جو تم کو بلاتا ہے، آپنا ہاتھ اسے دو جو تم کو گرنے سے سنبھال لے گا اور تم کو جہل کی تاریکیوں سے نکال لے گا اور ہلاکتوں سے بچائے گا۔

فتح الربانی کی ایک مجلس میں فرمایا:

ساری مخلوق عاجز ہے نہ کوئی مجھے نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان، بس اللہ ان کے ہاتھوں کرا دیتا ہے۔ اس کا فعل تیرے اندر اور مخلوق کے اندر تصرف فرماتا ہے جو کچھ تیرے لیے مفید یا مضر ہے اس کے متعلق اللہ کے علم میں قلم چل چکا ہے۔ اس کے خلاف نہیں ہو سکتا۔

آج تو اعتماد کر رہا ہے اپنے نفس پر، مخلوق پر، اپنے دیناروں پر، اپنے درہموں پر، اپنے خرید و فروخت پر اور اپنے شہر کے حاکم پر ہر چیز کو جس پر تو اعتماد کرے وہ تیرا معبود ہے اور ہر شخص جس پر نفع نقصان کے متعلق تیری نظر پڑے اور تو یوں سمجھے کہ حق تعالیٰ ہی اس کے ہاتھوں اس کا جاری کرنے والا ہے تو وہ تیرا معبود ہے۔

فتح الغیب میں مومن کو آپ سمجھا رہے ہیں:

ہر مومن کے لیے ہر حال میں یہ تین چیزیں لازم ہیں ایک یہ کہ حکم الٰہی کی تعمیل کرے دوسرا یہ کہ ممنوع سے بچتا رہے تیسرا یہ کہ قضائے الٰہی پر راضی رہے پس مومن کے لیے کم سے کم مرتبہ یہ ہے کہ ان تینوں چیزوں سے خالی نہ ہو۔

شریعت کی پابندی

سنت کی پیروی کے متعلق فتوح الغیب میں آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ

پیروی سنت کرتے رہو اور راہ بدعت اختیار نہ کرو اطاعت کرو اور دائرہ اطاعت سے باہر نہ رہو توحید خداوندی کو مانو اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ کہ وہی جو کچھ کرتا ہے اپنی مشیت سے کرتا ہے اس کو ہر عیب سے پاک سمجھو

فتوح الغیب میں آپ نے اپنے فرزند کو دستور العمل بتائے ہیں، جس سے انسان عارف کامل بن سکتا ہے۔ آپ نے اپنے فرزند کو شریعت کی پابندی اور ضبط نفس اور مجاہدہ اور ادائے حقوق العباد کی تلقین کی ہے، فرمایا:

میں وصیت کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اور اطاعت اختیار کرو اور احکام شریعت کی پابندی لازمی رکھو اور سینہ کو خباثت نفس سے پاک رکھو نفس میں جوانمردی رکھو اور کشادہ رہو اور جو شے عطا کرنے کے قابل ہو اسے عطا کرتے رہو ایذادہی سے باز رہو اور برابر والوں سے حسن معاشرت رکھو اور فردوس کی نصیحت کرتے رہو اور اپنے رفیقوں سے جنگ نہ کرو اور ایثار کو اپنے اوپر لازم کر لو اور ذخیرہ مال فراہم کرنے سے بچو۔

تصوف

تصوف کی وضاحت کرتے ہوئے آپ نے فتح الغیب میں لکھا ہے:

تصوف آٹھ خصلتوں پر مبنی ہے۔ سخاوت ابراہیم پر، صبر ایوب پر، مناجات ذکریا پر، غربت یحیی پر، خرقہ پوشی موسی پر تجرد عیسی پر اور فقر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر۔

فقر کی حقیقت ان لفظوں میں بیان فرمائی:

فقر کی حقیقت یہ ہے کہ اپنی جیسی ہستی یعنی کسی بندہ کا محتاج نہ رہے۔

دنیا کی حقیقت

آپ نے رہبانیت کی تعلیم نہیں دی لیکن دنیا کی پرستش اور اس سے دلی محبت رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ ایک موقع پر آپ نے فرمایا:

دنیا میں آپنا مقسوم اس طرح مت کھا کے وہ بیٹھی ہوئی ہو تو کھڑا ہو، بلکہ اس کو بادشاہ کے دروازے پر اس طرح کھا کے تو بیٹھا ہوا ہو اور وہ طباق اپنے سر پر رکھے ہوئے کھڑی ہو۔ دنیا اس کی خدمت کرتی ہے جو حق تعالی کے دروازے پر کھڑا ہوتا ہے۔ جو دنیا کے دروازے پر کھڑا ہوتا ہے اس کو ذلیل کرتی ہے۔

ایک دوسرے موقع پر فرمایا:

دنیا ہاتھ میں رکھنی جائز، جیب میں رکھنی جائز، کسی اچھی نیت سے اس کو جمع رکھنا جائز باقی دروازہ سے آگے گھسنا ناجائز نہ تیرے لیے عزت ہے۔

چشتی سلسلہ کا تعارف

سلسلہ چشتیہ چشتیہ سلسلہ کی داغ بیل حضرت شیخ ابو اسحاق شامی چشتی نے ڈالی لیکن اس کی شہرت واشاعت حضرت معین الحق والدین حسن سنجری چشتی اجمیری کی مرہون منت ہے۔ چشت خراسان کے ایک مشہور شہر کا نام ہے وہاں کچھ بزرگان دین نے

روحانی اصلاح وتربیت کا ایک بڑا مرکز قائم کیا۔ اسی نسبت سے یہ سلسلہ چشتیہ کہلانے لگا[22]۔ حضرت خواجہ ابو اسحاق چشتی شامی پہلے بزرگ ہیں جن کے اسم گرامی کے ساتھ تذکروں میں چشتی لکھا ہوا ملتا ہے۔ حضرت ابو ساک چشتی سے حضرت خواجہ معین الدین چشتی تک مسلسل کے یہ قبر کا تعلق کسی خطہ چشت اہل بیت سے رہا حضرت خواجہ معین الدین اجمیری سے قبل بھی سلسلہ چشت کے بعض اکابر صوفیا ہندوستان تشریف لائے تھے جیسا کہ حضرت امام عبد الرحمن جامی نے خواجہ ابو محمد بن ابی احمد چشتی کے تذکرے میں کیا ہے کہ وہ سلطان محمود غزنوی کے ہمراہ ہندوستان سومنات آئے اور ان کی دعا سے لشکر اسلام کو فتح نصیب ہوئی۔

شجرہ طریقت

- دیگر تصوف کے سلسلوں کی طرح یہ طریق بھی حضرت علی کرم اللہ وجہ سے اس طرح ملتا ہے۔
- حضرت علی کرم اللہ وجہہ
- حضرت خواجہ حسن بصری
- حضرت خواجہ ابو الفضل عبد الواحد بن زید
- حضرت خواجہ ابو علی ابو الفیض الفضیل بن عیاض
- حضرت خواجہ ابراہیم ادھم
- حضرت خواجہ سید بدرالدین حذیفہ المرعشی
- حضرت خواجہ امین الدین ابو ھیرۃ البسرہ
- حضرت خواجہ ہمشاد علی دینوری
- حضرت خواجہ ابو اسحاق شامی چشتی

[22] خلیق نظامی، تاریخ مشائخ چشت، ص۱۵۹، مشتاق بک کارنر، الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور

حضرت خواجہ ابو اسحاق شامی چشتی

حضرت ابو اسحاق شامی بغداد میں اپنے پیر کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ کے پیر حضرت ممشاد علی دینوری نے آپ سے پوچھا کہ تمہارا نام کیا ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ غلام کو ابو اسحاق چشتی کہتے ہیں۔ آپ نے بڑی محبت اور شفقت سے فرمایا: کہ تم خواجہ چشت ہو۔ اور چشت میں اسلام تمہارے قدم کی برکت سے پھیلے گا۔ پیر سے خلافت اور اجازت پانے کے بعد آپ چشت تشریف لائے اور وہاں خواجہ چشت کے نام سے مشہور ہوئے۔ سلسلہ چشتیہ کے اس نام سے موسوم ہونے کی یہ بھی ایک وجہ بتائی جاتی ہے۔ حضرت خواجہ ابو اسحاق سماع کے شوقین تھے۔

حضرت خواجہ ابو احمد چشتی:

آپ کا شجرہ نسب سید حسن مثنی بن امیر المومنین حضرت حسن بن امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہ سے ملتا ہے۔

جمادی الثانی 355 ہجری بمطابق 967 عیسوی میں وفات پائی۔

حضرت خواجہ ابو محمد احمد چشتی:

حضرت خواجہ ابو احمد چشتی کے فرزند تھے چار ربیع الثانی 114 ہجری بمطابق 1102 عیسی میں فوت ہوئے آپ کے تین مقرب خلیفہ تھے حضرت ناصر الدین، خواجہ ابو یوسف چشتی، حضرت محمد کاکو۔

حضرت خواجہ ابو یوسف چشتی بن محمد بمعان:

آپ کا شجرہ نسب حضرت امام موسی کاظم کے ذریعے حضرت امام جعفر صادق سے ملتا ہے۔ وفات تین رجب 459 ہجری بمطابق 1067 عیسوی ہے۔ آپ کو سماع سے دلچسپی تھی لیکن سماع میں عام لوگوں کو آنے کی اجازت نہ دیتے تھے۔

حضرت خواجہ مودود چشتی:

حضرت خواجہ قطب الدین مودود چشتی، حضرت خواجہ ناصر الدین ابو یوسف کے فرزند تھے۔ آپ کی ولادت ۴۳۰ ہجری میں ہوئی آپ کو خرقہ خلافت و ارادت اپنے والد بزرگوار سے حاصل ہوئی۔ شاہ سبحان، جس کا لقب اور نام رکن الدین محمود ہے، آپ کی صحبت میں کچھ عرصہ رہا اور فیض یاب ہوا۔ آپ نے رجب ۵۲۷ ہجری میں وفات پائی اور چشت میں مدفون ہوئے۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے فرزند حضرت شیخ احمد سید سجادہ نشین ہوئے۔

آپ کا قول ہے:

درویش کو فاقہ کشی سے کشائش ہوتی ہے۔ آپ کو بھی سماع سے گہرا لگاؤ تھا۔

حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری اجمیری

برصغیر پاک وہند میں یہ سلسلہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کے ذریعہ رائج ہوا اور مختلف علاقوں میں پھیل گیا۔ بے شک شمار لوگ آپ کی شخصیت اور تبلیغ سے متاثر ہو کر مشرف با اسلام ہوئے اور کئی مسلمان راہ راست پر آئے۔ آپ سنجری مشہور ہیں۔ حضرت خواجہ صاحب کا وطن سجستان تھا اس لیے سنجری کہلائے جاتے تھے۔ آپ کے برصغیر پاک وہند میں آمد سے قبل کچھ چشتی بزرگ یہاں تشریف لا چکے تھے، لیکن حقیقت میں صحیح معنوں میں یہ سلسلہ برصغیر پاک وہند میں حضرت خواجہ صاحب کے ذریعہ ہی جاری ہوا اور اس کو فروغ حاصل ہوا۔۔

حضرت خواجہ صاحب سن ۵۳۶ ہجری میں سجستان میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم سجستان میں حاصل کی۔ آپ کے والد بزرگوار غیاث الدین الحسینی بہت متقی اور پرہیز گار بزرگ تھے۔

آپ کا سلسلہ نسب اس طرح ہے:

- خواجہ معین الحق

- بن غیاث الدین
- بن سید کمال الدین
- بن سید احمد حسین
- بن سید طاہر الدین
- سید عبد العزیز
- بن سید ابراہیم
- بن امام علی رضا
- بن امام موسی کاظم
- بن امام جعفر صادق
- بن امام محمد باقر
- بن امام علی زین العابدین
- بن حضرت امام حسین
- بن حضرت علی کرم اللہ وجہ الکریم

ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے لیے آپ کو مدرسہ نیشاپور میں داخل کیا گیا۔ جو اس زمانہ میں مدرسہ نظامیہ بغداد کے بعد سب سے بڑا مدرسہ تھا۔ جب آپ 15 سال کی عمر کو پہنچے، آپ کے والد بزرگوار کا انتقال ہو گیا۔ آپ کو ورثہ میں ایک باغ اور پن چکی ملی، جس سے گزراوقات ہو جاتی تھی۔ آپ زیادہ تر اسی باغ میں رہ کر عبادت الٰہی میں مشغول رہتے تھے۔ ایک روز وہاں ایک مجذوب بزرگ حضرت ابراہیم قندوزی کا گزر ہوا حضرت خواجہ صاحب نے ان کی خدمت میں انگور کے خوشے پیش کئے۔ مجذوب بزرگ نے اپنے بغل سے کھلی کنجارہ اکا ایک ٹکڑا نکال کر دانتوں میں چبا کر حضرت خواجہ صاحب کے منہ میں ڈال دیا کھلی کھانے کے بعد خواجہ صاحب کا دل نور الٰہی سے روشن ہو گیا اور دل دنیوی اسباب سے متنفر ہو گیا۔ اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے اور بخارہ پہنچے اور تعلیم حاصل کرنے لگے۔ اس کے بعد سمرقند ائے اور دینی اور عقلی علوم کی تکمیل کی۔

سمرقند سے نکل کر عراق کی طرف روانہ ہوئے نیشاآپور کی حدود میں واقعہ قصبہ ہارون میں حضرت خواجہ عثمان ہارونی کی خدمت میں حاضر ہوکر ان کے دست حق پر بیعت کی اور ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد فرقہ خلافت حاصل کیا۔ آپ اپنے مرشد کی خدمت میں 20 سال تک رہے اس عرصہ میں 10 سال تک ان کے ساتھ سیاحت کی۔ سیاحت کے دوران مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی زیارت بھی کی۔ خواجہ ہارون نے ان کے حق میں دعائیں کیں۔ مدینہ منورہ میں بارگاہ رسالت سے حضرت خواجہ صاحب کو ہندوستان جانے کی بشارت ملی۔ چنانچہ آپ کے پیر و مرشد نے وہاں آپ کو خرقہ خلافت سے سرفراز کیا۔ اس وقت آپ کی عمر 52 برس تھی۔

واپسی میں اپنے پیر و مرشد کے ساتھ سفر کیا۔ ہارون میں اپنے پیر سے رخصت ہوکر سنجان پہنچے اور وہاں حضرت شیخ نجم الدین کبری کی خدمت میں ڈھائی سال رہے۔ وہاں آپ حضرت سید عبدالقادر جیلانی کی خدمت میں بھی گئے اور ان کے ساتھ بغداد آئے۔ بغداد میں حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی اور ان کے پیر حضرت سے شیخ ضیاء الدین کی صحبت بھی میسر رہی۔ وہاں حضرت خواجہ اوحد الدین کرمانی سے بھی مستفید ہوتے رہے۔

بغداد سے ہمدان ائے اور خواجہ یوسف ہمدانی سے ملے۔ ہمدان سے تبریز پہنچے اور حضرت جلال الدین تبریزی کے پیر و مرشد ابو سعد تبریزی سے ملاقات کی۔ وہاں سے استر آباد آئے اور شیخ ناصر الدین استر آبادی کی زیارت کی۔ جو حضرت بایزید بسطامی کی اولاد میں سے تھے۔ استر آباد سے ہری اور وہاں سے ہوتے ہوئے سبزہ وار پہنچے وہاں سے چل کر حارسے سے ہوتے ہوئے بلخ آئے اور شیخ احمد خضرویہ کی خانقاہ میں کچھ عرصہ کیلئے مقیم رہے۔ بلخ سے غزنی آئے اور شیخ نظام الدین ابوالموید کے پیر شیخ عبدالواحد غزنوی سے ملے۔

غزنوی کے بعد ہندوستان کی طرف روانہ ہوئے۔ اور اس کے بعد لاہور آئے اور حضرت سید علی بن عثمان ہجویری کے مزار پر چلا کیا۔ وہاں سے ملتان آئے اور یہاں پانچ سال قیام کر کے ہندوستانی زبان سیکھی۔ وہاں سے دہلی آئے یہیں آخری وقت تک قیام کیا۔ اس وقت آپ کی عمر 54 سال تھی اور اپنے ساتھ 40 رفقاء لائے۔

اس وقت دہلی اور اجمیر کا حکمران چوہان خاندان کا راجہ پرتھوی راج تھا۔ راجہ نے آپ کے قیام میں بڑی رکاوٹیں پیدا کی لیکن آپ وہ کچھ بھی بگاڑ نہ سکا۔ آپ نے رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا۔ آپ کی تبلیغ سے لوگ جوق در جوق مسلمان ہونے لگے۔

آپ کی رشد و ہدایت سے کفر کا اندھیرا دور ہونے لگا گمراہیاں ختم ہونے لگیں اور اونچ نیچ اور ذات پات کی تفریق اور تمیز سے انسانوں کو نجات ملنے لگی اور انسان اپنے شرف اور شان احترام انسانیت سے روشناس ہوئے۔ ہندوستان اسلام کے نور سے منور ہوا اور ایک نیک اور صحت مند معاشرہ وجود میں آیا۔ حضرت خواجہ صاحب نے اسلام کے نظریہ توحید کو عملی صورت میں پیش کیا اور اس وجہ سے ایک زبردست دینی، سماجی اور اقتصادی انقلاب رونما ہوا۔ لوگوں کو خود شناسی کا عرفان میسر آیا اور تاریکی کا دور ختم ہوا۔ اس معاشرتی نظام پر کاری ضرب لگے جس کی بنیاد انسانیت سوز روایات، حیاسوزی، انسانی قربانی اور طبقاتی تقسیم پر رکھی ہوئی تھی۔

حضرت خواجہ صاحب اجمیر میں ایک چھوٹی سی جھونپڑی میں رہتے تھے اور بہت ہی سادہ زندگی گزارتے تھے۔ آپ کی نظر اثر رکھتی تھی جس پر آپ کی نظر پڑتی ہے وہ گناہوں سے تائب ہو کر پرہیز گاری اختیار کرتا۔ آپ مظلوم کی مدد کرتے اور ان کی دادرسی کے لیے حکومتی کارندوں اور حکمرانوں کے پاس بھی جایا کرتے تھے۔ آپ اپنے مریدوں کو تلقین کرتے تھے کہ اپنی حلال روزی کمانے کے لیے محنت اور مشقت کریں۔ آپ نے حکمرانوں کی طرف سے نہ نقد روپیہ قبول کیا اور نہ زمین۔

خواجہ صاحب نے ۶ رجب ۶۳۳ ہجری کو وفات پائی اور اسی حجرہ میں مدفون ہوئے جہاں آپ عبادت کیا کرتے تھے۔[23]

تعلیمات

ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی نے اپنی کتاب "پاکستان میں صوفیانہ تحریکیں" میں خواجہ صاحب کی تعلیمات اور تصنیفات کو تفصیل سے ذکر کیا ہے جن کا خلاصہ درج ذیل ہے حضرت خواجہ صاحب کی جانب سے مندرجہ ذیل کتب منسوب ہیں

انیس الارواح، کشف الاسرار۔ کنز الاسرار یا گنج الاسرار، رسالہ تصوف منظوم، رسالہ آفاق و انفس، حدیث المعارف، رسالہ موجودیہ، دیدان معین، دلیل احادیث

[23] تاریخ مشائخ چشت

انیس الارواح

عثمان ہارونی کی 28 صحبتوں کے ملفوظات کا مجموعہ ہے۔ اس میں تصور کے اثرات و معارف بیان کیے گئے ہیں اور دینی اور اخلاقی مسائل پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

کنزالاسرار یا گنج الاسرار

اس کتاب کے دیباچہ میں حضرت خواجہ عثمان ہارونی کے دورہ ہند کا تذکرہ ہے چونکہ تاریخ سے یہ آمد ثابت نہیں ہوتی، اس لیے یہ کتاب آپ کی طرف منسوب کرنا صحیح نہیں ہے۔ یہ کتاب کسی دوسرے صاحب نے بعد میں لکھی ہے کیونکہ اس میں حضرت مولانا روم کے اشعار بھی ملتے ہیں

دیوان معین

اس کتاب کے متعلق بھی محققین اور تحقیق کرنے والوں کا اختلاف ہے حافظ محمود شیرانی نے دلائل سے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ دیوان حضرت خواجہ معین الدین اجمیری کا نہیں ہے۔ حال ہی میں معین الدین احمد چشتی قادری اجمیری اور شمس الحسن شمس بریلوی نے کتاب لمعات خواجہ میں اس موضوع پر بحث کر کے اس دیوان کو حضرت خواجہ صاحب کا دیوان ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

دلیل العارفین

یہ حضرت خواجہ اجمیر کے ملفوظات کا مجموعہ ہے جو ان کے مرید حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے مرتب کیا۔ یہ ملفوظات انہیں اس وقت قلم بند کرنا شروع کیے جب ان کی ملاقات خواجہ اجمیر سے بغداد میں سمرقندی مسجد میں ہوئی تھی۔ ان ملفوظات میں مختلف دینی اخلاقی اور صوفیانہ اسرار و رموز اور مسائل بیان کیے گئے ہیں اس سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ صاحب کے نزدیک تصوف نہ علم ہے اور نہ رسم بلکہ مشائخ کا ایک خاص اخلاق ہے جو ہر لحاظ سے مکمل ہونا چاہیے۔ اس لیے آپ نے

فرمایا کہ اہل سلوک کو ہر قسم کی صوری اور معنوی اخلاق و محاسن کا حامل ہونا ضروری ہے۔ صوری حیثیت سے اخلاق کی تکمیل یہ ہے کہ سالک اپنے ہر کردار میں شریعت کا پابند ہو جب اس سے شریعت کے خلاف کوئی بات سرزد نہ ہو گی تو وہ دوسرے مقام پر پہنچے گا جس کا نام طریقت ہے۔ جب اس مقام پر ثابت قدم رہے گا تو معرفت کا درجہ حاصل کرلے گا۔ جب اس میں بھی پورا اترے گا تو حقیقت کا رتبہ پالے گا۔ اس لیے خواجہ صاحب نے شریعت کے تمام ارکان خاص طور پر نماز کی پابندی پر بڑا زور دیا حضرت خواجہ صاحب کے ملفوظات میں چند باتیں درج ذیل ہیں:

عارف

عارف علم کے تمام رموز سے واقف رہتا ہے اسرار الہی کے حقائق کو آشکار کرتا ہے۔ عارف عشق الہی میں کھو جاتا ہے اور اٹھتے بیٹھتے سوتے اور جاگتے اسی کی قدرت کاملہ میں محو اور متحیر رہتا ہے۔ عارف پر جب حال کی کیفیت طاری ہوتی ہے تو وہ اس میں ایسا مستغرق ہو جاتا ہے کہ اگر ہزاروں فرشتے بھی اس سے مخاطب ہوں تو وہ ان کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ عارف ہمیشہ مسکراتا رہتا ہے عارف دونوں جہانوں سے قطع تعلق کر کے یکتا فرواہو جاتا ہے اور جب یکتائی حاصل کرلیتا ہے، تو وہ ہر چیز سے بیگانہ نظر آتا ہے۔

عارف دنیا کا دشمن اور خدا کا دوست ہوتا ہے اس کو دنیا کے شور اور ہنگامے کی کوئی خبر نہیں رہتی۔ عارف جب وحدانیت اور ربوبیت کے جلال کو دیکھتا ہے تو وہ نابینا ہو جاتا ہے، تاکہ غیر اللہ پر اس کی نظر نہ پڑے عارف کا ایثار بے نیازی ہے۔ عارف محبت میں کامل ہوتا ہے اور جب وہ اپنے دوست سے گفتگو کرتا ہے تو وہ ہوتا ہے یا اس کا دوست۔

عارف صادق وہ ہے کہ اس کے ملک میں کچھ نہ ہو اور نہ وہ کسی کی ملک ہو۔ عارف کا توکل یہ ہے کہ وہ خدا تعالی کے سوا کسی پر التفانہ رکھے۔ حقیقی توکل تو یہ ہے کہ عارف کو خلق سے تکلیف پہنچے اور رنج پہنچے تو وہ نہ ان کی شکایت کرے نہ حکایت۔ عارف وہ ہے جو صبح کو اٹھے تورات کو یاد نہ کرے۔ عارف کی محبت یہ ہے کہ ذکر حق کے سوا کسی چیز سے لو نہ لگائے۔ عارف کی صفات آفتاب جیسی ہیں تمام دنیا اس سے منور ہے دنیا کی کوئی چیز اس کی روشنی سے محروم نہیں ہے عارف کے لیے تین ارکان ضروری ہیں ہیبت، تعظیم اور حیائی۔ اپنے گناہوں سے شرمندہ ہونا ہیبت ہے، طاعت گزاری تعظیم ہے اور خدا کے سوا کسی پر نظر نہ ڈالنا حیا ہے۔

مقامات سلوک

حضرت خواجہ صاحب کے ارشاد کے مطابق راہ سلوک کے مندرجہ ذیل 14 مقامات ہیں۔

توبہ، عبادت، زہد، رضا، قناعت، مجاہدہ، صدق،

تفکر، استرشاد، اصلاح، اخلاق، معرفت، شکر، محبت۔

ان میں سے ہر مقام ایک پیغمبر کے ساتھ منسوب ہے۔ یعنی توبہ حضرت آدم، عبادت حضرت ادریس، زہد حضرت عیسیٰ، رضا حضرت ایوب، قناعت حضرت یوسف، مجاہدہ حضرت یونس، تفکر حضرت شعیب، استرشاد حضرت شیث، اصلاح حضرت داؤد، اخلاص حضرت معرفت حضرت خضر، شکر حضرت ابراہیم، اور محبت حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے۔

سلوک کے مراتب میں اہل طریقت کے ہاں مندرجہ ذیل شرائط ضروری ہیں:

طلب حق، طلب مرشد، ادب، رضا، محبت وترک فضول، تقوی، استقامت شریعت کم کھانا اور کم سونا، لوگوں سے کنارہ کش ہونا، صوم وصلاۃ کا پابند رہنا،

اہل حقیقت کے لیے مندرجہ ذیل 10 چیزیں لازمی ہیں

۱۔ معرفت کا ہونا ۲۔ کسی کو رنج نہ پہنچانا ۳۔ کسی کی برائی نہ کرنا ۴۔ لوگوں سے ایسی گفتگو کرنا جن سے ان کی دنیا اور آخرت بنے ۵۔ متواضع ہونا ۶۔ عزت نشین ہونا ۷۔ ہر شخص کو عزیز رکھنا ۸۔ خود کو سب سے کم تر سمجھنا ۹۔ رضا و تسلیم ۱۰۔ قناعت و توکل۔

خلفاء

حضرت خواجہ صاحب کے 14 اکابر خلفاء کے نام تذکروں میں ملتے ہیں۔ ان میں سے دو بہت مشہور ہوئے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اور حضرت خواجہ حمید الدین سوالی ناگوری۔

طریقہ کی اساس:

اس طریقہ کی اساس ذکر بالجہر پر ہے اور حفظ انفاس کے ساتھ شیخ سے محبت و تعظیم کا تعلق رکھنے پر ہے۔اس طریقہ میں سب سے پہلے شریعت کی پابندی لازمی ہے۔سالک،شریعت کی پابندی کے بعد ہی دوسرے مقام یعنی طریقت پر پہنچ سکتا ہے۔ طریقت کی راہ میں چلاکشی روزہ کی کثرت،تہجد کی پابندی،گفتگو،کھانے اور سونے کو کم کرنے،وضو کی پابندی،ترک غفلت لازمی باتیں ہیں۔اس کے علاوہ بھی ان کے اوراد واشغال ہیں۔

طریقہ کی شاخیں

برصغیر پاک وہند میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کے بعد اس کی دو شاخیں ہوئیں:

ایک چشتیہ نظامیہ جس کی نسبت حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کی طرف ہے۔

دوسرا سلسلہ چشتیہ صابریہ جس کی نسبت شیخ علاء الدین علی صابر بن احمد کلیری کی طرف ہے جو حضرت شیخ خرید الدین گنج شکر کے بھانجے اور خلیفہ تھے۔

"طریقہ نظامیہ" کی بھی مختلف شاخیں ہیں۔اس میں سے ایک طریقہ گیسو درازیہ ہے جس کے بانی سید محمد بن یوسف حسینی دہلوی ہیں۔انہوں نے یہ طریقہ شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی سے حاصل کیا اور ان کے خلیفہ اور جانشین ہوئے۔

"طریقہ نظامیہ" کی دوسری شاخ کا نام "طریقہ حسامیہ" ہے جس کی نسبت شیخ حسام الدین مانک پوری کی طرف ہے

ان کا سلسلہ طریقت یہ ہے

- شیخ حسام الدین
- شیخ نور الحق وانوار الحق
- شیخ علاؤ الحق

- شیخ سراج الدین عثمان لودی
- شیخ نظام الدین اولیا۔

"طریقہ صوفیہ منائیہ" کی نسبت شیخ وصی الدین سائن پوری سے اور ان کی طریقت کا سلسلہ اس طرح ہے:

- شیخ سعد بن شیخ محمد مینہ
- شیخ سارن
- شیخ یوسف ارجی
- شیخ اختیار الدین عمر
- شیخ محمد سعدی
- شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی
- شیخ نظام الدین اولیا

" طریقہ فخریہ " کی نسبت مولانا فخر الدین دہلوی کی طرف ہے۔ یہ سلسلہ شیخ کمال الدین پر ختم ہو تا ہے جو حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی کے مرید ہیں۔

طریقہ صابریہ

کی صرف ایک شاخ ہے جس کا سلسلہ اس طرح ہے:

شیخ بعد القدوس گنگوہی نے فیض حاصل کیا شیخ محمد سے، انہوں نے اپنے والد احمد عارف سے انہوں نے اپنے والد شیخ احمد عبد الحق رودلوی سے، انہوں نے اپنے والد سے، انہوں نے بآپ دادا سے انہوں نے شیخ جلال الدین محمود سے انہوں نے شمس الدین ترک سے انہوں نے شیخ علاؤ الدین صابر سے۔

"طریقہ صابریہ "حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی اور ان کی اولاد کے ذریعے ہندوستان میں بہت پھیلا۔ دیوبند کے بہت بڑے عالم ،مجاہد آزادی ہند حضرت مولانا محمود الحسن کا سلسلہ طریقت حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی سے اس طرح ملتا ہے:

مولانا محمود الحسن دیوبندی بیعت تھے رشید احمد گنگوئی سے وہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے، وہ بیعت تھے میاں جی نور محمد سے، وہ بیعت تھے شیخ الحاج عبد الرحیم سے، وہ بیعت تھے شیخ عبد الباری صدیقی سے، وہ بیعت تھے شیخ عبد الحادی سے، وہ بیعت شاہ الدین سے، وہ بیعت تھے شاہ محمد مکی اکبر آبادی سے، وہ بیعت خواجہ محبت اللہ الہ آبادی سے، وہ شاہ ابو سعید نعمانی سے، وہ شیخ نظام الدین سے، وہ شیخ جلال الدین تھانسیر سے اور وہ بیعت تھے حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی سے۔

سلسلۂ سہروردیہ

سلسلہ سہروردیہ کی بنیاد شیخ ضیاء الدین ابو النجیب سہروردی نے بغداد میں رکھی تھی۔ وہ اِمام ابوٰحامد الغزالی کے بھائی احمد غزالی کے مرید تھے اور بغداد کی جامعہ نظامیہ میں شافعی فقہ پڑھاتے تھے۔ لیکن شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر ابو حفص سہروردی کو سلسلۂ سہروردیہ کے مؤسسِ ثانی کی حیثیت حاصل ہے۔ ابن خلکان کے مطابق 16 واسطوں سے آپ کا نسب خلیفۃ الرسول سیدنا ابو بکر صدیق سے مل جاتا ہے۔ آپ 535ھ میں زنجان کے ایک قصبہ سہرورد میں پیدا ہوئے تھے۔ آپ کی تعلیم و تربیت آپ کے عم محترم اور مرشد شیخ ابو النجیب سہروردی کی نگرانی میں ہوئی تھی۔ شہاب الدین سہروردی عبد القادر جیلانی سے بیعت نہیں تھے۔ اس کے باوجود بچپن ہی سے آپ کو غوث الاعظم کی عنآیت حاصل تھی۔ اور آپ کی نظرِ عنآیت کی وجہ سے آپ کو بہت کچھ روحانی فیض حاصل ہوا۔ بغداد میں عبد القادِر جیلانی کے وِصال کے بعد شیخ ابو النجیب سہروردی نے ایک سال تک اور اُن کے بعد برسوں تک

شہاب الدین سہر وردی نے بغداد کی رُوحانی سیادت کا نظام نہایت خوش اسلوبی سے نبھایا۔ آپ کی ذاتِ گرامی سے لاکھوں بند گانِ خدا کو فیض پہنچا۔ آپ کی علمی لیاقت اور رِیاضت کا شہرہ نہ صرف عراق میں بلکہ مصر و شام و حجاز اور ایران میں دوُر دوُر تک پہنچ چکا تھا۔ ہندوستان اور پاکستان میں بھی آپ کی بزرگی کا غلغلہ بلند تھا۔ دُنیا بھر کے مشائخ عِظام کے لیے آپ کی ذات گرامی ملجاء بنی ہوئی تھی۔

آپ کے خلفاء اور مریدین ہمہ وقت آپ کی بارگاہ میں حاضر رہتے تھے۔ ان میں سے چند حسب ذیل ہیں۔ شیخ نجیب الدین علی بخش تھے جن کے ذریعے عجم یعنی ایران میں سہروردی سلسلہ کی بہت زیادہ اِشاعت ہوئی۔

شیخ نور الدین مبارک غزنوی جن کی مساعی اور کاوِشوں کی وجہ سے شمالی ہندوستان میں سہروردیہ سلسلے کو بہت فروغ حاصل ہوا۔ اُس زمانے میں شیخ الاِسلام بہاء الدین زکریاملتانی مرشدِ کامل کی تلاش میں ہندوستان سے نکل کر اِسلامی دُنیامیں ملکوں ملکوں پھرتے ہوئے بغداد شریف میں شہاب الدین کی مجلس میں جاپہنچے اور آپنا گوہرِ مراد پالیا۔ مرشدِ کامل نے بھی کمال مرحمت فرماتے ہوئے صرف تین ہفتوں کی ریاضت کے بعد آپ کو خلافت عطا فرمادی۔ اور ملتان کی طرف مراجعت فرما ہونے کا حکم دیا تاکہ برِّصغیر میں سہروردی سلسلے کی بنیادیں مضبوط فرمائیں صحیح معنوں میں ہندوستان میں سہروردیہ سلسلے کی ترویج و اشاعت مین شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کی زبردست جدوجہد کا بڑاکامیاب رول رہاہے۔ آپ نے ملتان، اُوچ اور دوسرے مقامات پر سہروردیہ سلسلے کی مشہور خانقاہیں قائم کیں۔ شب و روز کی انتھک محنت سے ہندوستان میں سہروردیہ سلسلے کی جڑیں مضبوط کیں۔ ان کے مشہور خلفاء میں شیخ اِسمٰعیل قریشی، شیخ حسین، شیخ نقو، شیخ فخر الدین ابراہیم عراقی، سید جلال الدین سرخ بخاری اور شیخ صدرالدین عارف ہیں۔ شیخ صدرالدین عارف کے خلیفہ شیخ رُکن الدین ابو الفتح ملتانی ہیں جنھوں نے سلسلے کی تنظیم کے لیے بہت کوشش کی ہیں۔ سید جلال الدین سرخ بخاری کے خاندان میں پیدا ہونے والی زبردست شخصیتوں میں سید احمد کبیر اور ان کے دونوں باکمال فرزندوں سید صدرالدین راجو قتال اور سید جلال الدین مخدوم جہانیاں جہاں گشت کا شمار ہوتا ہے۔ بنگال میں سہروردی سلسلہ شیخ جلال الدین تبریزی کے ذریعے پہنچا آپ کی اور آپ کے خلیفہ شیخ علی بدایونی کی محنت کی وجہ سے بنگال میں سہروردی سلسلے کی کافی ترویج واِشاعت ہوئی۔ گجرات میں سہروردی سلسلے کی اِشاعت مخدوُم جہانیاں جہاں گشت کے مریدین اور خلفاء نے کی۔ اس کے علاوہ آپ کے اہلِ خانہ اور خاندان کے

افراد نے بھی احمد آباد اور گجرات کے دیگر علاقوں میں اپنی علمی اور عملی لیاقتوں کے بل پر اس سلسلے کی تنظیم کی اور اپنے مریدین اور دیگر عوام تک اِس سلسلے کی فیض رسانی کی ہے۔ سید صدرالدین راجو قتّال نے بذاتِ خود سید برہان الدین قطبِ عالم کو گجرات کی وِلآیت سونپی اور انھیں تبلیغِ دین کے واسطے گجرات بھیجا۔ احمد شاہ بادشاہ نے یہاں آپ کا شاندار اِستقبال کیا اور آپ کو یہاں سکونت اختیار کرنے کی خاطر بٹوا میں جاگیر عطا کی۔ یہاں پر قطبِ عالم نے ایک بڑی خانقاہ کی بنیاد ڈالی اور لوگوں کے لیے اپنے اور اپنے سلسلے کے فیض کے دروازے کھول دِیئے۔ آپ کے بعد آپ کے لائق فرزند شاہِ عالم نے رسوؔل آباد میں رہ کر اس کام کو آگے بڑھایا۔ ہر دو حضرات نے اپنی علمی قابلیت کے ذریعے اعلیٰ تصانیف اور اپنی عملی ریاضتوں اور مکاشفتوں کے ذریعہ عوام کو دینِ اِسلام کا گرویدہ بنایا۔ اپنی نگاہِ پُر تاثیر کے ذریعے عوام کو خواص میں تبدیل کر دیا۔ لوگوں کو سلوک کی راہ میں اعلیٰ مرتبوں تک پہنچا دیا۔ اُن کے بعد شاہ بُڈھا صاحب اور پیارن صاحب نے اپنے اَسلاف کی روشنی پر چلتے ہوئے سلسلے کی خدمات انجام دیں۔ قاضی نجم الدین، عبد الطیف دارُ الملک، قاضی محمود وغیرہ نے بھی سہروردیہ سلسلہ کی تنظیم اور اس کی ترویج واِشاعت میں کافی جدوجہد کی۔ اپنے اثر اور فیض رسانی کے معاملہ میں سہروردیہ سلسلہ پنجاب اور سندھ تک ہی محدود رہا۔ ہندوستان کے دیگر علاقوں میں اِس نے عام رواج نہ پایا۔ لیکن شہرت کے اعتبار سے شیخ بہاء اُلدین زکریا ملتانی، شیخ رُکن الدین ملتانی اور مخدوؔم جہانیاں جہاں گشت جیسے جید علما اور اولیاء کی لِیاقت اور رِیاضت کا نور اُن کے علاقوں تک محدود نہ رہا بلکہ اُن کی رُوحانی شہرت ہندوستان کی حدود کو پار کر کے اِسلامی ممالک میں بھی پھیل گئی۔[24]

سلسلہ سہروردیہ کی اشاعت

حضرت ابو نجیب نے تصوف کی تعلیمات کو پھیلانے اور لوگوں تک پہنچانے کیلئے اپنے خلفاء کو اس مقصد کے لیے باقاعدہ تیار کیا۔ جنہوں نے تمام اسلامی ممالک کے کونے کونے تک اس روحانی تعلیم کو پہنچایا۔ حضرت کے خلیفہ اور آپ کی اولاد میں سے

[24] شیخ شہاب الدین سہروردی، عوارف المعارف شبیر برادرز لاہور: ۲۰۱۱، ص ۳۲ تا ۳۸

بعض لوگ بر صغیر پاک و ہند میں بھی آئے آپ کے خلفاء اور ان سلاسل سے وابستہ بزرگوں نے بھی بر صغیر پاک و ہند میں تبلیغ و ارشاد کے کارہائے نمایاں انجام دیے۔

آپ کے خلیفہ شیخ انجم الدین کبری نے "کبرویہ" سلسلہ جاری کیا۔ عبد اللہ شطار خراسانی اٹھویں صدی ہجری میں خراسان سے ہندوستان آئے اور یہاں "شطاریہ" سلسلہ جاری کیا۔ شیخ شرف الدین احمد بن یحیی منیری نے یہاں آکر "فردوسیہ" سلسلہ جاری کیا۔ لیکن سب سے زیادہ سلسلہ سہر وردیہ کو حضرت ابو نجیب کے بھتیجے شیخ شہاب الدین عمر سہر وردی کے خلفاء نے یہاں پھیلایا اور لوگوں کو مستفید و مستفیض کیا۔[25]

شیخ شہاب الدین سہر وردی کے خلفاء

آپ کے خلفاء میں مندرجہ ذیل بزرگوں کے نام قابل ذکر ہیں:

شیخ نجم الدین علی برگش جن کے ذریعے عجم میں سہر وردی سلسلہ کی بڑی اشاعت ہوئی۔

شیخ نور الدین مبارک غزنوی جن کی کوشش سے شمالی ہندوستان میں سہر وردی سلسلہ کی بڑی اشاعت ہوئی۔

- شیخ ضیاء الدین رومی
- شیخ محمد یحیی یمنی: ان کا فیض بھی سندھ میں پہنچا۔
- شیخ جلال الدین تبریزی ان کے ذریعے بنگال میں سہر وردی سلسلہ پھیلا۔
- شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی: انہوں نے بھی حضرت شیخ شہاب الدین سے خلافت حاصل کی، لیکن آپ کو زیادہ عرصہ تک مرشد کی خدمت میں رہنے کا موقع نہ ملا۔
- حضرت شیخ نوح بکھری سندھ

[25] شیخ شہاب الدین سہر وردی، عوارف المعارف، ص ۳۲تا۳۸

- حضرت بہاؤ دین زکریا ملتانی

اولاد

آپ کی اولاد بھی بر صغیر پاک و ہند میں آ کر سکونت پذیر ہوئی۔

تصانیف

- اسلامی تعلیم اور تصوف پر آپ کی لکھی ہوئی کتابیں ملتی ہیں جو درج زیل ہیں:
- جذب القلوب فی مواصلاۃ المحجوب: اس کا موضوع تصوف ہے۔
- شف النصائح: اس کا موضوع علم الکلام ہے اور اس میں کلامیوں کے اقوال اور نظریات کی تردید کی گئی ہے۔
- اعلام الدحی: یہ کتاب امام غزالی کی کتاب المنقد من الضلال کی طرح قدیم فلسفیوں کے نظریات کے رد میں ہے۔
- بہجۃ الاسرار اس میں حضرت سید عبد القادر جیلانی کے سوانح اور مناقب بیان کیے گئے ہیں۔
- عوارف المعارف تصوف پر ایک مبسوط اور جامع تصنیف ہے۔

نقشبندی سلسلے کا تعارف

اس سلسلہ کے بانی حضرت بہاؤالدین نقشبندی بخاری ہیں۔ آپ کی ہی وجہ سے اس طریقہ کو نقشبندی کہتے ہیں۔ آپ کا قالین بانی کا کارخانہ تھا جس میں قالینوں پر طرح طرح کے نقشبندی یعنی نقش و نگار کا کام کیا جاتا تھا۔ اس وجہ سے آپ کو نقشبندی کہا جاتا تھا۔ بعض کا خیال ہے کہ اللہ تعالی کا نقش دلوں پر بٹھانے کی وجہ سے نقشبند مشہور ہوئے۔

بانی سلسلہ کا تعارف

حضرت بہاؤالدین نقشبند کی پیدائش بخارا سے ایک فرسنگ کے فاصلے پر قصر عارفاں میں ۱۴ محرم ۷۲۸ھ کو ہوئی۔ ظاہری طور پر آپ حضرت خواجہ سید امیر کلاں کے خلیفہ اعظم ہیں، لیکن اویسی طریقے کے مطابق حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی سے مستفیض ہوئے۔ اویسی طریقہ یہ ہے کہ طالب کو بزرگ کی روح سے فیض حاصل ہوتا ہے اور اجازت حاصل ہوتی ہے۔

حضرت خواجہ نقشبند مقتدائے شریعت تھے آپ نے شریعت کی پابندی پر بہت زور دیا ہے۔ آپ کا شجرہ نسب 25 سویں واسطوں سے حضرت امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ملتا ہے۔ آپ نے تین ربیع الاول ۷۹۱ ہجری کو وفات پائی۔[26]

آپ کے جاری کردہ سلسلہ نقشبندیہ کا شجرہ طریقت حضرت ابو بکر صدیق سے اس طرح ملتا ہے[27]:

- حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ
- حضرت سلیمان فارسی
- حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر
- حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ
- حضرت شیخ بایزید بسطامی
- خواجہ ابوالحسن خرقانی
- خواجہ ابو یوسف ہمدانی
- خواجہ عبدالخالق غجدوانی
- خواجہ محمد عارف ریوگری

26 26 خلیق نظامی، تاریخ مشائخ چشت، ص ۱۵۹، مشتاق بک کارنر، الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور

27 عادل قاسمی، مفتی اختر امام عادل قاسمی، سلاسل تصوف صفحہ ۱۰۶، دائرۃ العارف الربانیہ، جامعہ ربانی منورواشریف، سمستی پور بہار

- خواجہ محمد محمود فغنوی
- خواجہ عزیزان علی رامتنی
- خواجہ بابا سماسی

سلسلہ نقشبندیہ کے اسباق

آپ نے سلسلہ نقشبندیہ کی بنیاد مندرجہ ذیل 11 اصولوں پر رکھی جو خواجگان نقشبندیہ کا طریق و عمل ہے اور جو طریقہ نقشبندیہ کی اساس اور بنائے اطریقت ہیں اور وہ یہ ہیں:

ہوش دردم

اس سے مراد یہ ہے کہ سالک ہر سانس کے ساتھ بیداری اور ہوشیاری رکھے کہ ذکر لسانی اور قلبی بھی حضور دل سے، ہو نہ کہ غفلت سے اور ہمیشہ بیدار اور متلاشی رہے کہ اس کا سانس خدا کی یاد میں گزرا یا غفلت میں۔

نظر برقدم

اس سے مراد ہے کہ سالک پر واجب ہے کہ اپنے چلنے پھرنے کے وقت سوائے قدم کے پشت سے کسی چیز پر نظر نہ ڈالے تا کہ کسی نامحرم پر نظر نہ پڑے اور یہ کہ دوسری چیزوں کی طرف مشغول ہونے سے محفوظ رہے۔

سفر دروطن

اس سے مراد باطنی یا روحانی سفر ہے۔یعنی سالک کو چاہیے کہ صفات بشریہ، ورذیلہ {مثلاً حسد، تکبر، غیبت، ریاوغیرہ} سے صفات ملکیہ {مثلاً صبر، شکر، خوف، رجاوغیرہ} کی طرف تبدیلی وترقی کرتا رہے۔

خلوت در انجمن

یعنی سالک کا دل اللہ تعالیٰ کی یاد میں ایسا مشغول ہو کہ ہر حالت میں یعنی گفتگو کرنے کھانے پینے، چلنے پھرنے، سونے جاگنے، میں ذکر اور ذکر کا خیال ایسا پختہ ہو جائے کہ خواہ کیسی ہی مجلس اور ہجوم ہو، دل اللہ تعالیٰ کی یاد میں رہے۔

یاد کرد

اس سے مراد یہ ہے کہ ذکر کرنا، خواہ لسانی ہو یا قلبی، نفی اثبات ہو یا اسم ذات، سالک کو چاہیے کہ جس طرح وہ اپنے مرشد سے ذکر کی تلقین حاصل کرے، ہر وقت اس کی تکرار میں بلاناغہ دل کی محبت کے ساتھ بیدار اور ہوشیار رہے۔

بازگشت

اس کا مطلب یہ ہے کہ جب ذکر خیال و تصور سے نفی اثبات کلمہ طیبہ کو طاق عدد کی رعایت کرتے ہوئے چند بار کہے تو اس کے دل کی زبان سے مناجات کرے۔

نگہداشت

مطلب یہ ہے کہ سالک نفسانی خواہشوں اور وسوسوں کو اپنے دل سے دور کرے۔ اس پر لازم ہے کہ جب دل میں کوئی وسوسہ پیدا ہو تو فوراً اس کو دور کرے ورنہ اس کا دور کرنا دشوار ہو جائے گا اور اس کا علاج یہ ہے کہ وسوسہ سے بھی خیال ہو جائے۔

یادداشت

اس سے مراد یہ ہے کہ توجہ صرف ذات حق کی طرف لگائے رکھے تا کہ دوام آگاہی حاصل ہو جائے اور وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں کہیں کہ تم ہو کو ہر وقت نگاہ میں رکھے۔

وقف زمانی

یعنی سالک ہر وقت اپنے حال سے واقف رہے۔ ہر ساعت یہ خیال رکھے کہ غفلت تو نہیں ہوئی، غفلت کی صورت میں استغفار کرنا اور آئندہ اس کو چھوڑنے پر ہمت باندھنی چاہیے۔

وقف عدی

یعنی ذکر نفی اثبات میں طاق عدد کی رعایت کرے۔

وقف قلبی

اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر وقت قلب صنوبری کی طرف جو بائیں پستان کے نیچے پہلو کی طرف دو انگلی کے فاصلے پر ہے اللہ تعالی کی یاد کا دھیان رکھنا خصوصاً ذکر کے وقت۔ حضرت خواجہ نقشبند حبس دم اور رعایت عدد طاق کو ذکر میں لازم نہیں فرمایا۔ لیکن وقف قلبی کو ذکر کے دوران لازم فرمایا ہے۔ حضرت شیخ احمد سرہندی سے روآیت ہے کہ جس شخص کا ذکر قلبی ذکر نہ کرے اس کو ذکر سے روک کر صرف وقوف قلبی کا حکم کیا جائے۔

فصل سوم: منتخب اردو تفاسیر کا تعارف

معارف القرآن

مولانا محمد شفیع عثمانی

ولادت و تعلیم

آپ ۲۰ اور ۲۱ شعبان ۱۳۱۴ھ مطابق ۱۸۹۷ء کی درمیانی شب میں قصبہ دیوبند ضلع سہارنپور میں پیدا ہوئے۔ خاندانی اعتبار سے آپ عثمانی تھے۔ آپ کے والد ماجد مولانا محمد یسین دیوبندی رحمہ اللہ ایک جید عالم دین اور صاحب نسبت بزرگ تھے۔ مولانا مفتی محمد شفیع نے ایک دینی ماحول میں آنکھ کھولی اور بچپن ہی سے جلیل القدر علماء کی صحبت میں بیٹھنے کا شرف حاصل ہوا۔ پانچ سال کی عمر میں حافظ محمد عظیم صاحب رحمہ اللہ کے پاس دارالعلوم دیوبند میں قرآن کریم کی تعلیم شروع کی۔ فارسی کی تمام مروجہ کتابیں اپنے والد محترم سے دارالعلوم میں پڑھیں۔ حساب و فنون ریاضی کی تعلیم اپنے چچا مولانا منظور احمد صاحب رحمہ اللہ سے حاصل کی۔ سولہ سال کی عمر میں دارالعلوم کے درجہ عربی میں داخل ہوئے، اور ۱۳۳۵ھ میں فارغ التحصیل ہوئے۔ جن علمائے کرام سے مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ نے شرف تلمذ حاصل کیا ان میں علامہ محمد انور شاہ کشمیری، مولانا عزیز الرحمن عثمانی، علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا سید اصغر حسین دیوبندی، مولانا اعزاز علی دیوبندی، مولانا رسول خان ہزاروی اور مولانا حبیب الرحمن عثمانی شامل ہیں۔[28]

درس و افتاء

زمانہ طالب علمی میں حضرت مفتی محمد شفیع رح کا شمار نہایت ذہین اور محنتی طلباء میں ہوتا تھا۔ اور امتحانات میں ہمیشہ امتیاز کے ساتھ کامیاب ہوتے تھے۔ اسی لیے اساتذہ آپ سے بے حد شفقت اور محبت کا سلوک کرتے تھے۔ ۱۳۳۵ھ میں فارغ التحصیل ہوئے تو مولانا حبیب الرحمن عثمانی نے انہیں ابتدائی کتب کی تعلیم کے لیے استاذ مقرر فرمادیا۔ پھر بہت جلد درجہ عالیہ کے استاذ ہوگئے۔ اور تقریباً ہر علم و فن کی جماعتوں کو پڑھایا ان کا درس ہمیشہ ہر جماعت میں مقبول رہا۔ مگر دورۂ حدیث کی مشہور کتاب ابوداؤد شریف اور

دارالعلوم دیوبند میں تدریس کے دوران مولانا عزیز الرحمن عثمانی نے فتوی کے سلسلہ میں آپ سے کام لینا شروع کیا۔ وہ سوالات کے جوابات خود لکھتے اور آپ سے لکھواتے۔ اور اصلاح و تصدیق کے بعد جاری کیے جاتے۔ سنہ ۱۳۴۴ھ میں وہ مستعفی ہوگئے۔ ارباب دارالعلوم نے مختلف صورتوں سے دارالافتاء کا کام چلایا۔ مگر ۱۳۴۹ھ میں یہ کام مستقل آپ کے سپرد کر دیا گیا۔ آپ کو اس عظیم کام

---

[28] مفتی محمد رفیع عثمانی، حیات مفتی اعظم، ادارۃ المعارف کراچی، ۲۰۰۵، ص ۱۵

کی اہمیت کا بہت احساس تھا کیونکہ دارالعلوم میں نہ صرف برصغیر کے کونے کونے سے استفتاء موصول ہوتے تھے بلکہ دنیا بھر کے ملکوں سے مسلمان مختلف مشکل فقہی مسائل کے بارے میں آخری فیصلوں کے لیے دارالعلوم دیوبند سے رجوع کیا کرتے تھے۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ اپنی جگہ یہ سمجھتے تھے کہ وہ صدر مفتی کے منصب کا حق پوری طرح ادا نہیں کر سکیں گے۔ تاہم مولانا سید اصغر حسین دیوبندی اور مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کی سرپرستی، امداد اور اعانت کے وعدے پر انہوں نے یہ عظیم منصب قبول کیا اور آپ صدر مفتی کے منصب پر قیام پاکستان تک فائز رہے۔[29]

مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ نے سلوک و تصوف میں بھی بلند مقام پایا تھا۔ ابتداء میں آپ مولانا محمود الحسن دیوبندی سے ۱۹۲۰ء میں بیعت ہوئے۔ پھر ان کی وفات کے بعد ۱۳۴۶ھ میں مولانا اشرف علی تھانوی سے بیعت ہوئے۔ جنہوں نے آپ کی علمی اور روحانی صلاحیتوں کو دیکھ کر ۱۳۴۹ھ میں آپ کو اپنا خلیفہ مجاز قرار دے دیا۔ مولانا تھانوی کے خلفاء میں مفتی محمد شفیع کو ایک خاص مقام حاصل تھا۔ اور مولانا اشرف علی تھانوی آپ کا خاص خیال کیا کرتے تھے۔ آپ تقریباً بیس سال تک مولانا تھانوی کی صحبت میں رہے اور ان کی زیر نگرانی کئی عظیم تالیفات اپنے قلم سے تصنیف فرمائیں۔ جیسے احکام القرآن اور حیلہ ناجزہ وغیرہ۔

مفتی جمیل احمد تھانوی فرماتے ہیں کہ مولانا اشرف علی تھانوی کو آپ کی علمی و فقہی بصیرت پر اس قدر اعتماد تھا کہ اپنے ذاتی معاملات میں بھی ان سے مشورہ لیتے اور فتویٰ طلب فرماتے اور اس پر عمل فرماتے تھے۔ بہر حال حضرت مفتی محمد شفیع ساری زندگی خدمت اسلام اور خدمت مسلمین میں مصروف رہے اور آخری دم تک درس و تدریس، فقہ و افتاء اور تبلیغ و ارشاد میں مصروف رہے۔ آپ بہت منکسر المزاج تھے۔ بڑے خوش اخلاق، خندہ جبیں اور لطیف الروح تھے۔ نہایت سادہ اور صاف ستھرا لباس زیب تن فرمایا کرتے تھے۔ تحریر و تقریر میں بڑی مہارت حاصل تھی۔ حافظہ بڑا غضب کا تھا اور عربی ادب کے شاعر تھے۔ اور پاکستان میں تمام علماء دیوبند سرپرست تھے۔ ۹ اور ۱۰ شوال المکرم ۱۳۹۶ھ مطابق ۵ اور ۶ اکتوبر ۱۹۷۶ء کی درمیانی شب کو آپ نے رحلت فرمائی۔ مسلمانوں کی بڑی جماعت نے آپ کے جنازہ میں شرکت کی۔ اور ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی۔

مولانا محمد شفیع عثمانی کی تصانیف

- معارف القران

---

[29] مفتی محمد رفیع عثمانی، حیات مفتی اعظم، ص ۲۱

- دل کی دنیا
- احکام القران
- جواہر الفقہ
- امداد المفتیین
- آلات جدیدہ کے شرعی احکام
- اسلام اور موسیقی
- مسئلہ سود
- سیرت خاتم الانبیاء
- احکام حج

معارف القرآن کا تعارف

معارف القرآن مفتی محمد شفیع عثمانی کی اردو تفسیر قرآن ہے۔ اس میں مفتی صاحب نے اپنے طور پر کوئی ترجمہ نہیں کیا، بلکہ مولانا محمود الحسن کا ترجمہ ہی اختیار کیا ہے۔ ان کے نزدیک ترجمہ تفسیر سے زیادہ نازک معاملہ ہے اور چونکہ سلف کا ترجمہ موجود ہے، اس لیے اس کی ضرورت نہیں کہ کوئی نیا ترجمہ کیا جائے۔ تفسیر میں انھوں نے سب سے پہلے لغت کے مسائل پر توجہ دی ہے، پھر خلاصۂ تفسیر کے تحت مختصراً قرآن کی تفسیر بیان کر دی ہے۔

معارف القرآن کی چند خصوصیات

مصنف موصوف کے پیش نظر یہ تھا کہ عوام جو علمی اصطلاحات سے واقف اور دقیق مضامین کے متحمل نہیں ہیں وہ بھی قرآن کریم کو اپنے حوصلے کے مطابق سمجھ سکیں۔ اس لیے تفسیر کو لکھتے ہوئے اس کی پوری رعایت کی گئی ہے کہ فنی اصطلاحات، دقیق بحثیں اور غیر معروف و مشکل الفاظ سے گریز کیا جائے۔ تفسیر میں سلف صالحین کی تفسیروں پر اعتماد کیا گیا ہے اور بے سند باتوں سے احتراز کیا گیا ہے۔ چنانچہ جگہ بہ جگہ صحابہ و تابعین کے تفسیری اقوال اور متقدمین کی تفسیری کتب سے استفادہ کر کے ان کا حوالہ بھی دیا گیا ہے۔ لطائف و معارف کے ضمن میں متاخرین میں سے مستند مفسرین کے مضامین بھی لیے گئے ہیں۔ خصوصاً ایسے مضامین جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی عظمت و محبت کو بڑھاتے ہوں اور ان کی وجہ سے اعمال صالحہ انجام دینے کی تحریک ہوتی ہو۔ متن

قرآن کے ترجمہ میں مولانا اشرف علی تھانوی اور شیخ الہند کے ترجموں پر اعتماد کیا گیا ہے۔ ترجمہ کے بعد مکمل تفسیر و تشریح سے پہلے خلاصہ تفسیر لکھ دیا گیا ہے جو مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تفسیر بیان القرآن سے ماخوذ ہے۔ اسے آیات پر مختصر نوٹ کہا جا سکتا ہے کہ اگر کوئی مشغول آدمی اتنا ہی دیکھ لے تو فہم قرآن کے لیے ایک حد تک کافی ہو جائے۔ آخر میں آیات مندرجہ سے متعلق احکام و مسائل لکھے گئے ہیں۔ اس میں اس کا التزام کیا گیا ہے کہ صرف وہ احکام و مسائل لیے جائیں جو کسی نہ کسی طرح الفاظ قرآن کے تحت آتے ہوں۔ احکام و مسائل کا بڑا حصہ تفسیر قرطبی، احکام القرآن للجصاص، احکام القرآن لابن العربی، تفسیرات احمدیہ، تفسیر محیط، روح المعانی، روح البیان اور بیان القرآن وغیرہ سے لیا گیا ہے۔ جن کے حوالہ جات بھی مذکور ہیں۔ تاہم نئے عہد کے بعض نئے مسائل کا بھی ذکر ہے۔ قرآن و حدیث اور مجتہدین کرام کے اُصول کو پیش نظر رکھا گیا ہے اور جس طرح مسائل و احکام میں متقدمین نے اپنے اپنے عہد کے فرقوں اور اس زمانہ کے مسائل کو اہمیت دی ہے۔

تبیان القرآن

علامہ غلام رسول سعیدی

تعارُف و مختصر حالاتِ زندگی

علامہ غلام رسول سعیدی 10 رمضان المبارک 1356ھ / 14 نومبر 1937ء بروز اتوار دہلی میں پیدا ہوئے۔ علامہ سعیدی کا نام پہلے والدِ محترم کے نام پر "احمد منیر" رکھا گیا تھا بعد ازاں آپ کا نام "شمس الزمان نجمی" رکھا گیا پھر جب آپ کی عمر اکیس سال ہوئی اور آپ عبادت و ریاضت کی طرف راغب ہوئے تو آپ کو اس نام سے تعلّی کے اِدّعاء کے تاثر محسوس ہوا تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ محبت کے جذبے سے سرشار ہو کر ازخود اپنا نام تبدیل کر کے "غلام رسول" رکھ لیا۔ آپ کے والد گرامی کا نام محمد منیر ہے۔ جو آپ کے بچپن میں ہی انتقال پا گئے۔ ان کے وصال کے بعد آپ کی والدہ محترمہ جن کا نام شفیق فاطمہ تھا نے آپ کی پرورش اور تعلیم و تربیت بڑی توجہ سے کی۔ علامہ غلام رسول سعیدی 79 برس کی عمر میں مورخہ 5 فروری 2016ء انتقال کر گئے۔ علامہ سعیدی کی تدفین جامع مسجد اقصیٰ کے احاطے میں کی گئی ہے۔

چھ سال کی عمر میں آپ نے اپنی والدہ محترمہ کے پاس ناظرہ قرآن مجید مکمل کیا اور دس سال کی عمر میں آپ نے پنجابی اسلامیہ ہائی سکول بارہ ٹوٹی دہلی میں پرائمری تک ہی پڑھا تھا اور ابھی تعلیمی سلسلہ جاری تھا کہ برصغیر کی تقسیم عمل میں آئی اور آپ نے اپنے

والدین کے ہمراہ بحری جہاز کے ذریعے ہندوستان سے ہجرت فرمائی اور 1947ء میں اسلامی جمہوریہ پاکستان (کراچی) تشریف لائے اور اپنے خاندان کے ساتھ عروس البلاد کراچی میں اقامت پذیر ہوئے۔ کراچی میں آپ نے نویں جماعت تک تعلیم حاصل کی۔ معاشی مسائل کی وجہ سے آپ مزید تعلیم جاری نہ رکھ سکے۔ دہلی میں آپ کے والد کا اپنا پریس تھا جس کا نام "مرچنٹ پریس" تھا۔ یہ پریس اس وجہ سے بہت مشہور تھا کہ ٹرام کے ٹکٹ اس میں چھپتے تھے اور ٹکٹ پر مرچنٹ پریس لکھا ہوتا تھا۔ دہلی میں آپ نے بہت عیش و عشرت کی زندگی گزاری' ایک خادم آپ کو لانے اور لے کے جانے پر مامور تھا غالباً 1949ء میں آپ کے والد کی وفات ہو گئی۔ آپ کی والدہ نے معاشی حالات کی مجبوری کی وجہ سے دوسرا نکاح "محمد عثمان" صاحب سے کر لیا تو آپ کے سوتیلے باپ نے گزر اوقات میں سہولت کی خاطر آپ سے تعلیم چھڑوا کر آئسکریم بیچنے پر مامور کر دیا' پھر اور بھی بہت سے کام کاج کیے' سب سے آخر میں آپ نے "ماسٹر پرنٹنگ پریس" نانک واڑہ کراچی میں کام کیا اس کے عقب میں مفتی محمد شفیع دیوبندی کا پرانا دار العلوم تھا۔[30]

علامہ غلام رسول سعیدی کی مشہور تصانیف

- شرح صحیح مسلم
- تبیان القران
- نعمۃ الباری شرح صحیح البخاری
- مقام ولایت و نبوت
- توضیح البیان

[30] سعیدی، غلام رسول، تبیان الفرقان، مکتبہ ضیاء القرآن لاہور، ۲۰۱۵، ص ۱۷

تبیان القرآن

بلاشبہ علامہ غلام رسول سعیدیؒ کا شمار عصرِ حاضر کے ان مشہور مفسرین قرآن کریم میں ہوتا ہے جن کی جلالت علمی اور تحقیقی صلاحیتوں کا اعتراف ہر ذی علم کرتا ہے۔ آپ کی مشہور زمانہ تفسیر تبیان القرآن ہے جسے اللہ رب العالمین نے اس کرہ ارض پر رہنے والے اردو دانوں میں وہ قبولِ عام عطا فرمایا جس کی نظیر نہیں ملتی، دنیا میں جہاں کہیں اردو جاننے والے مسلمان رہتے ہیں وہاں پر یہ تفسیرِ قرآن موجود ہے۔ شاذ و نادر ہی کوئی ملک ہوگا جہاں اردو جاننے والے ہوں اور یہ تفسیر نہ ہو۔ تبیان القرآن کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ ہر علم کی طلب رکھنے والا شخص اس تفسیر سے استفادہ کرتا ہے۔

ویسے تو عرصہ دراز سے قرآن کریم کے اردو تراجم تفاسیر دستیاب ہیں لیکن ان تمام تراجم و تفاسیر میں تفسیرِ تبیان القرآن کو نمایاں حیثیت حاصل ہے جس کی چند وجوہات اور خصوصیات درج ذیل ہیں:

1. عصرِ حاضر میں مستعمل ادبی عبارات اور مروجہ محاوروں کا استعمال۔
2. تفسیر اسلام کے مسلمہ عقائد کو دلائل سے مزین کیا گیا ہے۔
3. قرآن مجید کی جن آیات میں احکام اور مسائل کا ذکر ہے، وہاں تمام فقہی مذاہب کا دلائل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔
4. ہمارے متقدمین مفسرین نے قرآن کریم کی تفسیر میں جو نکات بیان کیے ہیں ان میں سے استفادہ کیا گیا ہے لیکن جو بہت بعید نکات ہیں یا دور از کار تاویلات ہیں ان کو ترک کر دیا گیا ہے۔
5. قرآن مجید کی تفسیر میں زیادہ سے زیادہ احادیث اور آثار کو پیش کیا گیا ہے۔
6. عام طور پر مفسرین صرف حدیث کا ذکر کر دیتے ہیں اس کی تخریج نہیں کرتے۔
7. علامہ غلام رسول سعیدی نے کافی محنت اور جانفشانی کر کے "تبیان القرآن" میں درج ہر حدیث کی تخریج کی ہے اور اس کا مکمل حوالہ بیان کیا ہے، البتہ حافظ منذری، حافظ الہیثمی اور حافظ سیوطی چونکہ علم حدیث میں بہت ثقہ ہیں اس لیے ان کی تصانیف میں درج مسلم ائمہ حدیث کی روایات کو ان حوالوں کے ساتھ ذکر کر دیا ہے۔ اور کہیں کہیں اصل ماخذ کے حوالوں کی بھی نشان دہی کر دی ہے۔
8. ہمارے بعض مصنفین ایسا کرتے ہیں مثلاً حافظ سیوطی کا ذکر کیے بغیر اس حدیث کو ان حوالوں کے ساتھ ذکر کر دیتے ہیں اور یہ تلبیس کرتے ہیں کہ گویا اس حدیث کو انھوں نے ان دس حدیث کی کتابوں سے تلاش کیا ہے۔ اسی طرح علامہ شامی نے اگر کسی مسئلہ کو دس فقہا کے حوالوں سے ذکر کیا ہے تو وہ علامہ شامی کا ذکر کیے بغیر اس مسئلہ کو ان دس فقہا کے حوالوں

سے ذکر کر دیتے ہیں اور پڑھنے والے پر یہ تاثر قائم کرتے ہیں کہ گویا انھوں نے اس مسئلہ کو ان دس فقہا کے حوالوں سے تلاش کیا ہے۔ علا،ہ غلام رسول سعیدی کے نزدیک یہ تلبیس سخت مذموم ہے۔ اگر حافظ منذری یا حافظ الہیثمی یا حافظ سیوطی نے کسی حدیث کو دس ائمہ کے حوالوں سے ذکر کیا ہے تو علامہ صاحب نے اس طرح لکھا ہے کہ حافظ منذری یا حافظ سیوطی نے اس حدیث کو ان دس ائمہ حدیث کے حوالوں سے ذکر کیا ہے اور اس کا مکمل حوالہ دیا ہے اور کسی کی محنت اور جانفشانی کو اپنی طرف منسوب کرنے کی مذموم تلبیس نہیں کی۔ اس طرح فقہا کے حوالہ جات کا معاملہ ہے۔[31]

9. ایسا عام فہم اندازِ بیان اور سلاست وروانی جسے ایک عام شخص بھی سمجھ لے۔

10. کسی مقام پر کوئی ایسی عبارت تحریر میں نہ آنے پائے جس سے اللہ عزوجل، اس کے انبیاء و رُسلؑ، اولیاءِ کاملین اور دینی مقدسات کی شان میں بے ادبی کا شائبہ بھی ہو۔

11. تفسیر قرآن بیان کرتے ہوئے اس بات کا خیال رکھنا کہ تاویلاتِ بعیدہ سے اجتناب کیا جائے۔

12. ہر حوالہ اصل مصادر و مراجع کے ساتھ بڑی باریک بینی سے ذکر کیا جائے۔

13. مختلف فقہاءِ متقدمین کے اقوال کو ذکر کرنے کے بعد علمی دلائل کی روشنی میں ان سے اختلافِ رائے رکھنا۔

14. عصرِ حاضر کے جدید رونما ہونے والے مسائل کو زیرِ بحث لاکر تحقیقی دلائل کی روشنی میں ان کا شرعی حل پیش کرنا اور اپنے موقف پر استدلال کی وضاحت کرنا۔

15. متقدمین مفسرین اور معاصرین کی تفاسیر کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ان کے موقف کو علمی دیانت کے ساتھ ذکر کرتے دلائل کی روشنی میں ان سے اختلاف رائے رکھنا-

16. مشکل الفاظ کے معنیٰ کی وضاحت، ان کی ترکیبِ نحوی اور نص قرآن پر نحوی قواعد کے اعتبار سے ہونے والے شبہات اور اعتراضات کا رد کرنا-

---

[31] غلام رسول سعیدی، تفسیر تبیان القرآن جلد اول ص37، فرید بکسٹال لاہور، 2009ء

تفسیر نعیمی

مولانا احمد یار خان نعیمی

تعارف

مفتی احمد یار خان نعیمیؒ کا شمار برصغیر پاک وہند کی نامور علمی و ادبی شخصیات میں ہوتا ہے۔ آپؒ کی ولادت 4 جمادی الاول 1314ھ (یکم مارچ 1894ء) کو بھارتی ریاست اترپردیش کے ضلع بدایواں میں ہوئی۔ اسی وجہ سے شاعری میں بھی آپ کا تخلص سالک بدایوانی ہے۔ آپؒ نے تقریباً 3 سال 11 ماہ کی عمر میں اپنی ابتدائی تعلیم کا آغاز کیا اور قرآن مجید اور عربی کی ابتدائی کتب کی تعلیم اور مکمل فارسی کورس کی تعلیم گھر پر اپنے والد محترم سے ہی حاصل کی۔ آپؒ 7 برس کی عمر میں بدایوان کے مدرسے میں داخل ہوئے اور اس کے یکے بعد دیگرے تین مدرسوں میں تعلیم مکمل فرمائی۔ اسی طرح محض 18 برس کی عمر میں آپ نے علم میراث پر پہلا نایاب فتویٰ لکھا (جامعہ نعمیہ مراد آبادی میں) جس پر آپ کو مفتی اسلام کے لقب سے نوازا گیا۔ آپ نے برصغیر کے مختلف شہروں میں پانچ مدرسے تعمیر کیے اور تقریباً گیارہ مدارس میں درس وتدریس کا فریضہ سرانجام دیتے رہے۔

تعلیم و تعلم

شیخ بلال احمد صدیقی آپؒ کی علمی وسعت و تعلیمی قابلیت سے متعلق لکھتے ہیں کہ آپ نے 40 علوم حاصل کیے جن میں سے 30 درس نظامی کے علوم اساتذہ سے اور 10 علوم کتب بینی سے حاصل کیے- 1957ء میں حاشیہ قرآن مجید لکھنے پر ملک کے نامور علما کرام اور تحریک پاکستان کے حامی جید علماء کی تنظیم نے حکیم الامت کا لقب عطا فرمایا۔ آپؒ وقت کے بہت پابند اور قدر دان تھے اور آپ کی روزمرہ کی زندگی کا آغاز صلوٰۃ تہجد سے ہوتا- آپؒ نے 7 مرتبہ حج بیعت اللہ کی سعادت بھی حاصل کی۔

مفتی احمد یار خان نعیمی

آپ کی تقریباً 500 تصانیف ہیں جن میں سے کچھ تقسیم برِصغیر کے وقت ہندوستان میں ضائع ہو گئیں اور کچھ ابھی غیر مطبوعہ ہیں- علم تفسیر قرآن میں تفسیر نعیمی و نور العرفان، علم شرح حدیث میں مراۃ شراح مشکواۃ و شرحِ بخاری، علم فقہ میں فتاوٰی

نعیمیہ کے علاوہ جاء الحق، علم القرآن، شان حبیب الرحمن آپؒ کی شاہکار تصانیف ہیں - مزید آپؒ نے علم میراث اور علم منطق و علم فلسفہ پر تصانیف لکھیں۔ آپؒ کی وفات ۳ر مضان المبارک بروز اتوار ۱۳۹۱ھ بمطابق ۱۹۷۱ء کو ہوئی۔[32]

تفسیر نعیمی کا تعارف

یہ تفسیر دیگر اہم تفاسیر کا احاطہ کیے ہوئے ہے گویا تفسیر روح البیان، تفسیر کبیر، تفسیر عزیزی، تفسیر مدارک، تفسیر ابن عربی کا خلاصہ ہے۔ تفسیرِ نعیمی کا انداز ایسا پیارا ہے کہ اس سے ایک ہی وقت میں عوام اور کم پڑھے لکھے بھی فائدہ اٹھارہے ہیں اور علما وفضلا وفقہا وصوفیا و خطباو مصنفین و محققین و مبلغین اور تقابلِ ادیان کا مطالعہ کرنے والے بھی۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ اس میں ہر آیت مبارکہ کے تحت مندرجہ ذیل گیارہ چیزیں درج ہیں، جو دوسری قرآن مجید کی تفاسیر میں اس انداز میں موجود نہیں۔ جس کی وجہ سے ہر قسم کے لوگ اپنی ضرورت کے مطابق فائدہ اٹھاسکتے ہیں:

- عربی آیت
- لفظی ترجمہ
- بامحاورہ ترجمہ
- تعلقاتِ آیات
- نزول وشانِ نزول
- تفسیر عالمانہ
- خلاصہ تفسیر
- فوائد
- فقہی مسائل
- اعتراضات وجوابات
- تفسیر صوفیانہ

[32] شیخ بلال احمد صدیقی، حالاتِ زندگی حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی بدایونی، ص186 ، نعیمی کتب خانہ، گجرات، پاکستان، 2004

تفسیر نعیمی اردو تفسیر کے ذخیرے میں ایک گراں قدر اضافہ ہے۔ اس تفسیر کے اسلوب کی سب سے بڑی خوبی یہی ہے کہ اس میں کوئی گوشہ تشنہ نہیں معلوم ہوتا۔ مفتی صاحب کو علوم عقلیہ، نقلیہ و فروعیہ پر عبور حاصل تھا۔ آپ کی تفسیر عالمانہ بھی ہے، عاشقانہ بھی ہے، عارفانہ بھی اور صوفیانہ بھی۔ اس طرز تفسیر کی یہ وجہ ہے کہ علمی ذوق رکھنے والے مختلف قسم کے لوگ ہوتے ہیں تو آپ نے ان کی طبائع کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنی تفسیر کے بھی مختلف رنگ رکھتے ہیں۔ مثلاً تصوف سے شغف رکھنے والوں کے لیے تفسیر صوفیانہ، علم فقہ سے دلچسپی رکھنے والوں اور استنباط واستخراج کے شیدائیوں کے لیے فوائد واحکام اور تحقیق و تنقید کے دلدادہ حضرات کے لیے اعتراضات اور ان کے جوابات کو تحریر کیا ہے۔

تفسیر نعیمی کا اسلوب و منہج

تفسیرِ نعیمی اپنے اسلوب و منہج میں منفرد نوعیت کی حامل ہے جس میں قرآنی احکام و مسائل کو جامع و مفصل اور عام فہم انداز میں بیان کیا گیا ہے اور ہر قسم کے اعتراضات کا مدلّل جواب دیا گیا ہے۔ یہ تفسیر دیگر اہم تفاسیر کا احاطہ کیے ہوئے ہے گویا تفسیر روح البیان، تفسیر کبیر، تفسیر عزیزی، تفسیر مدارک، تفسیر ابن العربی کا خلاصہ ہے۔ اس تفسیر کا انداز کچھ اس طرح ہے:

- اولاً، عربی آیت لکھی گئی ہے۔
- پھر، اس آیت مبارکہ کا لفظی ترجمہ کیا گیا ہے۔
- پھر، اس آیت مبارکہ کا بامحاورہ ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔
- پھر، ہر آیت کا پہلی آیت سے نہایت عمدہ تعلق اور ربط بیان کیا گیا ہے۔
- پھر، آیت کا شان نزول نہایت وضاحت سے بتایا گیا ہے اور اگر شان نزول چند مروی ہیں تو ان کی مطابقت بیان کر دی گئی ہے۔
- ان پانچ چیزوں کے بَعد چھٹے نمبر پر، جو گیارہ کا وسط بنتا ہے، آیت کی عالمانہ تفسیر بڑی تفصیل سے بیان کی گئی ہے۔
- پھر، سارے گفتگو کو سمیٹتے ہوئے، خلاصہِ تفسیر بیان کیا گیا ہے۔
- پھر، آیت سے حاصل ہونے والے فوائد بیان کیے گئے ہیں۔
- پھر، آیت سے حاصل ہونے والے فقہی مسائل بیان کیے گئے ہیں۔

- پھر، آیت پر ہونے والے اعتراضات مع جوابات بیان کیے گئے ہیں۔
- آخر میں، دلکش اور ایمان افروز طریقہ سے آیت کی تفسیرِ صوفیانہ بیان کی گئی ہے۔

ان گیارہ چیزیں کے ضمن میں اور بھی بہت سی ابحاث آگئی ہیں جیسے کہ مخصوص الفاظ سے مخصوص تعداد گنوانا مثلاً پارہ 1، سورت 2، البقرۃ، آیت 125 کے تحت بیان کیا کہ "مکہ مکرمہ میں پندرہ جگہ دعا بہت قبول ہوتی ہے تقدیم و تاخیر بیان کرنا مثلاً پارہ 1، سورت 2، البقرۃ، آیت 3 کے تحت لکھا کہ چند وجہوں سے ایمان اعمال پر مقدم ہے موقع محل کے مطابق حکایات درج کرنا؛ مسلک اہل سنت اور فقہ حنفی کو ترجیح کی وضاحت کرنا؛ حسب موقع، قرآنی معمے بیان کرنا؛ ادب و احترام کالحاظ کرتے ہوئے جگہ جگہ شانِ رسول اور ان کے پیاروں کی شان کا ذکر کرنا۔ الغرض، اس تفسیر میں ہر آیت کی مکمل علومِ متداولہ کی مدد سے تفسیر کی گئی ہے جیسے صرف، نحو، منطق، بلاغت وغیرہ اور جہاں بھی کوئی اہم مسئلہ آیا ہے اس کی مکمل تحقیق کی گئی ہے[33]۔

تفسیر حقانی (تفسیر فتح المنّان المشہور بہ تفسیر حقّانی)

مولانا ابو محمد عبد الحق حقانی

ولادت اور ابتدائی حالات

مولانا عبد الحق حقانی قصبہ گمتھلا گڑھ میں ۲۷ رجب سن ۱۲۶۵ھ میں پیدا ہوئے۔ چونکہ والدین اور اہل قصبہ حضرت میران شاہ سے خاص عقیدت رکھتے تھے اور ان کے خلیفہ سجادہ نشین حضرت مولانا شاہ عبد الحمید بڑے باخدا بزرگ تھے۔ اور اس قصبہ میں ان کی خانقاہ تھی چنانچہ مولانا حقانی کو شاہ عبد الحمید کی ارادت میں دے دیا گیا۔ اور شاہ عبد الحمید نے ہی مولانا حقانی کی پرورش کی۔ 1977 میں جب مولانا 12 برس کے ہوئے تو شاہ صاحب نے مولانا کو تحصیل علم کے لیے شاہ عبد العزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس دہلی بھیجنا تجویز کیا۔

---

[33] شیخ بلال احمد صدیقی، حالاتِ زندگی حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی بدایونی، مطبوعہ 2004ء، نعیمی کتب خانہ، گجرات، پاکستان

تعلیم و تعلم

شاہ عبد العزیز صاحب نے بڑی ہی محبت سے مولانا کو اپنے پاس رکھا اور ان کو کتب درسیہ پڑھائیں۔ شاہ عبد العزیز صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اجازت سے مولانا پھر سارن پور تشریف لے گئے اور شیخ الحدیث مولانا احمد علی کے پاس رہ کر علم حاصل کیا ۔اور بعد ازاں آپ نے کانپور حضرت شیخ عبد الحق مہاجر مکی کی خدمت میں حاضر ہو کر تحصیل علم اور فیوض و برکات سے استفادہ حاصل کیا۔ اور حضرت شیخ عبد الحق قادری مہاجر مکی نے مولانا کے قابلیت اور زہد و اتقا دیکھ کر صنعت کے ساتھ خلافت در سلسلہ قادریہ بھی عطا فرمائی۔ وہاں سے رخصت ہو کر آپ جون پر تشریف لے گئے اور مختلف اساتذہ سے پڑھ کر علوم معقول و منقول کی تکمیل کی۔ اور اس کے بعد مولانا محمد علی مونگیری، مولانا احمد حسن کانپوری اور مولانا الحسن صاحب کے ساتھ مولانا علی شاہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں مراد آباد حاضر ہوئے۔ اتفاق زمانہ اس وقت حضرت شیخ المحدثین علیل تھے اس لیے چند روز وہاں قیام کے بعد علی گڑھ یونیورسٹی مولانا مفتی لطف اللہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور دو سال رہ کر تعلیم حاصل کی اور وہاں سے دہلی تشریف لائے۔[34]

۱۲۸۸ ہجری میں والدین اور حضرت عبد اللہ شاہ کی ملاقات کا شوق آپ کو واپس اپنے آئی گاؤں گمتھلا گڑھ لے گیا والدین اور حضرت شاہ صاحب سے ملاقات کی۔ ۱۱ سال کی جدائی کے بعد فارغ التحصیل مولانا کا وطن واپس پہنچنا کوئی معمولی بات نہ تھی۔ اس لیے تمام قصبہ میں خوشی کی ایک لہر دوڑی۔ اس کے بعد مولانا ۱۲۸۸ ہی میں دہلی تشریف لائے اور وہاں مولانا شاہ فضل الرحمن صاحب مراد آبادی کی خدمت میں حاضر ہوئے تقریبا ایک سال علم طریقت کی تکمیل کی۔ اور خلافت حاصل کر کے دہلی تشریف لائے اور مولانا شاہ نظیر حسین صاحب کی خدمت میں رہ کر حدیث نبوی کی قرأت اور سمع مختصر کی۔

دینی خدمات اور تصانیف

۱۲۹۰ میں آپ نے مدرسہ اسلامیہ فتح پوری دہلی میں مدرس کی خدمات دینا شروع کی۔ چنانچہ ۱۲۹۰ میں آپ کو یہ خیال ہوا کہ جو درس نظامی کی مشکل کتابیں ہیں ان کی شرح لکھی جائے۔ چنانچہ ۱۲۹۱ میں آپ نے نامی شرح حسامی عربی زبان میں لکھی جس کو

[34] تفسیر حقانی، محمد عبد الحق حقانی، مقدمہ، میر محمد کتب خانہ آرام باغ کراچی

بہت پسند کیا گیا۔ حتی کہ یہ جامع اظہر مصر میں بھی پڑھائی جاتی ہے اس کے بعد آپ نے تفسیر حقانی کی تالیف پر توجہ دی جو تقریباً دو سال میں مکمل ہوئی یہ تفسیر اٹھ جلدوں میں لکھی گئی ہے۔ اسکے علاوہ حقانی عقائد الاسلام بھی آپ کی معروف تصنیف ہے۔

تفسیر حقانی

اس کا اصل نام " فتح المنان " ہے، مولانا عبد الحق حقانی دہلوی اس کے مؤلف ہیں اور اسی نسبت سے "تفسیر حقانی" کے نام سے معروف و مشہور ہے، اس تفسیر میں روآیت کو کتاب حدیث سے اور درآیت کو اس فن کے علما محققین سے جمع کیا گیا ہے، اُردو میں اصل مطلب قرآن کو واضح کیا گیا ہے، شانِ نزول میں روآیت صیحیہ نقل کی گئی ہیں، آیات احکام میں اول مسئلہ منصوصہ کو ذکر کر کے پھر اختلاف مجتہدین اور ان کے دلائل کی وضاحت کی ہے، اعراب کی مختلف وجوہ میں سے جو مصنف کی نگاہ میں قوی تھی اس کا ذکر کیا گیا ہے، معانی اور بلاغت کے متعلق نکات قرآنیہ پر بھی گفتگو ہے، کوئی حدیث بغیر سند کتب صحاح ستہ وغیرہ کے نہ لائی گئی ہے، قصص میں جو کچھ روآیت صیحیہ یا کتب سابقہ سے ثابت ہے یا خود قرآن میں جو کچھ وارد ہے اس کو بیان کر دیا ہے، آیات میں ربط پر خاص توجہ ہے، مخالفین کے شکوک و شبہات جس قدر تاریخی واقعات یا مبداء و معاد کی بابت کیے جاتے ہیں، سب کا جواب الزامی اور تحقیقی دیا گیا ہے اور نفس ترجمہ میں تفسیر کو قوسین کے درمیان لایا گیا ہے، تکرار، رطب و یابس اور کسی خاص مذہب کی تائید میں غلو سے اجتناب ہے اور مذاہب کا تقابلی مطالعہ کرنے کے بعد قرآن مجید کی حقانیت کو واضح کیا گیا ہے، بائبل اور دوسری مذہبی کتابوں سے تقابلی مطالعہ اور سر سید احمد خان کی فکری لغزشوں پر تنبیہ اس تفسیر کا خاص موضوع ہے اور یہ تفسیر سلف کی عمدہ تفاسیر کا لب لباب اور عطر ہے۔[35]

تفسیر حقانی کی نمایاں خصوصیات

1۔ آیات میں ربط پر خاص توجہ ہے۔

2۔ شان نزول میں روآیت صیحیہ نقل کی گئی ہیں۔

[35] تفسیر حقانی، محمد عبد الحق حقانی، مقدمہ

3۔ کوئی حدیث بغیر سند کتب صحاح ستہ وغیرہ کے نہیں لائی گئی ہے۔

4۔اس تفسیر میں روآیت کو کتاب حدیث سے اور درآیت کو اس فن کے علما محققین سے جمع کیا گیا ہے۔

5۔ آیات احکام میں اول مسئلہ منصوصہ کو ذکر کر کے پھر اختلاف مجتہدین اور ان کے دلائل کی وضاحت کی ہے۔

6۔اعراب کی مختلف وجوہ میں سے جو مصنف کی نگاہ میں قوی تھی اس کا ذکر کیا گیا ہے۔

7۔ علم معانی وبلاغت وغیرہ کی اصطلاحات اور رموز نکات اور معانی وبلاغت کے متعلق نکات قرآنیہ پر بھی گفتگو ہے۔

8۔ قصص میں جو کچھ روآیت صحیحہ یا کتب سابقہ سے ثابت ہے یا خود قرآن میں جو کچھ وارد ہے اس کو بیان کر دیا ہے۔

9۔ ہر ایک آیت کے مشکل الفاظ کے معنی اور اردو میں پوری تشریح لکھنے کے بعد عام فہم تفسیر۔

10۔ مخالفین کے شکوک و شبہات جس قدر تاریخی واقعات یا مبداء و معاد کی بابت کیے جاتے ہیں، سب کا جواب الزامی اور تحقیقی دیا گیا ہے۔

11۔ تکرار، رطب ویابس اور کسی خاص مذہب کی تائید میں غلو سے اجتناب ہے اور مذاہب کا تقابلی مطالعہ کرنے کے بعد قرآن مجید کی حقانیت کو واضح کیا گیا ہے۔

13۔ بائبل اور دوسری مذہبی کتابوں سے تقابلی مطالعہ اور سرسید احمد خان کی فکری لغزشوں پر تنبیہ اس تفسیر کا خاص موضوع ہے۔

14۔ منطق وفلسفہ سے استدلال فن مناظرہ کے مباحث

15۔ علما کرام اور عربی دان حضرات کے لیے آیات کی تفسیر سے پہلے ترکیب نیز صرفی نحوی لغوی تشریح و تحقیق۔

16۔ صوفیائے کرام کے فیوضات وملفوظات اور تصوف کے اسرار و نکات کی باریکیاں آیات کی تفسیر کے ضمن میں آپنا خاص رنگ اور روحانی اثر دکھارہے ہیں[36]۔

---

[36] تفسیر حقانی، محمد عبدالحق حقانی، مقدمہ، میر محمد کتب خانہ آرام باغ کراچی۔

ولادت وابتدائی حالات

آپ کا تعلق مشہدِ مقدس کے سادات خانوادے سے ہے آپ کے والد ماجد مولانا سید دیدار علی شاہ عظیم محدث اور مفسر تھے۔ آپ کا خاندان مشہدِ مقدس سے ہجرت کرکے ریاست الور میں وارد ہوا۔ آپ کی ولادت ۱۸۹۶ء میں محلہ نواب پورہ الور (بھارت) میں ہوئی۔ ۱۲ سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کرنے کے ساتھ ساتھ اردو، عربی اور فارسی میں مہارت حاصل کی۔ پھر تمام علوم وفنون اپنے والد ماجد مولانا سید دیدار علی شاہ، مولانا شاہ فضل الرحمن گنج مرادآبادی اور مولانا احمد رضا خان بریلوی رحم اللہ علیہم سے حاصل کیے۔ جبکہ حضرت شاہ علی حسین اشرفی رحمہ اللہ علیہ سجادہ نشین کچھوچھہ شریف سے خلافت و اجازت حاصل تھی۔ ۱۹۲۶ء میں آپ اہلیانِ لاہور کی درخواست پر لاہور تشریف لائے۔ اور تاریخی مسجد وزیر خان کی خطابت کے فرائض سنبھالے اور تادم زیست اس منصب پر فائز رہے۔ آپ کے دور میں مسجد وزیر خان اپنی تاریخی شکوہ و عظمت کے ساتھ علمی، ادبی، دینی، تبلیغی اور سماجی سرگرمیوں کا بھی مرکز بن گئی۔ اہلیان لاہور کے علاوہ دور دراز علاقوں سے عوام وخواص مسجد وزیر خان پہنچتے اور آپ کے سحر خطابت سے مسحور

ہوتے۔ ہزاروں غیر مسلم آپ کے دست حق پرست پر دولت اسلام سے مالا مال ہوئے۔

علامہ ابوالحسنات کی دینی اور ملی خدمات

علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ کا شمار ان اکابر میں ہوتا ہے جنھوں نے مسلمانانِ برصغیر کی بروقت دینی اور سیاسی رہنمائی کی۔ اور تحریک پاکستان، تحریک ختم نبوت اور تحریک آزادی کشمیر میں قائدانہ خدمات سرانجام دیں۔ پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی اور مولانا عبدالحامد بدایونی کے ہمراہ قراردادِ مقاصد کی ترتیب و تدوین میں بھی اہم کردار ادا کیا۔ آپ نے تفسیر الحسنات کے علاوہ متعدد کتب بھی تصنیف فرمائیں جو بہترین علمی، ادبی اور تحقیقی شاہکار ہیں۔ آپ کی خدمات نصف صدی پر محیط ہیں۔

تحریک پاکستان میں علمائے پنجاب میں سب سے پہلے آپ ہی نے مسلم لیگ کی حمایت کا اعلان کیا۔ ۱۹۴۰ء میں جب منٹو پارک (اقبال پارک) لاہور میں قراردادِ پاکستان منظور ہوئی تب آپ اس جلسہ کے سرگرم کارکنوں میں سے تھے۔ آپ نے قائداعظم

رحمہ اللہ علیہ سے ملاقات کر کے نظریہ پاکستان کی حمایت میں قلمی محاذ سنبھالا۔ روزنامہ ''احسان'' لاہور میں نظریہ پاکستان کی حمایت میں ایک طویل مضمون پانچ قسطوں میں شائع کرایا۔ آپ نے قائداعظم محمد علی جناح، پیر سید جماعت علی شاہ اور پیر صاحب مانکی شریف رحم اللہ علیہم کے ساتھ مل کر ملک گیر دورے کر کے عوام کو نظریہ پاکستان سے روشناس کیا اور پاکستان کی حمایت کا جذبہ پیدا کیا۔ ۱۹۴۵ء میں فریضہ حج ادا کرنے کے لیے سعودی عرب تشریف لے گئے تو وہاں دنیا بھر سے آئے ہوئے علماء اور حج وفود کے اجتماعات میں تحریک پاکستان کے مقاصد پر روشنی ڈالی۔ اور علمائے اسلام کو قرار داد پاکستان کے نظریات پر متفق کر کے عملی تعاون پر آمادہ کیا۔

آپ نے اپریل ۱۹۴۶ء میں آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس میں بڑی سرگرمی سے حصہ لیا۔ بحیثیت صدر پنجاب سنی کانفرنس اپنی ذمہ داریوں کو کماحقہ پورا کیا اور واپس آکر پنجاب کے کونے کونے میں مسلم لیگ کا پیغام پہنچایا۔ پاکستان بننے کے بعد ۱۹۴۸ء میں مدرسہ عربیہ انوار العلوم ملتان میں پاکستان بھر کے علماء ومشائخ کا ایک نمائندہ اجتماع ہوا۔ اس اجتماع میں ''جمعیت علمائے پاکستان'' کا قیام عمل میں آیا جس کے آپ پہلے صدر اور علامہ سید احمد سعید کاظمی ناظم اعلیٰ منتخب ہوئے۔

۱۹۴۸ء میں جب آزادی کشمیر کی تحریک شروع ہوئی تو آپ نے اپنی مساعی جمیلہ آزادی کشمیر کے لیے وقف کر دیں۔ ۱۸ جنوری ۱۹۵۳ء کو آل پارٹیز مسلم کنونشن میں مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کا قیام عمل میں لایا گیا۔ جس میں مختلف مکاتب فکر کے جید علماء سید عطاء اللہ شاہ بخاری۔ سید داود غزنوی اور سید مظفر علی شمسی سمیت دیگر مذہبی دینی جماعتوں کے قائدین نے آپ کو متفقہ طور پر مجلس

عمل تحریک تحفظ ختم نبوت کا صدر نامزد کیا۔ تحریک کی قیادت کرتے ہوئے ۲۶ اور ۲۷ فروری ۱۹۵۳ کی درمیانی شب دیگر علماء کے ساتھ آپ کو گرفتار کیا گیا اور سکیورٹی ایکٹ کے تحت ایک سال کی سزا سنائی گئی۔ پہلے آپ کو حیدر آباد پھر سکھر سنٹرل جیل سے لاہور منتقل کر دیا گیا۔ اس دوران آپ کے فرزند سید خلیل احمد قادری نے تحریک کی قیادت سنبھالی۔ لیکن پنجاب حکومت نے انھیں بھی مسجد وزیر خان سے گرفتار کر کے شاہی قلعہ لاہور کے عقوبت خانے (ٹارچر سیل) میں بند کر دیا۔ جیل میں مولانا کو جب یہ اطلاع

دی گئی کہ ان کے اکلوتے فرزند سید خلیل احمد قادری کو تحریک ختم نبوت میں سرگرم حصہ لینے کی بنیاد پر سزائے موت سنادی گئی ہے تو

مولانا نے نہایت استقامت سے فرمایا "جو اللہ کو منظور" پھر دعا فرمائی کہ "اے اللہ! میرے خلیل کی قربانی کو قبول فرما"۔ قید و بند کے دوران آپ نے تفسیر الحسنات کے 8 پارے مکمل کیے۔ بقیہ پارے اپنی رہائی کے بعد مکمل کیے اور انتقال سے دو روز پہلے تفسیر الحسنات مکمل فرمائی۔

آپ کی مشہور تصانیف

- تفسیر حسنات
- اوراق غم
- طیب الوردہ علی قصیدۃ البردہ
- خیر البشر
- اسلام کے بنیادی عقائد
- دیوان حافظ کا اردو ترجمہ
- شمیم رسالت

علامہ ابو الحسنات نے 2 شعبان المعظم 20 جنوری 1961ء جمعتہ المبارک) کو 12 بجے دن وفات پائی اور وصیت کے مطابق آپ کو حضرت داتا صاحب کے مزار پر انوار کے احاطے میں شرقی جانب سپرد خاک کیا گیا۔[37]

تفسیر کا تعارف

چھ ضخیم جلدوں پر مشتمل یہ تفسیر، تفسیری محاسن کا حسین و جمیل مرقع ہے۔

---

[37] پیرزادہ محمد اقبال فاروقی تذکرہ علمأ اہل سنّت و جماعت لاہور، ص 315 مکتبہ نبویہ گنج بخش لاہور

اس میں رکوعات کے حساب سے تفسیر کی گئی ہے۔

سب سے پہلے آیات کا سلیس اردو میں ترجمہ کیا گیا ہے۔

آیات کے شان نزول کو اہتماما بیان کیا گیا ہے۔

تفسیر بلا قرآن اور تفسیر بالحدیث آپ کا خاص اسلوب رہا۔

آیات احکام پر مناسب تشریحات بیان کی گئیں۔

آیات قرآنیہ پر مختلف قرآتوں کو زیر بحث لایا گیا۔

اس کے بعد مشکل الفاظ کی تحقیق کی گئی ہے۔

اس کے بعد تمام آیات کی مفصل تفسیر کی گئی ہے۔

قرآنی الفاظ کے رسم الخط کے بارے میں بھی قابل قدر معلومات مہیا کی گئی ہیں۔

یہ تفسیر کلام پاک کی تفسیر کے ساتھ قرآن پاک کا علمی پس منظر اور تاریخی گردوپیش بھی مہیا کرتی ہے۔

آیت کی تفسیر کے ساتھ یہ وضاحت بھی ملتی ہے کہ قرآن کے نزول نے دینی سطح پر انقلاب کے ساتھ ساتھ علمی اور تہذیبی زندگی میں کیا انقلابات پیدا کیے۔

تفسیر میں ایسا انداز رکھا گیا عام آدمی اور علما حضرات دونوں ہی اس تفسیر سے استفادہ کر سکتے ہیں۔

تفسیر بیان القرآن

مولانا اشرف علی تھانوی

مولانا اشرف علی تھانوی ایک حنفی عالم، چشتی صوفی اور بیان القرآن اور بہشتی زیور جیسی کئی کتابوں کے مصنف تھے۔

ولادت

مولانا تھانوی ۵ ربیع الثانی ۱۲۸۰ھ بہ مطابق ۹ ستمبر ۱۸۶۳ء کو پیدا ہوئے۔ ان کے والد شیخ عبد الحق ایک مقتدر رئیس صاحب نقد و جائیداد اور ایک کشادہ دست انسان تھے۔ فارسی میں اعلیٰ استعداد کے مالک اور بہت اچھے انشاء پرداز تھے۔ اس طرح یہ ایک عالی خاندان تھا جہاں دولت و حشمت اور زہد و تقوی بغل گیر ہوتے تھے۔ والد نے ان کی تربیت بڑے ہی پیار و محبت سے کی۔ تربیت میں اس بات کو خاص اہمیت دی کہ برے دوستوں اور غلط مجالس سے آپ دور رہے۔ آپ کی طبیعت خود بھی ایسی واقع ہوئی تھی کہ کبھی بازاری لڑکوں کے ساتھ نہیں کھیلتے تھے۔ بچپن سے ہی آپ کا مزاج دینی تھا۔ ۱۲ سال کی عمر میں پابندی سے نماز تہجد پڑھنے لگ گئے تھے

تعلیم و تربیت

ابتدائی تعلیم میرٹھ میں ہوئی فارسی کی ابتدائی کتابیں یہیں پڑھیں اور حافظ حسین دہلوی سے کلام پاک حفظ کیا۔ پھر تھانہ بھون آکر مولانا فتح محمد صاحب سے عربی کی ابتدائی اور فارسی کی اکثر کتابیں پڑھیں۔ ذوالقعدہ ۱۲۹۵ھ میں وہ بغرض تحصیل و تکمیل علوم دینیہ دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور پانچ سال تک یہاں مشغول تعلیم رہ کر ۱۳۰۱ھ میں فراغت حاصل کی۔ اس وقت ان کی عمر تقریباً ۱۹ سال تھی زمانہ طالب علمی میں وہ میل جول سے الگ تھلگ رہتے اگر کتابوں سے کچھ فرصت ملتی تو اپنے استاد خاص محمد یعقوب نانوتوی کی خدمت میں جا بیٹھتے۔

درس و تدریس

تکمیل تعلیم کے بعد والد اور اساتذہ کی اجازت سے کانپور تشریف لے گئے اور مدرسہ فیض عام میں پڑھانا شروع کر دیا۔ چودہ سال تک وہاں پر درس و تدریس کرتے رہے۔ 1315ھ میں کانپور چھوڑ کر وہ آبائی وطن تھانہ بھون آگئے اور وہاں امداد اللہ مہاجر مکی کی خانقاہ کو نئے سرے سے آباد کیا۔ اور مدرسہ اشرفیہ کے نام سے ایک درسگاہ کی بنیاد رکھی جہاں آخر دم تک تدریس، تزکیۂ نفوس اور اصلاح معاشرہ جیسی خدمات سرانجام دیتے رہے۔

اس مراجعت پر امداد اللہ مہاجر مکی نے ان کو ایک خط بھیجا جس میں لکھا تھا "بہتر ہوا کہ آپ تھانہ بھون تشریف لے گئے امید ہے کہ خلائق کثیرہ کو آپ سے فائدہ ظاہری وباطنی ہو گا اور آپ ہمارے مدرسہ ومسجد کو از سر نو آباد کریں گے۔ میں ہر وقت آپ کے حال میں دعا کرتا ہوں۔

سلوک ومعرفت

ظاہری علوم کی تکمیل کے بعد دل میں تزکیہ باطن کا داعیہ پیدا ہوا۔ چنانچہ جب کہ وہ طالب علمی کی زندگی ختم فرما کر کانپور میں اشاعت علوم میں مصروف تھے۔ سفر حج کی توفیق ہوئی۔ وہ اپنے والد کی معیت میں زیارت حرمین شریفین کے لیے روانہ ہوئے۔ مکہ معظمہ پہنچ کر حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حاجی صاحب ان کے آنے سے بہت خوش ہوئے اور دست بدست بیعت کی نعمت سے سر فراز کیا۔ اور فرمایا تم میرے پاس چھ مہینے رہ جاؤ لیکن والد ماجد نے مفارقت کو گوارا نہ کیا۔ اس پر حاجی صاحب نے فرمایا کہ والد کی اطاعت مقدم ہے اس وقت چلے جاؤ پھر دیکھا جائے گا۔ ۱۳۱۰ھ میں وہ دوبارہ مکہ مکرمہ تشریف لے گئے اور چھ ماہ حاجی صاحب کی خدمت میں رہے۔

اس دوران میں حاجی صاحب نے ان کو شرف خلافت سے نوازا اور ساتھ یہ فرمایا میاں اشرف "توکل بخدا تھانہ بھون جا کر بیٹھ جانا اگر سخت حالات پیش آئیں تو عجلت مت کرنا" ان وصیتوں اور باطنی دولت کو لے کر وہ ۱۳۱۱ھ میں وطن واپس لوٹ آئے اور حاجی صاحب کی وصیت کے مطابق تھانہ بھون میں رشد واصلاح باطنی کا کام شروع کر دیا۔ ہندوستان کے طول وعرض سے لوگ ان کے پاس آیا کرتے تھے۔

مولانا اشرف علی تھانوی نے ۱۶ رجب ۱۳۶۲ھ ۲۰ جولائی ۱۹۴۳ء وفات پائی۔ ان کی نماز جنازہ ظفر احمد عثمانی نے پڑھائی اور وہ تھانہ بھون کے قبرستان میں مدفون ہیں۔

تفسیر بیان القرآن کا تعارف اور منہج

بیان القرآن تقریباً چھ سال کی مدت میں مکمل ہوئی اور پہلی بار ۱۳۲۶ھ میں "اشرف المطابع" تھانہ بھون سے طبع ہوئی،

خصوصیات

تفسیر بیان القرآن کی خصوصیات یہ ہیں:

1. قرآن مجید کا نسبتاً آسان اور سلیس ترجمہ کیا ہے جو بامحاورہ ہونے کے باوجود الفاظِ قرآنی سے بھی پوری طرح ہم آہنگ ہے،
2. ترجمہ میں خالص محاورات استعمال نہیں کیے گئے ہیں؛ کیونکہ محاورات ہر جگہ ومقام کے الگ الگ ہوتے ہیں، یہ ترجمہ شاہ رفیع الدین کے ترجمہ کے قریب ہے،
3. نفس ترجمہ کے علاوہ جس مضمون پر توضیح کی ضرورت تھی یا کوئی شبہ خود قرآن کے مضمون سے بظاہر پیدا ہوتا ہے اس جگہ "ف" بناکر اس کی تحقیق ووضاحت کردی گئی ہے، لطائف ونکات یا طویل وعریض حکایات وفضائل اور فقہی احکام کی تفصیلات سے تفسیر کو طویل نہیں کیا گیا ہے، # جس آیت کی تفسیر میں بہت سے اقوال مفسرین کے ہیں، ان میں جس کو ترجیح معلوم ہوئی صرف اس کو نقل کیا گیا ہے،
4. خلافیات کی تفسیر میں صرف مذہب حنفی کو لیا گیا ہے اور دوسرے مذاہب بشرط ضرورت حاشیہ میں لکھ دیے گئے ہیں،

5. نفعِ عوام کے ساتھ افادہ خواص کا خیال کرتے ہوئے ایک حاشیہ عربی میں بڑھادیا گیا ہے، جس میں غیر مشہور لغات، وجوہ بلاغت، مغلق تراکیب، خفی استنباط، فقہیات وکلامیات اور اسباب نزول وغیرہ پر گفتگو کی گئی ہے، یہ نہایت ہی عالمانہ تفسیر ہے اور دینی مدارس کے اساتذہ وطلبہ کے لیے بہت ہی نفع بخش ہے؛ بلکہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ اُردو کی "جلالین" ہے۔

باب سوم: اصطلاحات تصوف کا تعارف و مفہوم

فصل اول: ایمانیات سے متعلقہ اصطلاحات تصوف کا تعارف و مفہوم

فصل دوم: اخلاقیات سے متعلقہ اصطلاحات تصوف کا تعارف و مفہوم

فصل سوم: معاملات سے متعلقہ اصطلاحات تصوف کا تعارف و مفہوم

فصل اول: ایمانیات سے متعلقہ اصطلاحاتِ تصوف کا تعارف و مفہوم

ایمانیات کے ساتھ متعلقہ اصطلاحات

- علم الیقین
- عین الیقین
- حق الیقین
- صراط مستقیم
- الہام
- شریعت
- طریقت
- حقیقت
- محبت
- قرب

علم الیقین

وہ علم یقینی جو دلائل و براہین سے حاصل کیا گیا ہو۔ بعض اوقات اعیان ثابتہ کی جانب بھی اس سے اشارہ کیا جاتا ہے۔[38]

عین الیقین

جب مشاہدہ میں کوئی بات آ جائے تو وہ عین الیقین کی حد تک پہنچ جاتی ہے۔ اس کو مقام وحدت بھی کہتے ہیں۔[39]

حق الیقین

مقام احدیت[40] یعنی جب کسی سالک کو اللہ تعالی کا قرب حاصل ہو جائے اور اس کو فنا کا مقام حاصل ہو جائے۔

صراط مستقیم

وہ راستہ جو کشف کی طرف لے جائے۔[42][41] یعنی وہ راستہ یا طریقہ جس پہ عمل کر کے یا جس پہ چل کر کوئی سالک وہ مقام حاصل کر لے کہ اس پر چیزیں منکشف ہونے لگ جائیں، وہ صراط مستقیم کہلاتا ہے۔

سورۃ فاتحہ میں جس پر چلنے کی دعا اور تلقین ہے۔[43] مشہد احدی (مشہد کا معنی حاضر ہونے کی جگہ[44])

---

[38] ذوقی۔ سید محمد ذوقی، سر دلبراں، ص ۳۲۲، الفیصل ناشران کتب، اردو بازار، لاہور ۲۰۲۰

[39] سید محمد ذوقی، سر دلبراں، ص ۳۲۲

[40] سید محمد ذوقی، سر دلبراں، ص ۳۲۲،

[41] سید محمد ذوقی، سر دلبراں، ص ۲۹۰

[42] عبد الکبیر، قاضی عبد الکبیر منصور پوری، فرہنگ اصطلاحات تصوف، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی لاہور ۲۰۱۱، ص ۱۱۴

[43] قاضی عبد الکبیر منصور پوری، فرہنگ اصطلاحات تصوف، ص، ص ۱۱۴

[44] قاضی عبد الکبیر منصور پوری، فرہنگ اصطلاحات تصوف، ص ۱۱۴

الہام

وہ چیز جو بطریق استدلال حاصل نہ کی گئی ہو بلکہ قلب سالک پر حق تعالیٰ کی جانب سے یقین کامل کے ساتھ وارد ہوئی ہو الہام کہلاتی ہے اسے القاہے یا وحی بھی کہتے ہیں۔[45] یعنی وہ چیزیں جو انسان کو دلائل سے حاصل نہ ہوں بلکہ اللہ تعالی کی طرف سے کسی شخص کے دل پر اللہ پاک کی طرف سے وارد ہوئی ہوں تو وہ الہام کہلاتی ہیں۔

ابتدا سالک کے قلب پر خطرات رحمانی وارد ہوتے ہیں۔ انتہامیں جاکر حق تعالیٰ سے مکالمت کا شرف حاصل ہوتا ہے۔ ابتدائی حالت کو القاءاور انتہائی حالت کو الہام اور وحی کہتے ہیں۔[46] یعنی ابتداء میں سالک کہ دل میں اس کو صحیح یا غلط کے اشارات آتے ہیں اور انتہا میں اس کو الہام ہونے لگ جاتے ہیں اور انبیاء کو وحی نازل ہوتی ہے۔

اولیاء اللہ کو الہام ہوتا ہے انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام پر وحی نازل ہوتی ہے۔ الہام حق تعالیٰ کی جانب سے بندہ پر بلا کسی فرشتہ کی وساطت کے اس جہت سے فائز ہوتا ہے جو حق تعالیٰ کو ہر موجودات کے ساتھ ہے۔

وَلِكُلٍّ وِجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا[47] اور ہر ایک کی توجہ کیلئے ایک مرکز ہے جس کی طرف وہ رخ کرتا ہے

سے اسی جہت کی جانب اشارہ فرمایا گیاہے۔ وحی فرشتہ کے واسطہ سے ہوتی ہے۔ اسی بناپر حدیث قدسی کو وحی و قرآن نہیں کہتے۔ وحی کشف شہودی اور معنوی دونوں ہے۔ الہام صرف کشف معنوی ہے۔ وہی مخصوص بہ نبوت ہے اور ظاہر سے متعلق ہے اور تبلیغ کے ساتھ مشروط ہے۔ الہام ولآیت سے مخصوص ہے اور تبلیغ کے ساتھ مشروط نہیں۔

اسکے علاوہ یہ بھی کہا گیا کہ نور قدس کی چمک سے جس کشف معنوی کا ورود ہوتا ہے۔ وہ جب قلب کے مرتبہ میں ظاہر ہو تو اسے الہام کہتے ہیں۔

---

[45] سید محمد ذوقی، سر دلبراں، ص۸۵

[45] قاضی عبدالکبیر منصور پوری، فرہنگ اصطلاحات تصوف، ص۲۳

[46] سید محمد ذوقی، سر دلبراں، ص۸۵

[47] البقرۃ:۱۴۸

اگر معانی غیبی ہیں تو الہام ہے اور ارواح مجردہ یا اعیان ثابتہ ہیں تو مشاہدہ قلبی ہے۔ اگر یہ کشف روح کے مرتبہ میں ظاہر ہو تو شہود روحی ہے۔ یہ شہود مثل آفتاب کے ہے جو آسمان اور زمین یعنی روح و جسم کو روشن کر دیتا ہے۔ نور قدس بذاتہ یعنی بغیر کسی واسطہ کے اپنی اصلی استعداد کے مطابق معانی غیبیہ کو اللہ العلیم سے اخذ کرتا ہے۔ اور اپنے ماتحتوں یعنی قلب اور قوائے روحانی وجسمانی پر ان کا فیضان کرتا ہے۔ جس طرح کے سالکوں کے مقامات و مراتب و استعدادات میں تفاوت ہوتا ہے۔ اسی طرح کشف کی نوعیت و مدارج واجمال و تفصیل و وسعت و محدودیت وابہام واظہار وغیرہ بھی میں بھی تفاوت ہوتا ہے۔

اسکے علاوہ یہ بھی کہا گیا کہ قوت سامعہ کے مقابل باطن میں القا اور الہام ہے اور اخذ کرنے کی صلاحیت ہے۔[48]

شریعت

شریعت نام ہے التزام حکم عبودیت کا پس جس شریعت کو حقیقت کی تائید حاصل نہ ہو وہ غیر مقبول ہے۔[49]

شریعت احکام ظاہر کا نام ہے۔یعنی اللہ تعالی کے احکامات جو اس نے نازل فرمائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم تک پہنچائے یا امت کو بتائے اور سکھائے وہ شریعت کہلاتے ہیں۔

شریعت عبارت ہے فعل چند و ترک کے چند سے یعنی کچھ کاموں کے کرنے اور کچھ کاموں کے چھوڑنے کا نام ہے۔ جن کی صراحت کتب فقہی میں موجود ہے۔[50]

طریقت

روش، ارباب حال، تہذیب اخلاق، اوصاف زمیمہ کو اوصاف حمیدہ میں تبدیل کرنا۔ اسے سفر در وطن بھی کہتے ہیں۔[51]

---

[48] سید محمد ذوقی، سر دلبراں، ص۸۷

[49] سید محمد ذوقی، سر دلبراں، ص۲۷۹

[50] قاضی عبد الکبیر منصور پوری، فرہنگ اصطلاحات تصوف، ص۱۰۷

[51] قاضی عبد الکبیر منصور پوری، فرہنگ اصطلاحات تصوف، ص۱۰۷

یعنی وہ عادات یا اسلوب زندگی یا اخلاق کی وہ خوبصورتی جو انسان کے اوصاف زمیمہ کو اوصاف حمیدہ میں تبدیل فرمائے اسے طریقت کہتے ہیں۔ اور اسے سفر در وطن بھی کہتے ہیں یعنی انسان کا اپنے اصل مقصد کی طرف سفر کرنا۔ اور انسان کا اصل مقصد ہے خود کو بہتر کرنا اور اللہ کی رضا حاصل کرنا ہے۔

حقیقت

ظہور توحیدی حقیقی، حقیقت ذات حق بلا حجاب تعینات۔[52]

یعنی حقیقت کسی حجاب کے بغیر اللہ تعالی کی ذات کے جلوے حاصل کر لینا اور اس کی اس کے انوار کا ظہور ہونے لگ جانا یہ حقیقت کہلاتا ہے۔

[53]اہل صوفیاء اہل تصوف یا ارباب تصوف میں حقیقت اس کا استعمال چند طور پر ہوتا ہے سب سے پہلا تو حقیقت کا استعمال مجاز کے مقابلے میں ہوتا ہے۔ یہاں حقیقت سے مراد باطن مجاز سے مراد ظاہر ہوتا ہے ہر شے میں مثلاً عالم شہادت مجاز ہے جس کے مقابلہ میں عالم مثال حقیقت ہے۔ اور عالم مثال مجاز ہے جس کے مقابلہ میں عالم ارواح حقیقت ہے اور عالم ارواح مجاز ہے جس کے مقابلہ میں عالم اعیان حقیقت ہے اور عالم اعیان مجاز ہے جس کے مقابلہ میں علم حقیقت ہے۔ اور علم مجاز ہے جس کے مقابلہ مزات حقیقت ہے۔ ہر چونکہ ذات مبدہ ہے ہر چیز کی وہ حقیقت الحقائق ہے۔ حقیقت بندہ کے ساتھ جب حق تعالی کے اوصاف میں محو ہو جاتے ہیں اور بندہ کی ذات حق تعالی کی ذات میں گم ہو جاتی ہے تو بندہ اپنی حقیقت کو پالیتا ہے۔

دوسرا استعمال حقیقت کا اعتبارات کے مقابلہ میں ہوتا ہے ذات حق تعالی حقیقت ہے ہر چیز کی ہر چیز کا وجود اعتباریہ اور حق تعالی ہی سے آپنا وجود پایا ہوئے ہے اس لیے طلائی حقیقت الحقائق ہے۔

سید محمد ذوقی، سر دلبراں، ص۲۷۹

[52]سید محمد ذوقی، سر دلبراں، ص۲۹۷

[53]سید محمد ذوقی، سر دلبراں، ص۱۷۳

تیسرا استعمال حقیقت کا اس موقع پر ہوتا ہے جہاں کسی چیز کو واقعی اور فی نفس الامر بیان کرنا منظور ہوتا ہے اس محل میں اس لفظ سے مراد صور علمیہ اور اعیان ثابتہ سے ہوتا ہے جنہیں حقائق الممکنات بھی کہتے ہیں۔[54]

حقیقت مغز ہے جس کا پوست شریعت ہے۔ طریقت مغز و پوست کے درمیان ایک برزخ ہے۔ مغز حقیقت بے پوست شریعت و طریقت پختہ نہیں ہوتا بلکہ خطرہ میں رہتا ہے۔ یا بالفاظ دیگر یوں بھی بیان کیا جاسکتا ہے کہ شریعت نسخہ ہے۔ طریقت اُس نسخہ کا صحیح استعمال ہے۔ مثلاً اسے صحیح ترکیب سے تیار کرنا جملہ شرائط کو ملحوظ رکھ کر وقت پر اس کا استعمال کرنا اور ہر قسم کا ضروری پرہیز دوران استعمال میں برتنا۔ اور حقیقت اس صحیح استعمال نسخہ سے نتائج کا حاصل کرنا ہے۔[55]

محبت

محبت ایک کشش مقناطیسی ہے جو کسی کو کسی کی جانب کھینچتی ہے۔ کسی میں حسن و خوبی کی ایک جھلک کا دیکھ لینا اور اس کی جانب طبیعت کا مائل ہو جانا۔ دل میں اس کی رغبت اس کا شوق اس کی طلب و تمنا اور اس کے لیے بے چینی کا پیدا ہونا۔ اسی کے خیال میں شب و روز رہنا۔ اسی کی طلب میں تن من دھن سے منہمک ہونا۔ اس کے فراق سے ایذا پانا۔ اس کے وصال سے سیر ہونا۔ اس کے خیال میں اپنا خیال اس کی رضا میں اپنی رضا اس کی ہستی میں اپنی ہستی کو گم کر دینا یہ سب محبت کے کرشمے ہیں۔[56]

محبت معرفت کی محتاج ہے اور معرفت محبت کی۔ محبت کو معرفت پر تقدیم حاصل ہے اور معرفت کو محبت پر۔ محبت معرفت کا نتیجہ ہے اور معرفت محبت کا۔ یعنی بلا معرفت کے محبت پیدا نہیں ہوتی اور بغیر محبت کے معرفت میں ترقی نہیں ہوتی۔ اگر محبت سے قبل صرف اجمالی معرفت کی ضرورت ہوتی ہے اور بعد محبت کے حق تعالیٰ کی جانب سے انعام کے طور پر تفصیلی معرفت عطا فرمائی جاتی ہے۔

---

[54] سید محمد ذوقی، سر دلبراں، ص ۱۷۳

[55] قاضی عبد الکبیر منصور پوری، فرہنگ اصطلاحات تصوف، ص ۱۰۷

[56] سید محمد ذوقی، سر دلبراں، ص ۳۰۴

قرب

قرب صفات الہی سے متصف ہونا، سیر قطرہ بجانب دریا، رفع تعینات، حجاب خودی کا اٹھنا۔[57]

اس کا معنی اللہ تعالی کی صفات سے متصف ہونا ہے۔یعنی انسان عبادات وریاضات کے ساتھ اللہ تعالی سے اتنا قریب ہو جائے کہ اللہ تعالی کی صفات کا پرتاواس کی ذات پہ پڑتا ہے۔

قرب دو قسم کا ہوتا ہے ایجادی اور شہودی۔

قرب ایجادی

ادراک بسیط ہے جو ذوات اعیان علمیہ کو قبل وجود خارجی بحکم الست بر بکم قالو بلی حاصل ہوا اور جو عبارات اضطراری و حکمت ایجاد عالم ورحمت رحمانی کا مقتضی ہے۔یہ ادراک غیر ادراک ہے جو ذات سے منفک نہیں اور محتاج فکر نہیں۔ یہ قرب سبب حکمت تکوین ہے۔

قرب شہودی

وہ قرب ہے جو تفکر سے حاصل ہوتا ہے اور مستلزم ہے عبارات اختیاری، سلوک اور رحمت خاص یعنی رحیمی کا۔اس قرب کا حصول نور ہدایت الہی کے بغیر میسر نہیں ہوتا۔اس نور کے پرتو سے سالک کی ہستی مجازی دور ہو کر اسے تقرب شہودی حاصل ہوتا ہے۔[58]

---

[57] سید محمد ذوقی، سر دلبراں، ص ۳۳۴

[58] قاضی عبد الکبیر منصور پوری، فرہنگ اصطلاحات تصوف، ص ۱۳۷

فصل دوم:

اخلاقیات سے متعلقہ اصطلاحات تصوف کا تعارف و مفہوم

اخلاقیات کے ساتھ متعلقہ اصطلاحات

- اخلاص
- احسان
- صبر
- شکر
- تزکیہ
- صدق
- توکل
- رضا
- توبہ
- خلق
- محاسبہ
- تواضع
- انابت
- قناعت
- فقر

اخلاص

صرف خدا کیلئے کسی فعل کو انجام دینا نہ کہ معاوضہ کی نیت سے۔[60][59] صرف خدا کیلئے کسی فعل کو انجام دینا نہ کہ معاوضہ کی نیت سے ۔[61] یعنی انسان کوئی بھی کام کرے تو اس میں اس کو کسی معاوضہ کی لالچ نہ ہو بلکہ صرف اللہ رب العزت کی خوشنودی اور رضا کیلئے وہ کام کرے۔

احسان

پیغمبر خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے احسان کی یہ تعریف فرمائی ہے کہ

ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک [62]

یعنی احسان یہ ہے کہ عبادت کرے تو اللہ کی اس طرح کے گویا تو اسے دیکھتا ہے پس اگر نہیں دیکھ سکتا تو اس کو تو وہ یقینا تجھ کو دیکھتا ہے۔

احسان وہ مقام ہے جس میں بندہ خدا کے اسماء وصفات کے اثار کو دیکھتا ہے اور اپنی عبادت میں تصور کرتا ہے کہ میں خدا کے سامنے ہوں، اور کم سے کم درجہ یہ ہے کہ وہ یہ دیکھے کہ اللہ تعالیٰ میری طرف دیکھتا ہے۔ [63]

---

[59] سید محمد ذوقی، سر دلبراں، ص۳۲۹

[60] قاضی عبد الکبیر منصور پوری، فرہنگ اصطلاحات تصوف، ص ۱۴

[61] سید محمد ذوقی، سر دلبراں، ص۲۹۰

قاضی عبد الکبیر منصور پوری، فرہنگ اصطلاحات تصوف، ص۱۴

[62] ابو الحسین مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری، صحیح مسلم شریف کتاب الإیمان، باب الایمان والاسلام والاحسان ووجوب الایمان باثبات قدر اللہ سبحانہ وتعالیٰ، حدیث ۸، ۱

[63] سید محمد ذوقی، سر دلبراں، ص ۵۳

یہ مراقبہ کا پہلا زینہ ہے محسن کا ہر کام خاص اللہ ہی کے واسطے ہوتا ہے وہ اللہ ہی کے جلال سے ڈرتا ہے اور اللہ ہی کے جمال کی طرف رغبت کرتا ہے گویا تصوف کو شریعت کی اصطلاح میں احسان کہتے ہیں۔ احسان کو عملی صورت میں لانے کا نام دراصل تصوف ہے۔[64]

صبر

کسی معاملہ میں مخلوق کی زبان سے خالق کی نہ تو شکایت کرنا، نہ دل میں شکایت کا تصور پیدا ہونے دینا صبر کہلاتا ہے۔[65]

اللہ تعالیٰ ایوب علیہ السلام کے صبر کی تعریف فرماتا ہے اور فرماتا ہے کہ وہ اچھے بندے تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًاؕ-نِعْمَ الْعَبْدُؕ-اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ[66]

بے شک ہم نے اسے پایا صبر والا کیا ہی اچھا بندہ تھا وہ بہت رجوع لانے والا تھا۔

یعنی اپنے حالات کو اللہ کی طرف رجوع کرتے تھے رفع تکلیف کے لیے آپ اسباب کی جانب التفات نہ فرماتے تھے بلکہ حق تعالیٰ سے دعا کرتے تھے، معلوم ہوا کہ دعا سے صبر میں کوئی قباحت نہیں واقع ہوتی۔

غیر اللہ سے استغاثہ کرنے سے دل و زبان کو روکنا صبر ہے اور غیر اللہ سے مراد حق تعالیٰ کی وہ جملہ جہات ہیں جو اس کی اس جہت خاص کے علاوہ ہیں جسے ھویت کہتے ہیں۔[67][68]

عارف باللہ ھویت حق سے اپنی رفع تکلیف کے لیے دعا کرتا ہے۔ اپنے نفس کو ایسا کرنے سے باز رکھنا گویا حق تعالیٰ کے سامنے مٹھ مردی اور گستاخی سے پیش آنا ہے۔ عبدیت اور انکسار اس میں ہے کہ اپنی ہر تکلیف پر بارگاہ الٰہی میں گریاوزاری اور لجاجت اور عاجزی

---

[64] قاضی عبد الکبیر منصور پوری، فرہنگ اصطلاحات تصوف، ص ۱۳

[65] سید محمد ذوقی، سر دلبراں، ص ۲۸۹

[66] ص: ۴۴

[67] سید محمد ذوقی، سر دلبراں، ص ۲۸۹

قاضی عبد الکبیر منصور پوری، فرہنگ اصطلاحات تصوف، ص ۱۳[68]

سے سوال کرے کیونکہ اس تکلیف کا ازالہ بارگاہ الہٰی ہی سے ہوتا ہے۔ یہ درست ہے کہ حق تعالیٰ کسی سبب سے ہی کے وسیلے سے اس تکلیف کا ازالہ فرماتا ہے مگر سبب کی جانب رجوع کرنے سے بہتر ہے کہ مسبب کی جانب رجوع کیا جائے۔ ایک چیز کے متعدد اسباب ہوتے ہیں اور بندہ نہیں جانتا کہ علم الہٰی میں کون سا خاص سبب اس امر خاص کے لیے معین ہو چکا ہے۔ بعض لوگ دعا میں اپنی بھی اپنی طرف سے سبب معین کر دیتے ہیں حالانکہ وہ سبب علم الہٰی کے مطابق نہیں ہوتا۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ خدا نے دعا قبول نہ کی حالانکہ خدا سے دعا ہی نہیں کی گئی۔ بلکہ اس سبب خاص سے دعا کی گئی جس کے لیے وقت و حالات مقتضی نہ تھے۔[70][69]

شکر

شکر حقیقی ایک کیفیت خاص ہے جو نعمت کے منعم سے منسوب کرنے اور اس نعمت کو منعم کی مرضی کے مطابق صرف کرنے سے سالک کے قلب میں لذت و سرور کے ساتھ پیدا ہوتی ہے۔[72][71] یعنی جب کسی شخص کو خالق حقیقی اللہ رب العزت کی طرف سے کوئی نعمت عطا ہو تو وہ شخص اس کو اللہ تعالی کے احکامات کے مطابق صرف کرے اور خرچ کرے تو اس وقت انسان کے دل میں جو کیفیت پیدا ہوتی ہے وہ شکر کہلاتی ہے۔

تزکیہ

نفس کو زمائم سے پاک کرنا[73]

خود کو ہر برائی سے ہر بری چیز سے ہر برے عمل سے محفوظ کرنا اور خود کو نیکی کے راستے پر رکھنا اور برائیوں سے خود کو بچانا اپنے باطن کو پاک اور صاف کرنا تزکیہ کہلاتا ہے۔

---

[69] قاضی عبدالکبیر منصور پوری، فرہنگ اصطلاحات تصوف، ص ۱۳

[70] سید محمد ذوقی، سر دلبراں، ص ۲۹۰

[71] قاضی عبدالکبیر منصور پوری، فرہنگ اصطلاحات تصوف، ص ۱۱۰

[72] سید محمد ذوقی، سر دلبراں، ص ۲۸۶

[73] قاضی عبدالکبیر منصور پوری، فرہنگ اصطلاحات تصوف، ص ۱۱۰

سید محمد ذوقی، سر دلبراں، ص ۱۵۰

صدق

ظاہر و باطن میں اور دل و زبان سے اور خفیہ طور پر و علانیہ طریقہ پر حق تعالیٰ کے اور خلق کے سامنے صداقت اور راست بازی سے پیش آنا۔[74]

توکل

توکل خدا پر بھروسہ کرنا اور اپنے جملہ امور خدا کے سپرد کر دینا۔[75]

اس کے بھی مختلف مدارج ہیں

صالحین اور ان سے کم تر درجہ کے لوگ خدا پر توکل کرتے ہیں مگر اس خواہش کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ ان کے امور کو ان کی مصلحتوں کے مطابق انجام دے۔

محسنین کا توکل یہ ہے کہ وہ اپنے جملہ امور خدا کی طرف رجوع کر دیں اور خدا کے کیے ہوئے پر معترض نہ ہوں بلکہ خوش ہوں کہ اللہ کا چاہا پورا ہوا۔

صدیقین کا توکل یہ ہے کہ وہ اپنی ذات کے حال سے خدا کی ذات کے حال کی طرف پھر جائیں۔ ان کی نظر اپنی ذات پر نہیں پڑتی بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے شہود میں مستغرق اور اس کی ذات میں فنا رہتے ہیں۔ بس یہی ان کا توکل ہے۔

محققین کا توکل یہ ہے کہ وہ بساط میں جگہ پکڑنے کے بعد بے چین رہتے ہیں۔

---

[74] سید محمد ذوقی، سر دلبراں، ص ۲۹۰

قاضی عبد الکبیر منصور پوری، فرہنگ اصطلاحات تصوف، ص ۱۱۳

[75] سید محمد ذوقی، سر دلبراں، ص ۱۵۵

قاضی عبد الکبیر منصور پوری، فرہنگ اصطلاحات تصوف، ص ۵۱

توکل مقدمہ ہے احسان کا۔ کیونکہ احسان کا ادنی مرتبہ یہ ہے کہ خدا کی نظر کو اپنی جانب دیکھے۔ اور جو شخص حق تعالیٰ کی نظر کو اپنی جانب دیکھتا ہے اسے لازم ہے کہ اپنے جملہ امور حق تعالیٰ ہی کی جانب رجوع کر دے کیونکہ حق تعالیٰ بندے کی مصلحتوں کو بندہ سے بہتر جانتا ہے۔ متوکل خوب سمجھتا ہے کہ بے فائدہ محنت میں اپنے نفس ہلاک کرنا حماقت ہے۔

توکل کے لیے یہ شرط ضروری ہے کہ غلام اس امر پر خوش ہو جو اس کا آقا اُس کے لیے پسند فرماتا ہے لیکن یہ عوام کا کام نہیں بلکہ مومنین ہی کا کام ہے۔ اس لیے توکل کا حکم بھی مومنوں ہی کو دیا گیا۔

وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ[76]

اور اوپر اللہ کے پس بھروسہ کرو اگر تم ایمان والے ہو

عوام جن میں صالحین اور متقین بھی شامل ہیں۔ اللہ پر اس لیے توکل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی مصلحتوں کے مطابق امور انجام دے۔ چنانچہ حق تعالیٰ کے اس قول میں اس کی جانب اشارہ ہے:

وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ[77]

اور اسے وہاں سے رزق عطا فرمائے گا جہاں سے وہ گمان بھی نہ کرتا ہو گا

جو لوگ اللہ پر اس لیے توکل کرتے ہیں کہ اللہ ان کے ساتھ جو معاملہ چاہے کرے ان کا ذکر بھی اس آیت کے آخر میں ہے

وَ مَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ؕ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا[78]

اور جو اللہ پر بھروسہ رکھے تو وہی اس کیلئے کافی ہے بے شک اللہ اپنے کام کو پورا فرمانے والا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کیلئے ایک اندازہ بنایا ہے

---

[76] المائدہ:۵۱

[77] الطلاق:۳

[78] الطلاق:۳

اور یہ امر یقینی ہے کہ اللہ تعالیٰ جو ارادہ فرماتا ہے اسے پورا کرتا ہے۔ توکل اور تفویض میں یہ فرق ہے کہ وکالت میں موکل کے لیے ملکیت کی بو ہوتی ہے۔ حالانکہ تفویض اس سے خارج ہے۔

رضا

اللہ تعالیٰ پر اعتماد کلی رکھنا اور اس کے برتاؤ سے خوش رہنا۔ اس کا ادنی مرتبہ صبر ہے اور اعلی مرتبہ تسلیم۔[79] یعنی زندگی کے تمام تر معاملات میں اللہ تعالی پر یقین اور اعتماد رکھنا کہ وہ آپ کے معاملات میں جو بھی کر رہا ہے وہ صحیح فرما رہا ہے اور یہ ہی آپ کے لیے بہتر ہے۔ کی عطا پر راضی ہو جانا اور خواہشات نفس کو ترک کر دینا اور جو اللہ تعالی کی نعمتوں سے عطا ہو جائے اس پر قناعت کر لینا۔

توبہ

اس کا معنی معافی اور استغفار ہوتا ہے۔

اپنے کیے ہوئے پر نادم ہونا اور تلافی کرنا بھی توبہ کہلاتا ہے۔[80]

نقص سے کمال کی طرف بازگشت یعنی نقص سے مراد کمی اور گناہ ہے اور کمال سے مراد نیکی اور اچھائی ہے یعنی بندے کا گناہوں کو ترک کرنا اور نیکی کیلئے سعی کرنا توبہ کہلاتا ہے۔

رجوع جانب الہی[81] یعنی اللہ رب العزت کی طرف رجوع کرنا، برائیوں اور گناہوں سے منہ موڑ کر اللہ تعالی کی طرف رجوع کرنا۔

ندامت جو خوف سے پیدا ہو،

---

[79] سید محمد ذوقی، سر دلبراں، ص۱۵۷، ۲۱۸، ۳۱۷

[79] قاضی عبد الکبیر منصور پوری، فرہنگ اصطلاحات تصوف، ص۸۳

[80] قاضی عبد الکبیر منصور پوری، فرہنگ اصطلاحات تصوف، ص۴۹

[81] سید محمد ذوقی، سر دلبراں، ص۱۵۴

اصطلاحا اسے باب الابواب بھی کہتے ہیں یعنی اس دروازے کے کھلنے کے بعد ہی باقی دروازے کھلتے ہیں۔

توبہ کے دو لوازمات ہیں

1. دل میں ندامت کا پیدا ہونا
2. اور گناہ سے طبعی نفرت

صرف زبان سے توبہ واستغفار کا رٹا لگانا یا رٹنا اور معصیت کی حسرت کا دل میں رہنا باب کھلنے کے لیے کافی نہیں۔

توبہ گناہ نہ کرنے کا عزم مصمم ہے یہی توبۃ النصوحہ بھی ہے (یعنی پکی توبہ)۔

سچائی اور خلوص کے ساتھ اپنی روش بدلنا بھی توبہ کہلاتا ہے

خلق

یعنی ایک واسطے سے دوسری چیز پیدا کرنا[82]، مرکب چیز سے کسی چیز کو پیدا کرنا تبدیل صورت کے ساتھ خلق کہلاتا ہے۔[83] یعنی ایک واسطے سے دوسری چیز پیدا کرنا خلق کہلاتا ہے مرکب چیز سے کسی چیز کو پیدا کرنا تبدیلی صورت کے ساتھ یعنی چیز مرکب چیز کی شکل تبدیل کر کے ایک دوسری چیز کو پیدا کرنا خلق کہلاتا ہے

محاسبہ

بندہ ہر حال میں اپنے احوال پر واقف رہے۔ اگر طاعت میں ہے تو شکر، اور معصیت میں ہے تو استغفار کرے یا پاسِ انفاس میں حضور وغفلت کا خیال رکھے۔ یا قبض وبسط پر نظر رکھے اور شکر کے موقع پر شکر اور استغفار کے موقع پر توبہ واستغفار کرے۔ اسے وقوف زمانی بھی کہتے ہیں۔[84]

---

[82] سید محمد ذوقی، سر دلبراں، ص۷۹

[83] سید محمد ذوقی، سر دلبراں، ص۹۶

[84] سید محمد ذوقی، سر دلبراں، ص۲۴۵

تواضع

جناب الٰہیٰ میں بندہ کا پست ہو جانا۔[8685] یعنی اللہ تعالی کے سامنے عاجزی اختیار کرنا اور جھک کر رہنا، تکبر بناوٹ تصنع کو اور بڑائی سے خود کو دور کر لینا اور خود کو بچا کر رکھنا۔ ہر وقت اللہ تعالی کے سامنے اطاعت کے لیے سر تسلیم خم کرنا جھک جھک کر بچھ بچھ کر رہنا۔ بار گاہ الٰہی میں عاجز بن کر رہنا تواضع کہلاتا ہے۔

انابت

انابت اس توبہ کو کہتے ہیں جس میں ایسی ندامت ہو جو رغبت سے پیدا ہوتی ہے، انابت کرنے والے کو منیب کہتے ہیں۔[87]

اوبہ اس توبہ کو کہتے ہیں جس میں ایسی ندامت ہو جو عظمت و جبروت سے پیدا ہو۔

توبہ کرنے والے کو اوّاب کہتے ہیں۔

گناہ کبیرہ سے اطاعت کی جانب رجوع کرنا توبہ ہے گناہ صغیرہ سے محبت کی جانب رجوع کرنا انابت ہے

نفس کو خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا اوبہ ہے۔

قناعت

انابت اس توبہ کو کہتے ہیں جس میں ایسی ندامت ہو جو رغبت سے پیدا ہوتی ہے، انابت کرنے والے کو منیب کہتے ہیں۔[88]

---

[85] سید محمد ذوقی، سر دلبراں، ص ۱۵۴

[8686] قاضی عبد الکبیر منصور پوری، فرہنگ اصطلاحات تصوف، ص ۴۹

[87] سید محمد ذوقی، سر دلبراں، ص ۱۵۵

[88] سید محمد ذوقی، سر دلبراں، ص ۱۵۵

اوبہ اس توبہ کو کہتے ہیں جس میں ایسی ندامت ہو جو عظمت و جبروت سے پیدا ہو۔

توبہ کرنے والے کو اوّاب کہتے ہیں۔

گناہ کبیرہ سے اطاعت کی جانب رجوع کرنا توبہ ہے گناہ صغیرہ سے محبت کی جانب رجوع کرنا انابت ہے۔

نفس کو خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا اوبہ ہے۔

اطمینان و دلجمی سے ہر حال پر راضی ہو جانا۔مانوس طبائع کے نہ ملنے کے باوجود سکون قلب کو قائم رکھنا۔[89]

فقر

فنافی اللہ ہو جانا، دارین سے منہ موڑلینا[90] یعنی اللہ تعالی کی ذات میں خود کو فنا کر دینا اور دنیاومافیہا کی ہر چیز کی لالچ اور طمع اور حرص کو ترک کرکے صرف اللہ رب العزت سے لو لگانا۔

فقر یہ ہے کہ تمہارے پاس کچھ نہ ہو۔ اگر ہو تو باقی نہ رہے بلکہ ایثار کر دو۔[91]، [92]

شیخ نوری فقراء کی تعریف یہ ہے کہ وہ تنگدستی کے موقع پہ مطمئن رہتے ہیں اور جب کچھ موجود ہوتا ہے تو سخاوت کرتے ہیں بلکہ اگر موجود ہو تو اضطراب اور بے چینی ہوتی ہے۔

---

[89] قاضی عبدالکبیر منصور پوری، فرہنگ اصطلاحات تصوف، ص ۱۴۰

[90] سید محمد ذوقی، سر دلبراں، ص ۳۲۹

[91] قاضی عبدالکبیر منصور پوری، فرہنگ اصطلاحات تصوف، ص ۱۳۳

[92] شیخ شہاب الدین عمر ابو حفص سہروردی، عوارف المعارف، ص ۶۴۸

فصل سوم:

معاملات / عبادات سے متعلقہ اصطلاحات تصوف کا تعارف و مفہوم

معاملات / عبادات کے ساتھ متعلقہ اصطلاحات

- خلافت
- ذکر
- حکمت
- زہد
- فراست
- کشف
- وجد
- بیعت
- مجاہدہ
- خرقہ
- ریاضت
- مراقبہ

خلافت

شیخ جب مرید میں دوسروں کو تعلیم دینے کی استعداد دیکھ لیتا ہے تو اسے خلافت عطا فرماتا ہے. خلافت کی سات مندرجہ ذیل انواع آج کل مروج ہیں۔ جن میں سے بعض مقبول ہیں اور بعض نام مقبول ہیں۔ [9493]

اصالۃ

جب کوئی بزرگ خدا کے حکم سے کسی شخص کو آپنا خلیفہ اور جانشین بناتا ہے تو یہ اعلی درجہ کی اور اصلی خلافت قرار دی جاتی ہے۔ مثلاً صاحب سیر الاولیاء تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ قصد فرمارہے تھے کہ اپنے کسی مرید کو خلافت عطا فرما کر ولایت ہند اس کے سپرد فرمائی جائے کہ غیب سے ندا آئی کے نظام الدین بدایونی آرہاہے۔ راستہ میں ہے ۔ خلافت کے قابل وہ ہے۔ اسے خلافت دو۔" جب حضرت سلطان مشائخ باباصاحب کے حضور پہنچے تو امر الٰہیٰ سے انہیں خلافت اور ہندوستان کی ولآیت مرحمت فرمائی گئی۔ باباصاحب خلاو ملا میں اکثر اوقات فرمایا کرتے تھے کہ بابانظام الدین بظاہر میرے خلیفہ ہیں مگر باطنی وہ باری تعالیٰ کے خلیفہ اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نائب ہیں۔ اس قسم کی خلافت کو خلافت الٰہیٰ بھی کہتے ہیں۔

---

[93] قاضی عبد الکبیر منصور پوری، فرہنگ اصطلاحات تصوف، ص ۲۷

[94] سید محمد ذوقی، سر دلبراں، ص ۱۹۴

اجازۃ

شیخ اپنے مرید یار شتہ دار یا کسی اجنبی شخص کو اس میں صلاحیت و استعداد کافی دیکھ کر بہ رضا و رغبت آپنا خلیفہ بناتا ہے۔اس قسم کی خلافت کو خلافت رضائی بھی کہتے ہیں۔

اجماعا

شیخ جب بغیر اس کے کہ کسی کو خلیفہ یا جانشین بنائے اس عالم سے کوچ کر جاتا ہے تو رسم پڑگئی ہے کہ لوگ مجتمع ہو کر اس کے کسی مرید یا وارث کو اس کا خلیفہ جانشین بنا کر اسے سجادہ پر بٹھا دیتے ہیں۔مشائخین کے نزدیک یہ خلافت درست و معتبر نہیں اور اس قسم کی خلافت کو خلافت افترائی بھی کہتے ہیں۔

وراثۃ

جب شیخ کسی کو خلیفہ جانشین قرار دیے بغیر اس جہاں سے گزر جائے اور اس کا کوئی عزیز یا وارث جو اس منصب کی صلاحیت رکھتا ہو اپنی رائے سے سجادہ پر بیٹھ کر اپنے آپ کو جانشین و خلیفہ قرار دے لے۔اس نوعیت کی خلافت کو بھی مشائخ منظور نہیں فرماتے تاوقتیکہ اس کا اطمینان نہ ہو جائے کہ شیخ کے باطنی اشارے سے یہ جانشینی عمل میں آئی ہے۔کیونکہ صوفیاء کے نزدیک باطنی اشارات جائز اور قابل عمل ہیں مگر ان کی تصدیق دوسروں کے لیے ذرا دشوار ہے۔

حکما

شیخ کے وصال کے بعد جانشینی کا جھگڑا پیدا ہو اور باہمی مناقشہ کا نتیجہ یہ ہو کہ معاملہ حکام وقت تک پہنچے اور عدالت سے ایک جانشین مقرر کیا جائے اطیعو اللہ واطیعو الرسول واولی الامر منکم کی رو سے اگر حکام وقت منکم کے تحت میں آتے ہوں تو یہ جانشینی جائز ہو گی ورنہ مشائخ کے نزدیک معتبر نہیں۔

تکلیفا

مرید پیر سے بہ کوشش اور دوسروں کی سفارش وغیرہ کی قوت سے بہ تکلف خلافت حاصل کرے تو اس قسم کی خلافت کی بھی کوئی وقت نہیں۔

اویسیا

کسی شخص کو ایک ایسے بزرگ کی روحانیت سے جو اس عالم سے کوچ فرما چکے ہوں تربیت حاصل ہوئی ہو اور خلافت بھی عطا ہوئی ہو۔ بقول صاحب اقتباس الانوار متقدمین نے اس نوعیت کی خلافت کو تسلیم فرمایا ہے۔ مگر متاخرین اسے مستند نہیں قرار دیتے اور فرماتے ہیں کہ تاوقتیکہ کسی شیخ کامل و مکمل سے اس عالم میں ارتباط و اجازت حاصل نہ ہو سلسلہ جاری نہیں ہوتا۔

محققین نے فرمایا ہے کہ جب مرید فنا فی الرسول اور جبروت تک پہنچ جائے تو اسے خلافت دے دینا جائز ہو جاتا ہے گو واجب نہیں ہوتا۔ واجب اس وقت ہوتا ہے جب مریض شہود ذات تک پہنچے۔ واصل ملکوت کو بھی بعض حضرات خلافت عطا فرما دینا جائز رکھتے ہیں۔ بعض کے نزدیک جب مرید میں خطرہ شیطانی خطرہ رحمانی میں تمیز کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے تو اس کے خلافت دے دینا جائز ہے۔ بعض کے نزدیک جب شیخ مرید میں معاملہ نیک دیکھے تو اسے خلافت دے دے۔ لیکن جب شیخ حق تعالیٰ کی جانب سے یا جناب رسالت ماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے، یا اپنے پیر کی جانب سے کسی کو خلافت دینے پر مامور کر دیا جائے تو اسے خلافت دینا واجب ہو جاتا ہے۔

اجازت کی بھی دو اقسام ہیں

1. ایک اجازت مطلقہ
2. دوسری اجازت نیابتی

اجازت مطلقہ

مستقل اجازت ہے جس کی روح سے خلیفہ شیخ کا قائم مقام ہو جاتا ہے بطریق اصل کے اور خلق خدا کی ہدایت میں مصروف ہو جاتا ہے۔ اور مریدوں کو اپنے نام کا شجرہ دیتا ہے۔

اجازت نیابتی

اس میں مجاز اپنے شیخ کے حکم سے بطریق سفارت اور بر سبیل نیابت لوگوں سے اپنے ہاتھ پر بیعت لیتا ہے اور انہیں اپنے شیخ کا مرید بناتا ہے۔ اس طور پر بیعت کرنے والے مجاز کے نہیں بلکہ اس کے شیخ کے مرید ہوتے ہیں اور شجرہ ان کو شیخ ہی کے نام کا دیا جاتا ہے۔

بعض مشائخ کے نزدیک خلافت کی دو قسمیں ہیں صغریٰ اور کبریٰ

خلافت صغریٰ وہ ہے جو شیخ اپنے مرید کی محنت اور ریاضت دیکھ کر اس کے ساتھ حسن ظن قائم کرتا ہے اور اپنی نظر میں اس کا معاملہ نیک پا کر اسے خلافت سے مشرف فرماتا ہے۔ آپنا لباس اتار کر اسے بطور خرقہ کے مرحمت فرماتا ہے اور اس کے لیے کوئی شہر یا قصبہ یا کوئی اور مناسب مقام و تعین فرمادیتا ہے کہ وہاں رہ کر ارشاد و تکمیل طالبان حق میں مصروف رہے۔

خلافت کبریٰ اسے کہتے ہیں کہ جب شیخ کے دل پر بار بار الہام حق وارد ہو کہ فلاں شخص کو خلافت دی جائے اور شیخ اس خطرے کو دل سے مٹا نہ سکے اور اس کی تعمیل پر مجبور ہو جائے۔ یہی خلافت اصلی ہے۔ اسے نیابت مطلقہ بھی کہتے ہیں۔ اور سجاد گی بھی۔ یہ شیخ کے حال، اس کے راز، اس کے سجادہ کا وارث، اس کے جملہ تبرکات کا مستحق اور اس کا قائم مقام ہوتا ہے۔[95]

[95] سید محمد ذوقی، سر دلبراں، ص ۱۹۴

ذکر

ذکر اللہ کی یاد، یاد الہٰی میں جمیع غیر اللہ کو دل سے فراموش کر کے حضور قلب کے ساتھ قرب ومیت حق تعالیٰ کا انکشاف حاصل رکھنے کی کوشش کو ذکر کہتے ہیں۔ چنانچہ ہر وہ چیز جس کے توسل سے یاد حق ہو خواہ اسم ہو یا رسم، فعل ہو یا جسم، کلمہ ہو یا نماز، تلاوت قرآن یا درود شریف یا ادعیہ یا کیفیات یا کوئی اور چیز جس سے مطلوب کی یاد ہو اور طالب ومطلوب میں رابطہ پیدا ہو یا بڑھے ،اصطلاح تصوف میں ذکر کے نام سے موسوم ہے۔ چنانچہ صوفی کے جملہ افعال واقوال واحوال جو کہ یاد حق سے خالی نہیں رہتے اذکار ہیں۔ ذکر کا کمال یہ ہے کہ ذاکر ومذکور کے درمیان سے جملہ حجابات اٹھ جائیں۔[96]

ذکر واذکار کی بے شمار اقسام ہیں۔ جن کی تفصیل کے لیے سلوک واذکار کی کتابوں کی جانب رجوع کرنا چاہیے۔ مگر مفید طریقہ ذکر وہی ہوتا ہے جو شیخ مرید کی نسبت سے اسے تعلیم فرماتا ہے۔ کتابوں سے اذکار ومشاغل اخذ کر کے اپنے طور پر انہیں کرنا بسا اوقات مضر ثابت ہوتا ہے۔[97]

چند اقسام کے اذکار کی اجمالی تشریح ذیل میں درج کی جاتی ہے:

ذکر لسانی

جو ذکر زبان سے کیا جائے اسے ذکر ناسوتی بھی کہتے ہیں

ذکر قلبی

جو ذکر دل سے کیا جائے اسے ذکر ملکوتی بھی کہتے ہیں، مقصود کا تصور دل میں جمانا اسے مراقبہ بھی کہتے ہیں۔

---

[96] سید محمد ذوقی، سر دلبراں، ص۲۰۸

[97] قاضی عبد الکبیر منصور پوری، فرہنگ اصطلاحات تصوف، ص۷۹

ذکر نفسی

تصور عقلی سے مقصود اصلی کی جانب بڑھنا۔ اسے فکر بھی کہتے ہیں۔

ذکر روحی

حق کا بجہت اسماء وصفات مشاہدہ کرنا۔ اسے ذکر جبروتی اور مشاہدہ بھی کہتے ہیں۔

ذکر لاھوتی

انوار تجلیات ذات بے جہت وبے مثل وبے مثال کا قلب سالک پر چمکنا۔ اسے ذکر سری اور معائنہ بھی کہتے ہیں۔

ذکر نفی اثبات	کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ کا ذکر کرنا
ذکر اسم ذات	اللہ کا ذکر
ذکر ملکوتی	الا اللہ کا ذکر
ذکر جبروتی	اللہ کا ذکر
ذکر لاہوتی	ھو ھو کا ذکر

ذکر مریضہ

مثل بیمار کے کرانے کی آواز نکالنا بوقت ذکر۔ حضرات سہروردیہ کی تعلیم بیشتر اسی طرح ذکر کرنے کی ہوتی ہے۔

ذکر محزونہ

غمناک آواز میں ذکر کرنا۔ حضرات قادریہ کی یہ خصوصیت ہے۔

ذکر عشقیہ

ذوق و شوق کے غلبہ کی آواز میں ذکر کرنا۔ یہ حضرات چشتیہ کی خصوصیت ہے۔

ذکر رابطہ

رابطہ شیخ کو قائم رکھنا حاضر و غائب۔ حضور میں رعایت ادب اور رضائے خاطر کے ساتھ اور غیبت میں نگہداشت تصور کے ساتھ۔

حکمت

وہ حکماء جو صوفیاء کی نگاہ میں مذموم ہیں، وہ لوگ ہیں جو اشیاء موجودہ کو بطریق استدلال بقدر طاقت بشری جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔[98] اور اپنے غلط علم یا اپنی محدود معلومات کے مطابق عمل کرنے پر مصر رہتے ہیں۔ برعکس ارباب تحقیق کے جو از روئے کشف حقائق تک پہنچنے کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔

زہد

زہد دراصل تھوڑی سی چیز پر قناعت کرنے کو کہتے ہیں۔ اس لیے زاہد عام طور پر اسے کہتے ہیں جو بقدر ضرورت تھوڑی دنیا پر قناعت کرے۔[99] حظ نفس کو چھوڑ دینا اور اس کے متعلقہ جملہ ارزوؤں سے دستبردار ہو جانا زہد کہلاتا ہے۔[100]

---

[98] سید محمد ذوقی، سر دلبراں، ص۷۷، ۱۸۱، ۳۲۰

[99] سید محمد ذوقی، سر دلبراں، ص۲۳۳

[100] قاضی عبد الکبیر منصور پوری، فرہنگ اصطلاحات تصوف، ص۸۸

فراست

دلوں کی باتوں یا لوگوں کے حالات پر اللہ کے نور سے آگاہ ہونا، [101]
فراست اللہ کا نور ہے جس سے مومن دیکھتا ہے اور فائدہ اٹھاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ڈرو تم مومن کی فراست سے کیونکہ وہ دیکھتا ہے اللہ کے نور سے۔ [102]

کشف

لغت میں کشف پردہ اٹھانے کو کہتے ہیں۔ اصطلاح صوفیا میں امور غیبی اور معانی حقیقی پر سے حجابات کا اٹھنا اور حقیقت ورائے حجاب پر وجودا اور شہودا اطلاع پانا کشف ہے۔ [103]

اس کی دو اقسام ہیں کشف صوری اور کشف معنوی [104]

کشف صوری

اس کا ادنی مرتبہ یہ ہے کہ خواب میں جو معاملات بندہ کے ساتھ پیش آئیں وہ بیداری میں بھی اس کے ساتھ پیش انے لگیں۔ کشف صوری میں بالعموم حواس خمسہ عالم مثال میں صورتوں کا ادراک کرتے ہیں۔ یہ ادراک کبھی بطور مشاہدہ کے ہوتا ہے جیسے اہل کشف انوار روحانی اور ارواح کی صورتوں کو متجسد دیکھتے ہیں۔ کبھی بطور سماع کے ہوتا ہے۔ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس وحی کو جو آپ پر نازل ہوتی تھی مسلسل کلام کی صورت میں سنتے اور گھنٹے کی سی آواز اور مکھیوں کی سی بھن بھناہٹ میں

شیخ شہاب الدین عمر ابو حفص سہروردی، عوارف المعارف ۶۴۱

[101] سید محمد ذوقی، سر دلبراں، ص ۹۰، ۳۲۷

[102] قاضی عبد الکبیر منصور پوری، فرہنگ اصطلاحات تصوف، ص ۱۳۲

[103] سید محمد ذوقی، سر دلبراں، ص ۳۴۶، ۳۴۱

[104] قاضی عبد الکبیر منصور پوری، فرہنگ اصطلاحات تصوف، ص ۱۴۱

اُسے پاتے تھے۔[105] کبھی وہ کشف نفحات الٰہی اور شمائم ربانی کو سونگھنے کے طور پر ہوتا ہے۔ جیسے کہ حدیث میں آیا ہے کہ تمہارے دہر کے دنوں میں اللہ تعالیٰ کے بہت نفحات اور خوشبوئیں ہیں۔ ہوشیار رہو اور ان کو لو اور دریافت کرو، یا جیسے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نفس رحمان کو یمن کی جانب پاتا ہوں۔ کبھی وہ کشف بطور ملامست کے ہوتا ہے اور ملامست دو انوار یا دو اجسام کا آپس میں ملنا مراد ہے جیسے کہ عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روآیت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے حق سبحانہ وتعالیٰ کا بہت ہی اچھی اور خوبصورت شکل میں دیکھا اور اللہ نے مجھ سے فرمایا کہ محمد ملاء اعلیٰ کس چیز میں جھگڑتے ہیں۔ میں نے دوبار کہا کہ رب انت اعلم یعنی اے میرے رب مالک تو ہی خوب جانتا ہے۔ پھر حق تعالیٰ نے اپنی ہتھیلی کو میرے دونوں مونڈھوں کے درمیان رکھ دیا اور میرے سینہ میں اس ہاتھ کی خنکی ظاہر ہوئی پھر میں نے آسمان اور زمین کی سب چیزوں کو جان لیا پھر آپ نے اس آیت کو پڑھا

وَ كَذٰلِكَ نُرِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لِیَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ[106]

اور اس طرح ہم دکھائیں گے ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی وسعتوں کا محکوم ہونا اور یہ اس لیے ہوگا کہ وہ ان میں سے سمجھا جائے جو دیکھ کر یقین کرنے والے ہوتے ہیں۔

کبھی وہ کشف بطریق ذائقہ کے ہوتا ہے جیسے کوئی شخص مختلف اقسام کے کھانوں کو دیکھتا ہے یا دیکھتا بھی ہے اور کھاتا بھی ہے تو اسے معانی غیبیہ پر اطلاع ہوتی ہے۔ جیسے کہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ

میں نے اپنے آپ کو دودھ پیتے دیکھا یہاں تک کہ سیری میری ناخنوں سے ظاہر ہوئی پھر میں نے آپنا اُلش عمر کو دیا پھر میں نے اس کی تعبیر علم سے کی۔[107]

---

[105] سید محمد ذوقی، سر دلبراں، ص۳۴۶، ۳۴۱

[105] قاضی عبدالکبیر منصور پوری، فرہنگ اصطلاحات تصوف، ص۱۴۱[105]

[106] االنعام:۷۵

[107] سید محمد ذوقی، سر دلبراں، ص۳۴۶، ۳۴۱

[107] قاضی عبدالکبیر منصور پوری، فرہنگ اصطلاحات تصوف، ص۱۴۱

کبھی اقسام متذکرہ بالا میں سے چند اقسام کی صورتیں آپس میں مجتمع ہو کر ایک ہی وقت میں پیش آتی ہیں۔ یہ جملہ اقسام تجلیات اسماء سے ہیں۔ کیونکہ شہود رب تعالی کے اسم بصیر کی تجلی ہے۔ سماع اسم سمیع کی تجلی ہے و علی ہذا القیاس۔ اور یہ جملہ تجلیات اسم علیم کے آستانہ سے ہیں۔ یعنی اسم علیم کا فیضان جو بصر و بصیرت کے ذریعے پہنچتا ہے وہ شہود ہے اور جو سمع کے ذریعہ سے پہنچتا ہے وہ سماع ہے و علی ہذا القیاس۔

کشف کونی یعنی کشف صوری کی وہ انواع جن سے مغیبات دنیوی پر اطلاع یابی ہوتی ہے خلاف شرع لوگوں کیلئے خلاف استدراج بن جاتی ہے۔ مجاہدات و ریاضات کے سبب سے جوگیوں اور رراہبوں وغیرہ کا اس نوع کا کشف ہونے لگتا ہے۔ اہل سلوک ایسی باتوں کی طرف التفات نہیں کرتے کیونکہ ان کی ہمت عالی ہوتی ہے اور اموری دنیوی پر نہیں ٹھرتی۔ وہ حقیر اور بیکار چیزوں کی دریافت پر تضیع اوقات نہیں کرتے بلکہ ان قوتوں سے آخرت کا کام لیتے ہیں اور آخرت ہی کے متعلق امور دریافت کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ بعض حضرات تو ایسے اولوالعزم اور عالی ہمت ہوتے ہیں اور اتنا بلند نصب العین رکھتے ہیں کہ اُمور اخروی کی جانب التفات نہیں کرتے بلکہ ان کا تنہا مقصد فنا فی اللہ اور بقاء بالحق ہوتا ہے۔ یہ حضرات عارف اور محقق اور موحد ہوتے ہیں۔ یہ اللہ کی ہستی کے ساتھ قائم رہتے ہیں اور جملہ عوالم میں ہر مظہر کو اللہ ہی کا مظہر جانتے ہیں۔ دوئی اور غیریت اُن سے اٹھ جاتی ہیں۔ کسی چیز کو یہ حق تعالیٰ کا غیر نہیں سمجھتے۔ ہر چیز میں یہ تجلیؒ الہیٰ پاتے ہیں اور ہر چیز کو اس کی منزلت پر رکھتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے حق میں اس قسم کا کشف استدراج نہیں ہوتا۔ استدراج صرف اُن کے لیے ہوتا ہے جو حق تعالیٰ سے دور ہیں اور امر خسیس پر قناعت کیے بیٹھے ہیں اور دنیا میں جاہ و منصب کے حصول کا ان باتوں کو ذریعہ بنانا چاہتے ہیں۔[108]

مکاشفات کے بھی مدارج ہیں۔ بعض مکاشفات صوری ہوتے ہیں۔ بعض معنوی۔ اور بعض صوری اور معنوی دونوں کے جامع۔ بعض اہل کشف کے لیے چند حجابات اٹھتے ہیاں اور بعض کے لیے جملہ حجابات اٹھ جاتے ہیں۔

---

[108] سید محمد ذوقی، سر دلبراں، ص،۳۴۶

[108] قاضی عبدالکبیر منصورپوری، فرہنگ اصطلاحات تصوف، ص ۱۴۱

کشف معنوی

حقائق کی صورتوں سے مجرّد ہوتا ہے۔ یہ کشف اسم علیم اور اسم حکیم کی تجلیات سے حاصل ہوتا ہے۔ اس میں معانی غیبیہ اور حقائق مغیبیہ اچانک ظہور کرتے ہیں۔ اس کے بعد بھی چند مراتب ہیں۔ پہلا مرتبہ یہ ہے کہ قوت فکریہ میں معانی بغیر ترکیب و ترتیب مقدمات اور بغیر اس کے کہ قیاسات سے کام لیا جائے، خود بخود ظاہر ہوتے ہیں بلکہ ذہن مطالب سے مبادی کی جانب منتقل ہوتا ہے۔ پھر یہ معانی قوت عاقلہ میں ظہور کرتے ہیں اور قوت عاقلہ مقدمات و قیاسات کو استعمال کرتی ہے۔ روح میں ایک قوت خاص ہے جسے نور قدس کہتے ہیں۔ جسم سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ کشف معن ی اس نور کی چمک سے ہوتا ہے۔ قوت فکریہ کو چونکہ جسم سے تعلق ہے، نور قدس کے لیے یہ قوت حجاب بن جاتی ہے اور معانی غیبیہ کی بجلی کی چمک کو نہیں دیکھنے دیتی۔ کشف سے مراد یہ ہوتی ہے کہ صاحب کشف کو بعض امور خاص پر اطلاع ہو جائے۔ نہ یہ کہ کل امور اس پر ظاہر ہو جائیں۔

وجد

احوال صادقہ جو قلب پر اس وقت وارد ہوں جبکہ قلب شہود میں فانی ہو[109]۔[110]

واردات غیبی ہے جو طالب حق کے باطن کو التفات مزید کے حصول کی امید سے ہے یا اس کے فوت ہونے کے خوف سے یا لذت سرور سے یا تکلیف حزن و ملال سے متاثر کرتی ہے۔

بغیر کسی ارادہ اور کوشش کے قلب پر کسی حالت کے طاری ہونے کا نام وجد ہے۔ امور دنیا میں نفس کی مخالفت اور عقل کی مطابق سے فوائد حاصل کر کے جس طرح انسان لطف زندگی حاصل کرتا ہے، اسی طرح معاملات روحانی میں بھی نفس کی مخالفت اور اوامر و نواہی الٰہی کی پیروی سے جو فتوحات حاصل ہوتی ہیں ان سے جو لذتیں اچانک قلب پر وارد ہوں انہیں وجد کہتے ہیں۔ اختیار

---

[109] سید محمد ذوقی، سر دلبراں، ص۲۶۹، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۹۳

[110] قاضی عبد الکبیر منصور پوری، فرہنگ اصطلاحات تصوف، ص ۱۷۰

اور تکلف سے وجد کو طلب کرنا تواجد ہے۔ اسے کبھی تو کسی خاص ضرورت سے مثلاً تعلیم ناقصاں کے لیے کوئی خاص کیفیت پیدا کرنے کی غرض سے کیا جاتا ہے اور کبھی اس حکم کی تعمیل میں تواجد عمل میں لایا جاتا ہے کہ

ابکو فان لم تبکو فتباکو[111]

یعنی رووء اگر رونہ سکو تو رونی صورت بناؤ

گویا وجد کے معنی نہ پاسکو تو وجد کی سی صورت ہی بنالو اور اس طرح اپنے تیئں حصول وجد کا طالب گردانو۔ لیکن ریا اور نمائش کی غرض سے تواجد بہر صورت مضموم ہے۔

وجد کے معنی پالینے کے ہیں اور وجود سے یہاں مراد یہ ہے کہ ظہور حقیقت میں بندہ بالکل فنا ہو جائے۔

صاحب تواجد مثل دریا کے دیکھنے والے کے ہیں۔

صاحب وجد مثل اس کے ہے جو دریا پر سوار ہو۔

صاحب وجود مثل اس کی ہے جو دریا میں غرق ہو۔

صاحب وجود دو حالتوں میں کروٹیں بدلتا رہتا ہے۔ کبھی محو میں، کبھی صحو میں۔ محو میں مشاہدہ حق میں بالکل فنا ہو جاتا اور حس و فہم و علم و عقل سے اسے کوئی تعلق نہیں رہتا۔ صحو میں جو کچھ سنتا اور دیکھتا ہے حق تعالیٰ ہی کے وسیلے سنتا دیکھتا ہے۔ پہلی حالت فنا فی اللہ کی ہے اور دوسری بقاباللہ کی۔

---

[111] اَاحمد، امام احمد بن حنبل، مسند احمد بن حنبل حدیث، 292

بیعت

اپنی جان اور اپنے مال کو خدا کے ہاتھ فروخت کر دینا اصل بیعت ہے۔[112] حقیقتاً سب کچھ حق تعالیٰ ہی کا ہے۔ جان بھی اسی کی ہے۔ جسم بھی اسی کا ہے اور مال بھی اسی کا ہے۔ بندہ جب خدا کی ملکیت پر چھاپہ مارتا ہے۔ خدا کے ملک کو اپنی چیز سمجھنے لگتا ہے اور اپنے نفس کی خواہش کے مطابق اس کے جا و بیجا استعمال میں مصروف ہو جاتا ہے تو وہ اپنے بادشاہ حقیقی کی مملکت میں مقید ہونے کے باوجود اس مالک عرض و سماء کے خلاف گویا عالم بغاوت بلند کرتا ہے۔ لیکن جب وہ اپنی اس غلطی سے متنبہ ہوتا ہے، جب اس سرکشی اور بغاوت سے نادم ہو کر اپنے خیال اور اپنی روش کی وہ اصلاح کرتا ہے، جب اپنے دل میں ہر چیز کو وہ خدا کی ملکیت سمجھنے لگتا ہے اور ایک فرمانبردار عبد کی طرح حق تعالیٰ کے رضا کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتا ہے اور اپنے اس تغیر حال کے متعلق جملہ شرائط ضروری کو پورا کرنا شروع کرتا ہے تو اس رجوع اللہ کو بیعت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔[113]

کوئی چیز کسی کو پیش کی جاتی ہے اور اس کے بدلہ میں دوسری چیز لی جاتی ہے تو اس لین دین کو بیع کے نام سے پکارتے ہیں۔ بندہ اپنے غلط خیال سے تائب ہوتا ہے۔ اپنے اعضاء و جوارح کو بخوشی و بہ رضاء و رغبت الی اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر کمربستہ ہو جاتا ہے تو اس کے بدلے میں اللہ کی خوشنودی اور رضامندی حاصل کرتا ہے۔ اس لین دین کو اللہ تعالیٰ بھی خرید و فروخت کے نام سے موسوم فرماتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ

بے شک اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور مال خرید لیے ہیں ان کے لیے بدلے میں جنت ہے

---

[112] سید محمد ذوقی، سر دلبراں، ص ۱۱۶، ۱۲۰

[113] قاضی عبد الکبیر منصور پوری، فرہنگ اصطلاحات تصوف، ص ۳۷

صورت بیعت

خرید و فروخت کی تکمیل کے لیے صرف نیت ہی کافی نہیں۔ فروخت کرنے والے کا صرف دل میں خیال کر لینا کہ میں فلاں چیز فلاں شخص کے ہاتھ فروخت کروں گا اور خریدنے والے کا صرف دل ہی میں خیال کر لینا کہ میں فلاں چیز فلاں شخص کے خریدوں گا اور اس کی یہ قیمت دوں گا، خرید و فروخت کے عمل میں آنے کے لیے کیونکر کافی ہو سکتا ہے، جب تک کہ ان خیالات کا اظہار نہ ہو اور ان پر عمل کا جامہ نہ پہنایا جائے۔ جان و مال کو اللہ کے ہاتھ فروخت کرنے کے لیے بھی صرف نیت کافی نہیں بلکہ عمل کے ذریعے اس نیت کے اظہار کی ضرورت ہے۔ دنیا میں کسی زمین یا مکان یا گاؤں کی خرید و فروخت کے لیے کس قدر طول طویل کاروائیوں کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ جیسی برتر ہستی کے ساتھ جان و مال جیسی بیش بہا چیز کا معاملہ طے کرنا بچوں کا کھیل نہیں جو بلا پابندی آداب و شرائط ضروری طے پایا جائے۔ بلکہ یہ نہایت مہتم بالشان معاملہ ہے جسے انتہا درجہ کی سنجیدگی اور اعلیٰ درجہ کے اہتمام اور نہایت پختہ عزم بالجزم کے ساتھ عمل میں لانے کی ضرورت ہے۔ حق تعالیٰ کے ساتھ یہ بیع ہمیشہ اس برگزیدہ شخص کی وساطت سے عمل میں آتی ہے جو اس سنجیدہ اور مہتم بالشان معاملہ میں وسیلہ بننے کا مجاز ہو:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَ جَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ[114]

اے ایمان والو ڈرو اللہ سے اور ڈھونڈو اس کی طرف وسیلہ اور جہاد کرو اس کی راہ میں تا کہ تم کامیاب ہو

یہ بیعت جب کہ صحیح شخص کے ہاتھ پر پورے آداب و شرائط کے ساتھ کی جاتی ہے تو وہ سلسلہ بس سلسلہ پیغمبر خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچتی ہے اور خدا پر جا کر منتہی ہوتی ہے۔ اور جب بیعت کرنے والا اپنے عہد پر آخرت تک قائم رہتا ہے تو حق تعالیٰ کی بارگاہ سے نوازا جاتا ہے اور بہت بڑا اجر پاتا ہے لیکن اگر اپنے عہد کو توڑ دیتا ہے تو خود ہی خسارہ اٹھاتا ہے۔

[114] المائدۃ:۳۵

بیعت کا حکم

بعض لوگوں کے نزدیک بیعت واجب ہے۔ مگر گروہ کثیر کے نزدیک بیعت سنت ہے۔اور حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ سے لے کر اس وقت تک متواتر اور متوارث چلی آرہی ہے۔

باب چہارم: آیات قرآنیہ سے اصطلاحات تصوف کا استنباط

فصل اول: ایمانیات سے متعلقہ اصطلاحات تصوف کا استنباط

فصل دوم: اخلاقیات کے ساتھ متعلقہ اصطلاحات تصوف کا استنباط

فصل سوم: معاملات کے ساتھ متعلقہ اصطلاحات تصوف کا استنباط

فصل اول:

ایمانیات سے متعلقہ اصطلاحات تصوف کا استنباط

علم الیقین

وہ علم یقینی جو دلائل و براہین سے حاصل کیا گیا ہو بعض اوقات اعیان ثابتہ کی جانب بھی اس سے اشارہ کیا جاتا ہے۔[115]

عین الیقین

جب مشاہدہ میں کوئی بات آجائے تو وہ عین الیقین کی حد تک پہنچ جاتی ہے۔ اس کو مقام وحدت بھی کہتے ہیں۔[116]

حق الیقین

مقام احدیت[117] یعنی جب کسی سالک کو اللہ تعالی کا قرب حاصل ہو جائے اور اس کو فنا کا مقام حاصل ہو جائے۔

استنباط

علامہ غلام رسول سعیدی نے قرآن مجید کی آیات مبارکہ

كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ[118]

---

[115] سید محمد ذوقی، سر دلبراں، ص ۳۲۲،

[116] سید محمد ذوقی، سر دلبراں، ص ۳۲۲،

[117] سید محمد ذوقی، سر دلبراں، ص ۳۲۲،

[118] التکاثر: ۵، ۴، ۳، ۲

ہر گز نہیں تم عنقریب جان لو گے پھر ہاں تو تم عنقریب جان لو گے ہر گز نہیں بہتر ہو تا کہ تم ایسے جانتے کہ تمہارا علم الیقین کی حد تک محدود ہو جاتا

اور

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ-كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَ تَسْبِيْحَهٗ-وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ[119]

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ ہی کی تسبیح کرتے ہیں جو آسمانوں میں اور زمین میں ہیں اور پر پھیلائے پرندے پر ایک نے اپنی نماز اور تسبیح جان رکھی ہے اور اللہ خوب جانتا ہے جو وہ کرتے ہیں۔

کی تفسیر میں علم الیقین عین الیقین اور حق الیقین کے حوالے سے سیر حاصل بحث کی وہ لکھتے ہیں کہ

کسی خبر کو سن کر یا دلائل میں غور و فکر کر کے جو یقین حاصل ہو اسے علم الیقین کہتے ہیں۔[120]

اور کسی چیز کو دیکھ کر جو یقین حاصل ہو اس کو عین الیقین کہتے ہیں۔[121]

اور تجربہ سے جو یقین حاصل ہو اس کو حق الیقین کہتے ہیں۔[122]

---

[119] النور:۴۱

[120] سعیدی، علامہ غلام رسول سعیدی، تبیان القرآن، ناشر فرید بک سٹال لاہور، مطبوعہ ۲۰۰۵، جلد ۸، ص ۱۵۲

[120] علامہ غلام رسول سعیدی، تبیان القرآن، جلد ۱۲، ص ۹۶۳

[121] علامہ غلام رسول سعیدی، تبیان القرآن، جلد ۸، ص ۱۵۲

[121] علامہ غلام رسول سعیدی، تبیان القرآن، جلد ۱۲، ص ۹۶۳

[122] علامہ غلام رسول سعیدی، تبیان القرآن، جلد ۸، ص ۱۵۲

[122] علامہ غلام رسول سعیدی، تبیان القرآن، جلد ۸، ص ۹۶۳

جیسے ہم حضرت محمد صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی ختم نبوت اور رسالت پر یقین رکھتے ہیں یہ علم الیقین ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین کو جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ختم نبوت اور رسالت پر یقین تھا وہ عین الیقین ہے۔ اور حضرت محمد مصطفی صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ سلم کو جو خود اپنی ختم نبوت اور رسالت پر یقین ہے وہ حق الیقین ہے[123]۔

علامہ ابو الحسنات سید محمد احمد قادری نے قرآن مجید کی آیات مبارکہ

كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ[124]

ہرگز نہیں تم عنقریب جان لوگے پھر ہاں تو تم عنقریب جان لوگے ہرگز نہیں بہتر ہوتا کہ تم ایسے جانتے کہ تمہارا علم الیقین کی حد تک محدود ہو جاتا

کی تفسیر میں علم الیقین عین الیقین اور کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ

بعض علمائے کرام کا قول ہے کہ علم الیقین سے مراد بحث بدل موت کا عقیدہ ہے۔[125]

اور بعض کا قول ہے یقین سے مراد وہ علم مستند ہے جس میں شک نہ ہو۔

اور اصطلاح میں یقین سے مراد کسی شے پر عقیدہ ہے۔

راغب اصفہانی رحمۃ اللہ تعالی علیہ کا قول ہے یقین علم کی صفتوں میں سے ہے جو معرفت اور درآیت سے بڑھ کر افضل و برتر ہے اور ان دونوں کے مجموعہ کو علم الیقین کہتے ہیں۔[126]

ایک قول یہ ہے کہ علم الیقین وہ ہے جو کسی شے کے ادراک اس پر بطور دلیل حاصل ہوتا ہے۔ جیسا کہ ہر عاقل کو موت کا علم ہے۔

تفسیر مظہری میں قاضی ثناءاللہ رحمۃ اللہ تعالی علیہ کا قول ہے کہ علم الیقین ایمان بالغیب ہے جو استدلال سے حاصل ہوتا ہے۔

---

[123] علامہ غلام رسول سعیدی، تبیان القرآن، جلد ۸، ص ۱۵۲

[124] التکاثر: ۵، ۴، ۳، ۲

[125] علامہ ابو الحسنات، علامہ ابو الحسنات سید محمد احمد قادری، ضیاء القرآن پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۲۳ تفسیر حسنات، جلد ۷، ص ۵۲۹

[126] علامہ ابو الحسنات سید محمد احمد قادری، تفسیر حسنات، جلد ۳، ص ۵۲۹

واضح مفہوم یہ ہے کہ اگر تمہیں آخرت کا یقینی علم ہو تا تو تم پھر سے مال وغیرہ میں مبتلا ہو کر آخرت سے غافل نہ ہوتے۔ راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے رویت ومشاہدہ اور کشف سے جو علم حاصل ہو وہ عین الیقین ہے۔[127]

مولانا مفتی میں شفیع نے قرآن مجید کی آیات مبارکہ

كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ[128]

ہر گز نہیں تم عنقریب جان لوگے پھر ہاں تو تم عنقریب جان لوگے ہر گز نہیں بہتر ہو تا کہ تم ایسے جانتے کہ تمہارا علم الیقین کی حد تک محدود ہو جاتا

عین الیقین کے حوالے سے تحریر کیا کہ

عین الیقین سے مراد وہ یقین ہے کہ جو کسی چیز کے مشاہدہ کے بعد حاصل ہو تا ہے۔[129] اور یہ سب سے اعلی درجہ کا یقین ہے۔

تفسیر مظہری کے حوالے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے فرمایا کہ حضرت موسی علیہ السلام جب کوہ طور پر تشریف لیکر گئے اور ان کے پیچھے ان کی قوم نے گوسالہ پرستی شروع کر دی تو اللہ تعالی نے ان کو وہیں کوہ طور پر خبر کر دی تھی کہ تمہاری قوم اس وبال میں مبتلا ہو گئی ہے۔ مگر موسی علیہ السلام پر اس خبر سے اتنا اثر نہیں ہوا جتنا اس وقت ہوا جب واپس پہنچ کر انہوں نے بنی اسرائیل کی گوسالہ پرستی آنکھوں سے دیکھی اس کا اثر یہ ہوا کہ بے اختیار ہو کر لواح تورات ہاتھ سے چھوڑ دیں۔ [130]

علامہ ابو محمد عبد الحق حقانی نے قرآن مجید کی آیات مبارکہ

كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ[131]

---

[127] علامہ ابو الحسنات سید محمد احمد قادری، تفسیر حسنات، جلد ۳، ص ۵۳۰

[128] التکاثر: ۵، ۴، ۳، ۲

[129] مولانا شفیع، مولانا مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، سروسز بک کلب راولپنڈی، ۲۰۰۶، جلد ۸، ص ۸۱۰

[130] مولانا شفیع، مولانا مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، جلد ۸، ص ۸۱۰

[131] التکاثر: ۵، ۴، ۳، ۲

ہر گز نہیں تم عنقریب جان لوگے پھر ہاں تو تم عنقریب جان لوگے ہر گز نہیں بہتر ہو تا کہ تم ایسے جانتے کہ تمہارا علم الیقین کی حد تک محدود ہو جاتا

کی تفسیر میں علم الیقین عین الیقین اور حق الیقین کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ

علم کے تین مرتبے ہیں[132]

1. علم الیقین کہ جیسے کسی نے دریا کو آنکھ سے دیکھا۔
2. عین الیقین کے اس کے کنارے پر پہنچ کر پانی کا چلو بھر لیا۔
3. حق الیقین کے دریا میں غوطہ لگایا۔

خلاصہ

صوفیا کے نزدیک علم الیقین دلائل و براہین سے حاصل کیا جاتا ہے اور بعض اوقات اس پر اعیان ثابتہ سے اشارہ ہوتا ہے اور جب کوئی بات مشاہدے میں آجائے اس کو عین الیقین یا مقام وحدت بھی کہتے ہیں اور جب آپ کو وہ مقام حاصل ہو جائے کہ جو آپ کو کشف کی طرف لے جائے وہ حق الیقین کہلاتا ہے۔ جبکہ مفسرین نے اس کو یوں لکھا ہے کہ جب کسی خبر یا دلیل کو سن کر کوئی علم حاصل ہو علم یقین ہے جب کسی چیز کو دیکھ کر یقین حاصل ہو وہ عین الیقین ہے اور جب تجربہ سے کوئی علم حاصل ہو تو وہ حق الیقین ہے۔

صراط مستقیم

وہ راستہ جو کشف کی طرف لے جائے[133]

---

[132] علامہ حقانی، علامہ ابو محمد عبد الحق حقانی، تفسیر حقانی، دار الاشاعت، لاہور، ۲۰۱۳ جلد ۲، ص ۶۰۸

[133] سید محمد ذوقی، سر دلبراں، ص ۲۹۰،

[133] قاضی عبد الکبیر منصور پوری، فرہنگ اصطلاحات تصوف، ص ۱۱۴

یعنی وہ راستہ یا طریقہ جس پہ عمل کر کے یا جس پہ چل کر کوئی سالک وہ مقام حاصل کر لے کہ اس پر چیزیں منکشف ہونے لگ جائیں، وہ صراط مستقیم کہلاتا ہے۔

سورۃ فاتحہ میں جس پر چلنے کی دعا اور تلقین ہے۔[134] مشہد احدی (مشہد کا معنی حاضر ہونے کی جگہ[135])

استنباط

علامہ غلام رسول سعیدی نے قرآن مجید کی آیت مبارکہ

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ[136]

تو چلا ہمیں سیدھی راہ۔

کی تفسیر میں صراط مستقیم لغوی معنی، شرعی معنی اور مفہوم لکھا کہ

دو نقطوں کو ملانے والے سب سے چھوٹے خط کو لغت میں صراط مستقیم کہتے ہیں۔[137]

اور شریعت میں صراط مستقیم سے مراد وہ عقائد ہیں جو سعادت دارین تک پہنچاتے ہیں۔[138]

یعنی وہ دین اسلام جس کو دے کر تمام انبیاء اور رسول کو مبعوث کیا گیا اور ان تمام کی نبوت اور رسالت کو حضرت سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت پر ختم کر دیا گیا۔

جس دین سے اللہ اور اس کے رسول کی صحیح معرفت ہو اور تمام احکام شرعیہ کا علم ہو وہ صراط مستقیم ہے۔ یہ صراط مستقیم کا خاص معنی ہے اور اس کا عام معنی یہ ہے کہ تمام اخلاق اعمال اور امور میں افراط اور تفریط کے درمیان متوسط طریقہ۔

انھوں نے عوام اور خواص کا صراط مستقیم کہنے سے الگ الگ مراد لیا ہے۔

---

[134] قاضی عبد الکبیر منصور پوری، فرہنگ اصطلاحات تصوف، ص، ص ۱۱۴

[135] قاضی عبد الکبیر منصور پوری، فرہنگ اصطلاحات تصوف، ص ۱۱۴

[136] الفاتحہ: ۵

[137] علامہ غلام رسول سعیدی، تبیان القرآن، جلد ۱، ص ۲۲۰

[138] علامہ غلام رسول سعیدی، تبیان القرآن، جلد ۱، ص ۲۲۰

1. خواص جب صراط المستقیم کہتے ہیں تو اس کا معنی یہ ہے کہ اے اللہ ہمیں سیر الی اللہ کے بعد سیر فی اللہ عطا فرما اور ہم پر اپنے جمال اور جلال کی صفات غیر متناہیہ منکشف کر دے۔
2. اور جب عوام اھدنا صراط المستقیم کہتے ہیں تو اس کا معنی ہے اے اللہ ہمیں اپنے تمام احکام پر عمل کی توفیق عطا فرما۔

علامہ ابو الحسنات سید محمد احمد قادری نے قرآن مجید کی آیت مبارکہ

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ[139]

تو چلا ہمیں سیدھی راہ۔

کی تفسیر میں صراط مستقیم کے حوالے سے لکھا کہ

یہ وہ راستہ ہے جو ارسال رسل کرام اور انزال کتب الہیہ سے متحقق ہوتا ہے۔[140]

علامہ ابو محمد عبد الحق حقانی نے قرآن مجید کی آیت مبارکہ

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ[141]

تو چلا ہمیں سیدھی راہ۔

کی تفسیر میں صراط مستقیم کے حوالے سے لکھا کہ

صراط مستقیم سے مراد درمیانی راستہ ہے۔ اور اس سے مراد یہ بھی کہ نہ افراط کا شکار ہوا جائے نہ تفریط کا اور درمیانی راستہ جو تیسرا راستہ بنے گا اس پہ عمل کیا جائے گویا صراط مستقیم وہ ہے کہ جس پر چلنے سے نیک نتیجہ پیدا ہو اور وہ خدا تعالی کی نعمت ہے[142]۔
اور خدا تعالی کی اس سے رحمت حاصل ہو اور صراط مستقیم انہی لوگوں کو حاصل ہوا اور انعام انہی لوگوں پر ہوا جو انبیاء ہیں صدیقین ہیں شہداء اور صالحین ہیں۔

مولانا مفتی میں شفیع نے قرآن مجید کی آیت مبارکہ

---

[139] الفاتحہ:۵

[140] علامہ ابو الحسنات سید محمد احمد قادری، تفسیر حسنات، جلد ا، ص ۱۱۲

[141] الفاتحہ:۵

[142] علامہ ابو محمد عبد الحق حقانی، تفسیر حقانی، جلد ا، ص ۲۵۷

اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ[143]

تو چلا ہمیں سیدھی راہ۔

کی تفسیر میں صراط مستقیم کے حوالے سے لکھا کہ

وہ سیدھا راستہ کے جس میں موڑ نہ ہو[144]

اس سے مراد دین کا وہ راستہ جس میں نہ افراط ہو نہ تفریط۔ افراط کے معنی حد سے آگے بڑھنا اور تفریط کے معنی کو تاہی کرنا۔ دو آیات قرآنیہ میں اللہ تعالی نے صراط مستقیم کن لوگوں کا راستہ ہے وہ بھی بتا دیا۔

صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ[145]

ان لوگوں کی راہ جنہیں تو نے

فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰہُ عَلَیۡہِمۡ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیۡقِیۡنَ وَ الشُّہَدَآءِ وَ الصّٰلِحِیۡنَ ۚ[146]

تو ایسوں کو ہی ان لوگوں کی معیت ملے گی جن پر اللہ نے انعام فرمایا یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور نیکوکار۔

گویا صوفیا کے نزدیک صراط مستقیم وہ راستہ ہے جو کسی شخص کو کشف کی طرف لے جائے جب کوئی شخص کشف کے منازل طے کرتا ہے کر لے جن جس راستے کی وجہ سے وہ راستہ صراط مستقیم کہلاتا ہے لیکن مفسرین نے اس کو یوں لیا ہے کہ وہ عقائد جو صادق دارین تک پہنچاتے ہو یا وہ راستہ جو اللہ اور اس کے رسول کی اس سے معرفت حاصل ہو وہ راستہ صراط مستقیم ہے اس کا عام فہم میں زبان اس کا تار ترجمہ یوں کیا گیا کہ جس میں دین کے معاملات میں نہ افراد کا شکار ہو اجائے نہ تفریط کا شکار ہو اجائے وہ صراط مستقیم کہلاتا ہے اور کچھ مفسرین نے لکھا کہ انعام یافتہ لوگوں کا راستہ صراط مستقیم ہے اور انعام یافتہ لوگ صدیق شہداء انبیاء صالحین ہیں۔

مفتی احمد یار خان نعیمی نے قرآن مجید کی آیت مبارکہ

---

[143] الفاتحہ:۵

[144] مولانا مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، جلد ۱، صفحہ ۹۱

[145] الفاتحہ:۶

[146] النساء:۶۹

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ[147]

توچلا ہمیں سیدھی راہ۔

کی تفسیر میں صراط مستقیم کے حوالے سے لکھا کہ

اھد ہدایت سے بنا ہے جس کے معنی ہیں رہبری کرنا، یا منزل مقصود کا پتہ نشان دینا۔[148]

ہدایت دو طرح کی ہوتی ہے ایک وقت راستہ دکھا دینا دوسرا مقصود پر پہنچا دینا۔

مفتی صاحب لکھتے ہیں کہ صوفیائے کرام کے نزدیک صراط مستقیم کی چند تفسیریں ہیں[149]

1. ایک یہ کہ صراط مستقیم وہ راستہ ہے جو محبت اور عقل دونوں کو جامع ہو جس کا نام ہے سلوک کیونکہ محض عقل جو عشق الہی سے خالی ہو بے دین ہے اور محض عشق جس میں عقل قائم نہ رہے جذب ہے ان دونوں راستوں میں افراط و تفریط ہے اور رب تعالی کی محبت بھی کامل ہو عقل بھی باقی ہو یا سلوک ہے وہی جگہ کا مطلب ہے سالک مجوب سے اعلی ہے موسی علیہ السلام تجلی صفات دے کر بے ہوش ہو گئے یہ جذب ہوا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم معراج میں عین ذات کو دیکھ کر تبسم ہی فرماتے رہے یہ سلوک ہوا۔

2. دوسرا یہ کہ جو راستہ ذات الہی تک پہنچا دے وہ صراط مستقیم ہے اس کے علاوہ اور راستے افراط و تفریط سے خالی نہیں یہ حضرات فقط جنت پر قناعت نہیں کرتے جو حوروں قصور پر صبر نہیں کرتے یہ تو اس راستے کو ڈھونڈتے ہیں جس کی یہ منزلیں ہیں گویا یہ کہا جا رہا ہے اے اللہ راستے بہت سے ہیں اور ادھر بلانے والے مختلف ذوق کے لوگ ہیں شیطان اور راستے کی طرف دے رہا ہے نفس اور طرف کھینچ رہا ہے دشمن کہیں اور لے جانا چاہتا ہے دوست کہیں اور پہنچانے کی تمنا رکھتے ہیں لیکن مولا ہم تو اس راستے کے طالب ہیں جو تجھ تک پہنچا دے وہ راستہ وہی ہے جس میں انسان راضی بارضا رہے۔

---

[147] الفاتحہ:۵

[148] مفتی احمد یار خان نعیمی، تفسیر نعیمی، ج۲، ص۹۱

[149] مفتی احمد یار خان نعیمی، تفسیر نعیمی، ج۲، ص۹۴

3. علماء کرام کے نزدیک اچھے عقیدے قلب کا سیدھا راستہ ہیں۔ اور نیک اعمال غالب کا صراط مستقیم جو مومن کو جنت تک پہنچاتے ہیں۔

4. صوفیاء کرام کے نزدیک سلسلہ مشائخ ان کو اللہ تک پہنچاتا ہے۔[150]

خلاصہ

صوفیاء کے نزدیک جو راستہ کشف کی طرف لے جائے وہ صراط مستقیم ہے یعنی کوئی سالک جب ایسے طریق کو اختیار کرے کہ جس سے اس پر چیزیں منکشف ہونے لگ جائیں وہ صراط مستقیم کہلاتا ہے۔ جبکہ مفسرین کے نزدیک احکام شریعہ پر عمل کرنا صراط مستقیم کہلاتا ہے اور کچھ کے نزدیک وہ تمام امور جن کو اللہ تعالی نے نازل فرمایا اور رسولوں نے جن کا ابلاغ کیا وہ صراط مستقیم ہیں۔ کچھ نے کہا کہ وہ سلسلہ مشائخ جو سالکین کو اللہ رب العزت تک پہنچاتا ہے صراط مستقیم کہلاتا ہے۔

الہام

وہ چیز جو بطریق استدلال حاصل نہ کی گئی ہو بلکہ قلب سالک پر حق تعالیٰ کی جانب سے یقین کامل کے ساتھ وارد ہوئی ہو الہام کہلاتی ہے اسے القا ہے یا وحی بھی کہتے ہیں۔[151] یعنی وہ چیزیں جو انسان کو دلائل سے حاصل نہ ہوں بلکہ اللہ تعالی کی طرف سے کسی شخص کے دل پر اللہ پاک کی طرف سے وارد ہوئی ہوں تو وہ الہام کہلاتی ہیں۔

ابتدا سالک کے قلب پر خطرات رحمانی وارد ہوتے ہیں۔ انتہا میں جا کر حق تعالیٰ سے مکالمت کا شرف حاصل ہوتا ہے۔ ابتدائی حالت کو القاء اور انتہائی حالت کو الہام اور وحی کہتے ہیں۔[152] یعنی ابتداء میں سالک کہ دل میں اس کو صحیح یا غلط کے اشارات آتے ہیں اور انتہا میں اس کو الہام ہونے لگ جاتے ہیں اور انبیاء کو وحی نازل ہوتی ہے۔

---

[150] مفتی احمد یار خان نعیمی، تفسیر نعیمی، ج۱، ص۹۴

[151] سید محمد ذوقی، سر دلبراں، ص۸۵

[151] قاضی عبد الکبیر منصور پوری، فرہنگ اصطلاحات تصوف، ص۲۳

[152] سید محمد ذوقی، سر دلبراں، ص۸۵

اولیاء اللہ کو الہام ہوتا ہے انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام پر وحی نازل ہوتی ہے۔الہام حق تعالیٰ کی جانب سے بندہ پر بلا کسی فرشتہ کی وساطت کے اس جہت سے فائز ہوتا ہے جو حق تعالیٰ کو ہر موجودات کے ساتھ ہے۔

ولکل وجهة هو موليها[153]

اور ہر ایک کی توجہ کے لیے ایک مرکز ہے جس کی طرف وہ رخ کرتا ہے

اسی جہت کی جانب اشارہ فرمایا گیا ہے۔وحی فرشتہ کے واسطہ سے ہوتی ہے۔اسی بنا پر حدیث قدسی کو وحی و قرآن نہیں کہتے۔وحی کشف شہودی اور معنوی دونوں ہے۔الہام صرف کشف معنوی ہے۔وہی مخصوص بنبوت ہے اور ظاہر سے متعلق ہے اور تبلیغ کے ساتھ مشروط ہے۔الہام ولایت سے مخصوص ہے اور تبلیغ کے ساتھ مشروط نہیں۔

اسکے علاوہ یہ بھی کہا گیا کہ نور قدس کی چمک سے جس کشف معنوی کا ورود ہوتا ہے وہ جب قلب کے مرتبہ میں ظاہر ہو تو اسے الہام کہتے ہیں۔اگر معانی غیبی ہیں تو الہام ہے اور ارواح مجردہ یا اعیان ثابتہ ہیں تو مشاہدہ قلبی ہے۔اگر یہ کشف روح کے مرتبہ میں ظاہر ہو تو شہود روحی ہے۔یہ شہود مثل آفتاب کے ہے جو آسمان اور زمین یعنی روح و جسم کو روشن کر دیتا ہے۔نور قدس بذاتہ یعنی بغیر کسی واسطہ کے اپنی اصلی استعداد کے مطابق معانی غیبیہ کو اللہ العلیم سے اخذ کرتا ہے اور اپنے ماتحتوں یعنی قلب اور قوائے روحانی و جسمانی پر ان کا فیضان کرتا ہے۔جس طرح کے سالکوں کے مقامات و مراتب و استعدادات میں تفاوت ہوتا ہے۔اسی طرح کشف کی نوعیت و مدارج و اجمال و تفصیل و وسعت و محدودیت و ابہام و اظہار وغیرہ بھی میں بھی تفاوت ہوتا ہے۔
اسکے علاوہ یہ بھی کہا گیا کہ قوت سامعہ کے مقابل باطن میں القا اور الہام ہے اور اخذ کرنے کی صلاحیت ہے۔[154]

استنباط

علامہ غلام رسول سعیدی نے قرآن مجید کی آیت مبارکہ

---

[153] البقرۃ:۱۴۸

[154] سید محمد ذوقی، سر دلبراں، ص۸۷

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰىهَا[155]

پھر اس میں اس کا بگڑنا اور سنورنا الہام فرمایا

کی تفسیر میں الہام کے حوالے سے لکھا کہ

الہام کا اصل معنی ابلاغ اور پہنچانا ہے اور عرف میں اس کا معنی ہے اللہ تعالی کا کسی چیز کو بندے کے دل میں ڈالنا۔[156]

یعنی اللہ تعالی نے بندے کے دل میں یہ ڈال دیا کہ فلاں فلاں کام برا ہے اور اس کے دل میں یہ بھی ڈال دیا کہ ان برے کاموں سے بچنے کا طریقہ کیا ہے۔

مولانا مفتی میں شفیع نے قرآن مجید کی آیت مبارکہ

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰىهَا[157]

پھر اس میں اس کا بگڑنا اور سنورنا الہام فرمایا

کی تفسیر میں الہام کے حوالے سے لکھا کہ

الہام کے معنی ہیں کہ اللہ تعالی کا انسان کے دل میں کسی بات کا ڈالنا۔[158]

علامہ ابو محمد عبد الحق حقانی نے قرآن مجید کی آیت مبارکہ

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰىهَا[159]

پھر اس میں اس کا بگڑنا اور سنورنا الہام فرمایا

کی تفسیر میں الہام کے حوالے سے لکھا کہ

---

[155] الشمس:۸

[156] علامہ غلام رسول سعیدی، تبیان القرآن، جلد ۱۲، ص ۷۶۷

[157] الشمس:۸

[158] مولانا مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، جلد ۸، صفحہ ۷۵۶

[159] الشمس:۸

الہام سے کوئی فرد بشر خالی نہیں۔ ہر ایک کے دل میں اس طرح کا ایک تار لگا ہوا ہے جس سے نیک اور بد باتیں دل میں پڑتی ہیں۔ یہ الہام عام ہے اور الہام خاص جو انبیاء اور اولیاء کا حصہ ہے اس میں کسی اور کو شرکت نہیں۔[160]

الہام تقوی کی توفیق ہے۔ اور وہ حدیث جس کو امام احمد و مسلم و ابن ماجہ وغیرہ نے عمران بن حسین رضی اللہ تعالی عنہ سے روآیت کیا ہے اس کی معیت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی الل علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا حضرت یہ لوگ جو کچھ کر رہے ہیں پہلے ان کے حق میں مقدر ہو چکا تھا یا ایک آئندہ فعل ہے کہ اپنے نبی کے فرمانے سے کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پہلے ہی سے مقدر ہو چکا ہے اس کے موافق کرتے ہیں۔ اس نے عرض کیا پھر آپ لوگ کس لیے عمل کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ جس کو اللہ نے ان دونوں مرتبہ خیر اور شر میں سے جس کے لیے پیدا کیا اس کو اس کے موافق عمل کرنا آسان کر دیتا ہے اور تصدیق اس کی کتاب اللہ میں ہے۔[161]

صوفیاء کے نزدیک الہام سالک کے دل پر وہ چیزیں جو دلائل سے حاصل نہ ہوں بلکہ اللہ تعالی کی طرف سے وارد ہوں وہ الہام کہلاتی ہیں جبکہ مفسرین کے نزدیک الہام کا اصل معنی پہنچانا ہے اور اللہ تعالی انسان کے دل میں کوئی چیز ڈال دے وہ الہام کہلاتی ہے یا انسان کے دل میں وہ کیفیت جو انسان کو خیر اور شر کے حوالے سے بتائے اور تمیز دلائے وہ الہام کہلاتی ہے۔

شریعت طریقت

شریعت

شریعت نام ہے التزام حکم عبودیت کا پس جس شریعت کو حقیقت کی تائید حاصل نہ ہو وہ غیر مقبول ہے۔[162]

---

[160] علامہ ابو محمد عبد الحق حقانی، تفسیر حقانی، جلد ۴، ص ۵۷۳

[161] علامہ ابو محمد عبد الحق حقانی، تفسیر حقانی، جلد ۴، ص ۵۷۴

[162] سید محمد ذوقی، سر دلبراں، ص ۲۷۹

شریعت احکام ظاہر کا نام ہے۔یعنی اللہ تعالی کے احکامات جو اس نے نازل فرمائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم تک پہنچائے یا امت کو بتائے اور سکھائے وہ شریعت کہلاتے ہیں۔

شریعت عبارت ہے فعل چند و ترک کے چند سے یعنی کچھ کاموں کے کرنے اور کچھ کاموں کے چھوڑنے کا نام ہے۔ جن کی صراحت کتب فقہی میں موجود ہے۔[163]

طریقت

روش، ارباب حال، تہذیب اخلاق، اوصاف زمیمہ کو اوصاف حمیدہ میں تبدیل کرنا۔ اسے سفر در وطن بھی کہتے ہیں۔[164]

یعنی وہ عادات یا اسلوب زندگی یا اخلاق کی وہ خوبصورتی جو انسان کے اوصاف زمیمہ کو اوصاف حمیدہ میں تبدیل فرمائے اسے طریقت کہتے ہیں۔ اور اسے سفر در وطن بھی کہتے ہیں یعنی انسان کا اپنے اصل مقصد کی طرف سفر کرنا۔ اور انسان کا اصل مقصد ہے خود کو بہتر کرنا اور اللہ کی رضا حاصل کرنا ہے۔

استنباط

علامہ غلام رسول سعیدی نے قرآن مجید کی آیت مبارکہ

فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَ عَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا[165]

تو دونوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ پایا جسے ہم نے اپنی خاص جناب سے خصوصی رحمت سے نوازرکھا تھا اور ہم نے اسے اپنی طرف سے خصوصی علم کی تعلیم دی تھی۔

کی تفسیر میں شریعت اور طریقت کے متعلق سیر حاصل بحث کی اور لکھا کہ

---

[163] قاضی عبد الکبیر منصور پوری، فرہنگ اصطلاحات تصوف، ص۱۰۷

[164] قاضی عبد الکبیر منصور پوری، فرہنگ اصطلاحات تصوف، ص۱۰۷

سید محمد ذوقی، سر دلبراں، ص۲۷۹

[165] الکھف:۶۵

علامہ ابو سعادات المبارک محمد بن الاثیر الجزری لکھتے ہیں کہ اللہ تعالی نے اپنے بندوں کے لیے جو احکام مقرر کیے وہ شریعت ہے۔ اور زیادہ بہتر تعریف یہ ہے کہ اللہ تعالی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو احکام مقرر کیے وہ شریعت ہے۔ پس حلال حرام فرض واجب سنن اور مستحبات اسی طرح مکروہ تحریمی مکروہ تنزیہی اور خلاف اولی سب شریعت ہیں۔[166]

شرع کا معنی ہے راستہ اللہ اور اس کے رسول نے بندوں کے عمل کرنے اور بعض اعمال سے رکنے کا جو طریقہ مقرر فرمایا ہے وہ شریعت ہے۔

میر سید شریف جرجانی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ جو سیرت ان لوگوں کے ساتھ مختص ہے جو اللہ کی طرف چلتے ہیں منازل طے کرتے ہیں اور مقامات میں ترقی کرتے ہیں وہ طریقت ہے۔[167]

اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی شے کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہے وہ اس سے پچھلے گناہوں پر توبہ کراتا ہے اور آئندہ کے لیے اس سے اس پر بیعت لیتا ہے وہ دائمن گناہوں سے اجتناب کرے گا اور تمام فرائض اور واجبات ادا کرے گا جو فرائض اور واجبات چھوٹ گئے ان کی قضا کرے گا۔

ملا علی قاری کے حوالے سے لکھتے ہیں ظاہر احکام پر عمل کرنا شریعت ہے اور یہ عام لوگوں کے لیے ہے اور شریعت کے باطن پر عمل کرنا طریقہ ہے اور یہ خاص لوگوں کے لیے منہاج ہے۔ اور شریعت کا خلاصہ حقیقت ہے اور یہ اخص الخواص کی معراج ہے۔ شریعت کا تعلق ابدان اور اجزام سے ہے اور طریقت کا تعلق دلوں سے ہے یعنی دلوں میں علوم اور معرفت کا حصول۔ اور حقیقت کا تعلق ارواح سے ہے یعنی حق دیکھنا اور اس کا مشاہدہ کرنا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حقیقت مشاہدہ ربوبیت ہے۔[168]

علامہ ابن حجر ہیثمی مکی لکھتے ہیں حقیقت اسرار ربوبیت کے مشاہدے کو کہتے ہیں۔[169]

---

[166] علامہ غلام رسول سعیدی، تبیان القرآن، جلد ۷، ص ۱۷۳

[167] علامہ غلام رسول سعیدی، تبیان القرآن، جلد ۷، ص ۱۷۳

[168] علامہ غلام رسول سعیدی، تبیان القرآن، جلد ۱، ص ۱۷۴

[169] علامہ غلام رسول سعیدی، تبیان القرآن، جلد ۱، ص ۱۷۴

ابو القاسم عبد الکریم بن حوازن قشیری کے حوالے سے لکھتے ہیں شریعت التزام عبودیت اور حقیقت مشاہدہ ربوبیت ہے۔ پس ہر شریعت جس کی حقیقت سے تائید نہ ہو وہ غیر مقبول ہے ہر حقیقت جو شریعت سے مقید نہ ہو وہ بھی غیر مقبول ہے۔ شریعت میں مخلوق کو مکلف کرنا اور حقیقت میں حق کے تصرفات کی خبر دینا ہے۔ شریعت یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت کرو حقیقت یہ ہے کہ تم اللہ کا مشاہدہ کرو شریعت میں ظاہر احکام پر قائم رہنا حقیقت میں قضاو قدر اور ظاہر اور مخفی چیزوں کا مشاہدہ کرنا۔[170]

علامہ ابو محمد عبد الحق حقانی نے قرآن مجید کی آیت مبارکہ

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّ مِنْهَاجًا[171]

ہم نے تم میں سے ہر ایک کیلئے ایک شریعت مقرر کی اور واضح راستہ۔

کی تفسیر میں شریعت اور طریقت کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ

شرع ماخوذ ہے شروع فی الشئی سے۔

شریعت کلام عرب میں گھاٹ کو کہتے ہیں۔

شریعۃ بروزن فعیلۃ۔ وہ امور کے جن کو خدا تعالی نے بندوں پر مقرر کر دیا ہے۔[172]

بعض کہتے ہیں کہ شریعت سے مراد احکام ظاہر یہ ہیں۔

اور منھاج سے مراد طریقت ہے۔[173]

مولانا مفتی میں شفیع نے قرآن مجید کی آیت مبارکہ

لكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّ مِنْهَاجًا[174]

---

[170] علامہ غلام رسول سعیدی، تبیان القرآن، جلد ا، ص ۱۷۴

[171] المائدۃ:۴۸

[172] علامہ ابو محمد عبد الحق حقانی، تفسیر حقانی، جلد ۲، ص ۱۹۱

[173] علامہ ابو محمد عبد الحق حقانی، تفسیر حقانی، جلد ۲، ص ۱۹۱

[174] المائدۃ:۴۸

ہم نے تم میں سے ہر ایک کیلئے ایک شریعت مقرر کی اور واضح راستہ۔

کی تفسیر میں شریعت اور طریقت کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ

مصنف نے لکھا کہ امت محمد یہ کے لیے شریعت و طریقت قرآن مقرر کیا گیا جس کا حق ہونا بھی دلائل سے ثابت ہے۔

مفتی احمد یار خان نعیمی نے قرآن مجید کی آیت مبار کہ

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّ مِنْهَاجًا[175]

ہم نے تم میں سے ہر ایک کیلئے ایک شریعت مقرر کی اور واضح راستہ۔

کی تفسیر میں شریعت کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ

شرعۃ یاتو بنا ہے شرع سے بمعنی وضاحت وبیان۔ یا بنا ہے شروع سے بمعنی دخول۔

لغت میں شرع اس نالی کو کہتے ہیں جو دریا سے کاٹ کر لائی جائے اس سے لوگ کھیت سیر اب کریں۔ شریعت بروزن فعیلۃ ہے۔ اصطلاح میں کھلے راستے کو شرعہ کہا جاتا ہے۔ جس پر باآسانی چلا جائے اس سے اشارے عام ہے یعنی کھلی سڑک۔

دین کے واضح و کھلے احکام کو شریعت کہتے ہیں کیونکہ ہر شخص اس پر باآسانی چڑھ کر اللہ تعالی تک پہنچ سکتا ہے۔ یہی آخری معنی یہاں مراد ہے۔[176]

شریعت اور منہاج یاتو ایک ہی معنی میں ہیں تکرار تاکید کے لیے یا اللہ تک پہنچانے والا راستہ شریعت ہے اور شریعت تک پہنچانے والا راستہ منہاج۔ یا عقائد اسلامیہ شریعت ہے اور اعمال اسلامیہ منہاج۔ یا اللہ رسول کی اطاعت شریعت ہے اور ان کی محبت و عشق منہاج۔ یا خدا تک پہنچانے والا راستہ یعنی نبی کی اطاعت شریعت ہے اور نبی تک پہنچانے والا راستہ یعنی ولی یا عالم کی اطاعت منہاج۔ یا کتاب اللہ کی اطاعت شریعت ہے اور فرمان پیغمبر کی اطاعت منہاج۔ یعنی کتاب و سنت یا حضور کے قالب کے احوال شریعت ہیں اور

---

[175] المائدۃ:۴۸

[176] مفتی احمد یار خان نعیمی، تفسیر نعیمی، ج۶، ص۴۶۶

قلب پاک کے احوال منہاج۔ یا اصولی اعمال شریعت ہیں فروعی اعمال منہاج۔ فروعی مسائل کو شریعت و منہاج کہا جاتا ہے اور عقائد کو دین لہذا تمام کتب آسمانی کا دین ایک ہی ہے شریعت مختلف۔[177]

گویا شریعت احکام ظاہر کا نام ہے۔ یعنی اللہ تعالی کے احکامات جو اس نے نازل فرمائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم تک پہنچائے یا امت کو بتائے اور سکھائے وہ شریعت کہلاتے ہیں۔ تصوف میں شریعت کچھ کاموں کے کرنے اور کچھ کاموں کے چھوڑنے کا نام ہے۔ یعنی وہ عادات یا اسلوب زندگی یا اخلاق کی وہ خوبصورتی جو انسان کے اوصاف زمیمہ کو اوصاف حمیدہ میں تبدیل فرمائے اسے طریقت کہتے ہیں۔ اور اسے سفر در وطن بھی کہتے ہیں یعنی انسان کا اپنے اصل مقصد کی طرف سفر کرنا۔ اور انسان کا اصل مقصد ہے خود کو بہتر کرنا اور اللہ کی رضا حاصل کرنا ہے۔ اور مفسرین کے نزدیک شریعت اللہ تعالی اور اس کے رسول صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے جو احکام مقرر کیے ہیں ان کا نام ہے اور طریقت اللہ تعالی کی طرف چلنے والے راستے کا نام ہے اور اس راستے میں جو لوگ ترقی کرتے ہیں حویا وہ طریقت کی منازل طے کرتے ہیں۔ ملا علی قاری نے بھی احکام ظاہرہ پر عمل کرنے کو شریعت کہا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے اللہ تعالی کی عبادت کرنا بھی شریعت کہلاتا ہے۔

حقیقت

ظہور توحیدی حقیقی، حقیقت ذات حق بلا حجاب تعینات۔[178]

یعنی حقیقت کسی حجاب کے بغیر اللہ تعالی کی ذات کے جلوے حاصل کر لینا اور اس کی اس کے انوار کا ظہور ہونے لگ جانا یہ حقیقت کہلاتا ہے۔

[179] اہل صوفیاء اہل تصوف یا ارباب تصوف میں حقیقت اس کا استعمال چند طور پر ہوتا ہے سب سے پہلا تو حقیقت کا استعمال مجاز کے مقابلے میں ہوتا ہے۔ یہاں حقیقت سے مراد باطن مجاز سے مراد ظاہر ہوتا ہے ہر شے میں مثلاً عالم شہادت مجاز ہے جس کے مقابلہ

---

[177] مفتی احمد یار خان نعیمی، تفسیر نعیمی، ج۶، ص۴۶۷

[178] سید محمد ذوقی، سر دلبراں، ص۲۹۷

[179] سید محمد ذوقی، سر دلبراں، ص۱۷۳

میں عالم مثال حقیقت ہے۔ اور عالم مثال مجاز ہے جس کے مقابلہ میں عالم ارواح حقیقت ہے اور عالم ارواح مجاز ہے جس کے مقابلہ میں عالم اعیان حقیقت ہے اور عالم اعیان مجاز ہے جس کے مقابلہ میں علم حقیقت ہے۔ اور علم مجاز ہے جس کے مقابلہ مزات حقیقت ہے۔ ہر چونکہ ذات مبدہ ہے ہر چیز کی وہ حقیقت الحقائق ہے۔ حقیقت بندہ کے ساتھ جب حق تعالی کے اوصاف میں محو ہو جاتے ہیں اور بندہ کی ذات حق تعالی کی ذات میں گم ہو جاتی ہے تو بندہ اپنی حقیقت کو پالیتا ہے۔

دوسرا استعمال حقیقت کا اعتبارات کے مقابلہ میں ہوتا ہے ذات حق تعالی حقیقت ہے ہر چیز کی ہر چیز کا وجود اعتباریہ اور حق تعالی ہی سے آپنا وجود پایا ہوئے ہے اس لیے طلائی حقیقت الحقائق ہے۔

تیسرا استعمال حقیقت کا اس موقع پر ہوتا ہے جہاں کسی چیز کو واقعی اور فی نفس الامر بیان کرنا منظور ہوتا ہے اس محل میں اس لفظ سے مراد صور علمیہ اور اعیان ثابتہ سے ہوتا ہے جنہیں حقائق الممکنات بھی کہتے ہیں۔[180]

حقیقت مغز ہے جس کا پوست شریعت ہے۔ طریقت مغز و پوست کے درمیان ایک برزخ ہے۔ مغز حقیقت بے پوست شریعت و طریقت پختہ نہیں ہوتا بلکہ خطرہ میں رہتا ہے۔ یا بالفاظ دیگریوں بھی بیان کیا جاسکتا ہے کہ شریعت نسخہ ہے۔ طریقت اُس نسخہ کا صحیح استعمال ہے۔ مثلاً اسے صحیح ترکیب سے تیار کرنا جملہ شرائط کو ملحوظ رکھ کر وقت پر اس کا استعمال کرنا اور ہر قسم کا ضروری پرہیز دوران استعمال میں برتنا۔ اور حقیقت اس صحیح استعمال نسخہ سے نتائج کا حاصل کرنا ہے۔[181]

استنباط

علامہ غلام رسول سعیدی نے قرآن مجید کی آیت مبارکہ

فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَ عَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا[182]

---

[180] سید محمد ذوقی، سر دلبراں، ص ۱۷۳

[181] قاضی عبد الکبیر منصور پوری، فرہنگ اصطلاحات تصوف، ص ۱۰۷

[182] الکھف: ۶۵

تو دونوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ پایا جسے ہم نے اپنی خاص جناب سے خصوصی رحمت سے نواز رکھا تھا اور ہم نے اسے اپنی طرف سے خصوصی علم کی تعلیم دی تھی۔

کی تفسیر میں حقیقت کے حوالے سے سیر حاصل گفتگو کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں

ملا علی قاری نے لکھا کہ ظاہر احکام پر عمل کرنا شریعت ہے اور یہ عام لوگوں کے لیے ہے اور شریعت کے باطن پر عمل کرنا طریقت ہے اور یہ خاص لوگوں کے لیے منہاج ہے۔ اور شریعت کا خلاصہ حقیقت ہے اور یہ اخص الخواص کی معراج ہے۔ شریعت کا تعلق ابدان اور اجزام سے ہے اور طریقت کا تعلق دلوں سے ہے یعنی دلوں میں علوم اور معرفت کا حصول۔ اور حقیقت کا تعلق ارواح سے ہے یعنی حق دیکھنا اور اس کا مشاہدہ کرنا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حقیقت مشاہدہ ربوبیت ہے۔[183]

علامہ ابن حجر ہیثمی مکی لکھتے ہیں حقیقت اسرار ربوبیت کے مشاہدے کو کہتے ہیں۔[184]

ابو القاسم عبد الکریم بن ہوازن قشیری کے حوالے سے لکھتے ہیں شریعت التزام عبودیت اور حقیقت مشاہدہ ربوبیت ہے۔ پس ہر شریعت جس کی حقیقت سے تائید نہ ہو وہ غیر مقبول ہے ہر حقیقت جو شریعت سے مقید نہ ہو وہ بھی غیر مقبول ہے۔ شریعت میں مخلوق کو مکلف کرنا اور حقیقت میں حق کے تصرفات کی خبر دینا ہے۔ شریعت یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت کرو حقیقت یہ ہے کہ تم اللہ کا مشاہدہ کرو شریعت میں ظاہر احکام پر قائم رہنا حقیقت میں قضاو قدر اور ظاہر اور مخفی چیزوں کا مشاہدہ کرنا۔[185]

گویا صوفیاء کے نزدیک حقیقت کسی حجاب کے بغیر اللہ تعالی کی ذات کے جلوے حاصل کر لینا اور اس کی اس کے انوار کا ظہور ہونے لگ جانا یہ حقیقت کہلاتا ہے اور یہ شریعت کا مغز ہے۔ اور مفسرین کے نزدیک شریعت حقیقت کا خلاصہ ہے اور شریعت کا تعلق بدن سے ہے جبکہ حقیقت کا تعلق روح کے ساتھ ہے اور کچھ مفسرین کے نزدیک حقیقت اسرار الہیہ کے مشاہدے کا نام ہے۔

---

[183] علامہ غلام رسول سعیدی، تبیان القرآن، جلد ۱، ص ۱۷۴

[184] علامہ غلام رسول سعیدی، تبیان القرآن، جلد ۱، ص ۱۷۴

[185] علامہ غلام رسول سعیدی، تبیان القرآن، جلد ۱، ص ۱۷۴

محبت

محبت ایک کشش مقناطیسی ہے جو کسی کو کسی کی جانب کھینچتی ہے۔ کسی میں حسن وخوبی کی ایک جھلک کا دیکھ لینا اور اس کی جانب طبیعت کا مائل ہو جانا۔ دل میں اس کی رغبت اس کا شوق اس کی طلب و تمنا اور اس کے لیے بے چینی کا پیدا ہونا۔ اسی کے خیال میں شب و روز رہنا۔ اسی کی طلب میں تن من دھن سے منہمک ہونا۔ اس کے فراق سے ایذا پانا۔ اس کے وصال سے سیر ہونا۔ اس کے خیال میں اپنا خیال اس کی رضا میں اپنی رضا اس کی ہستی میں اپنی ہستی کو گم کر دینا یہ سب محبت کے کرشمے ہیں۔[186]

محبت معرفت کی محتاج ہے اور معرفت محبت کی۔ محبت کو معرفت پر تقدیم حاصل ہے اور معرفت کو محبت پر۔ محبت معرفت کا نتیجہ ہے اور معرفت محبت کا۔ یعنی بلا معرفت کے محبت پیدا نہیں ہوتی اور بغیر محبت کے معرفت میں ترقی نہیں ہوتی۔ اگر محبت سے قبل صرف اجمالی معرفت کی ضرورت ہوتی ہے اور بعد محبت کے حق تعالیٰ کی جانب سے انعام کے طور پر تفصیلی معرفت عطا فرمائی جاتی ہے۔

استنباط

علامہ غلام رسول سعیدی نے قرآن مجید کی آیت مبارکہ

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ-وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ[187]

اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے سوا دوسروں کو اس کا ہمسر بناتے رہتے ہیں اور ان سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسے وہ اللہ سے محبت کر رہے ہوں اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہوتے ہیں وہ حد سے بڑھ بڑھ کر اللہ سے محبت کرتے ہیں

کی تفسیر میں محبت کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ

---

[186] سید محمد ذوقی، سر دلبراں، ص ۳۰۴

[187] البقرۃ:۱۶۵

جس طرح مومنین اللہ سے حق کی بناپر محبت کرتے ہیں مشرکین اپنے بتوں سے باطل کی بناپر محبت کرتے ہیں۔اور جتنی محبت مشرکین اپنے بتوں سے کرتے ہیں اس سے کہیں زیادہ محبت مومنین اللہ سے کرتے ہیں بلکہ مومن سب سے زیادہ اللہ سے محبت کرتا ہے اور اس کی تعظیم اور تقدیس کرتا ہے پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ والہ وسلم سے محبت کرتا ہے اور آپ کی تعظیم اور توقیر کرتا ہے پھر اپنے والدین کی تعظیم اور اطاعت کرتا ہے اس کے بعد اپنے نفس سے محبت کرتا ہے پھر اس کے بعد اپنے اہل وعیال اقرباء پڑوسیوں اور عام مسلمانوں سے محبت کرتا ہے۔[188]

علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری قرآن مجید کی آیت مبارکہ

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ-وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ[189]

اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے سوادوسروں کو اس کا ہمسر بناتے رہتے ہیں اور ان سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسے وہ اللہ سے محبت کر رہے ہوں اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہوتے ہیں وہ حد سے بڑھ بڑھ کر اللہ سے محبت کرتے ہیں

کی تفسیر میں محبت کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ

محبت لغت میں میلان قلب کو کہتے ہیں۔[190]

اور جو ایمان والے ہیں ان کو اللہ کی محبت ہے جیسے کافر اپنے بتوں سے محبت کرتے ہیں۔ایمان والوں کی محبت کبھی منقطع نہ ہو گی لیکن کافروں کا یہ حال ہے آج ایک بت کی طرف متوجہ ہوئے تو کل دوسرے کے ساتھ۔حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالی ان لوگوں سے جو بتوں کی محبت میں تباہ ہوگئے ہیں فرمائے گا کہ اگر تم بتوں سے سچی محبت ہے تو ان کے ساتھ جہنم میں جاؤ وہ صاف انکار کر دیں گے اور ہر گز نہ جائیں گے۔[191]

مفتی احمد یار خان نعیمی نے قرآن مجید کی آیت مبارکہ

---

[188] علامہ غلام رسول سعیدی، تبیان القرآن، جلد ۸، ص ۱۵۴

[189] البقرۃ:۱۶۵

[190] علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری، تفسیر حسنات، جلد ا، ص ۳۰۲

[191] علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری، تفسیر حسنات، جلد ا، ص ۳۰۳

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ یَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا یُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِؕ-وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِؕ[192]

اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے سوا دوسروں کو اس کا ہمسر بناتے رہتے ہیں اور ان سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسے وہ اللہ سے محبت کر رہے ہوں اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہوتے ہیں وہ حد سے بڑھ بڑھ کر اللہ سے محبت کرتے ہیں

کی تفسیر میں محبت کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ

یحبون حبا سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں دانہ۔

اور دل کے بیچ میں ایک سیاہ نقطہ ہوتا ہے جسے حبۃ سودا کہا جاتا ہے۔ یعنی کالا دانہ۔

دلی میلان و محبت کو اس لیے حب کہتے ہیں کہ محبوب کا اثر اس قلبی دانہ میں ہو جاتا ہے۔[193]

محبت کو چھ اقسام میں بیان کرتے ہیں

1. محبت جانی
2. محبت روحانی
3. محبت جسمانی
4. محبت احسانی
5. محبت ایمانی
6. محبت طغیانی

جسمانی محبت بہت قسم کی ہے۔ماں باپ سے محبت اور قسم کی ہے بیوی بچوں سے اور قسم کی۔ یہاں بتوں سے ایمانی اور روحانی محبت کرنا مراد ہے۔ بندوں کی اللہ سے محبت اس کی اطاعت اور اس کی فرمانبرداری ہے۔ رب کی محبت کا انجام بخشش اور عطائے انعام، بقائے دائمی اور اسے نیکیوں کی توفیق دینا اور گناہوں سے بچانا ہے۔

---

[192] البقرۃ:۱۶۵

[193] مفتی احمد یار خان نعیمی، تفسیر نعیمی، ج۲، ص ۱۳۰

جیسے کہ دانہ زمین میں جاکر عجب عجب اثار دکھاتا ہے ایسے ہی محبت دل میں جاگزیں ہو کر عجب تماشہ دکھاتی ہے۔ مسلمان اللہ سے بہت محبت کرتے ہیں کہ ان کے مقابل کفار کی بتوں سے محبت عشر عشیر بھی نہیں۔ مسلمان ہر رنج وراحت میں طالب مولا رہتا ہے ۔[194]

علامہ ابو محمد عبد الحق حقانی نے قرآن مجید کی آیت مبارکہ

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ-وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ[195]

اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے سوادوسروں کو اس کا ہمسر بناتے رہتے ہیں اور ان سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسے وہ اللہ سے محبت کر رہے ہوں اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہوتے ہیں وہ حد سے بڑھ بڑھ کر اللہ سے محبت کرتے ہیں

کی تفسیر میں محبت کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ

محبت علمائے ظاہر کے نزدیک ایک قسم کا ارادہ اور خواہش ہے جو ممکن الوجود چیزوں کے ساتھ متعلق ہوتا ہے اور خدا تعالی چونکہ ممکن نہیں بلکہ واجب ہے تو اس کی محبت کے یہ معنی ہیں کہ اس کی عبادت واطاعت یا ثواب محبوب جانے۔

محققین کے نزدیک یہ ایک کیفیت اضطراری ہے یعنی روح کا میلان ازخود ہوتا ہے خواہ کوئی غرض ہو یا نہ ہو۔ اور یہ کیفیت ارادے کے علاوہ ہے۔[196]

اس میں راز یہ ہے کہ روح کو جمال و کمال کے ساتھ طبعی میلان ہوتا ہے۔ پس جس قدر جمال و کمال زیادہ ہوتا ہے اتنا ہی دل اس کی طرف از خود کھنچتا ہے۔ جسمانی چیزوں میں جب کوئی حسین صورت پر نظر پڑتی ہے خود اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ آواز میں جب اعتدال پیدا ہو کر حسن آتا ہے تو دل اس کی طرف کھچتا ہے۔ جب حسن اور جمال ظاہری کی یہ کیفیت ہے تو جمال و کمال حقیقی جس کے جمال و کمال کا ایک ادنی ظل یہ تمام جہان کا حسن اور رعنائیاں ہیں۔ یعنی حق اللہ رب العزت کا جمال۔ تو خالق حقیقی کی جانب روح کو جس قدر میل طبعی ہو کم ہے۔ اور جب انسان کا یہ حال ہے کہ ہر شے اپنی اصل چیز کی طرف بغیر ارادہ بے قرار ہو کر آتی ہے تو اس پھر روح کیوں کر خالق حقیقی کی طرف بے قرار نہ ہو۔ ہاں جب کفر و الحاد معصیت کے حجاب کے درمیان آجاتے ہیں تو جمال

194 مفتی احمد یار خان نعیمی، تفسیر نعیمی، ج ۲، ص ۱۳۱

195 البقرۃ:۱۶۵

196 علامہ ابو محمد عبد الحق حقانی، تفسیر حقانی، جلد ۱، ص ۵۲۰

حقیقی دکھائی نہیں دیتا اس لیے ان لوگوں خالق کائنات سے محبت کم ہوتی ہے چونکہ مومنوں کے دل میں حجاب مرتفع ہیں اس لیے وہ اس پر فدا ہیں۔ اور پھر ان میں بھی درجات متفاوت ہیں انبیاء اور اولیاء سب کے پیش رو ہیں۔ جب محبت میں محویت ہو جاتی ہے تو پھر فنافی اللہ اور بقاباللہ کا مرتبہ نصیب ہو جاتا ہے۔ عشق بھی محبت کے ایک مرتبہ کا نام ہے۔[197]

گویا صوفیا کے نزدیک محبت ایک کشش ہے کہ کسی حسن و جمال کو دیکھ کر طبیعت اس حسن کی طرف مائل ہو جائے۔ تو جب کسی دنیا کے حسن کو دیکھ کر اگر دل اس کی طرف مائل ہو جائے اور اس کا ہو جائے تو پھر تمام کے حسن کے خالق خدا کے حسن کے جلوے دیکھنے کے بعد کوئی کیونکر اس خالق حقیقی کا نہ بنے۔ لہذا کائنات کا حسن اس بات پر مضباط دلیل ہے کہ انسان کو اپنے خالق و مالک سے محبت کرنی چاہیے اور اپنا تن من دھن اس پر قربان کر دینا چاہیے۔ مفسرین کے نزدیک محبت خدا تعالی کی اطاعت اور دل کو اس کا کر دینے کا نام ہے یعنی جب انسان کو کسی سے محبت ہو جائے تو پھر وہ اپنا تن من دھن سب اسی کے لیے کر دیتا ہے اس کی انہوں نے چند اقسام بیان کی ہیں جیسے محبت جانی، روحانی، جسمانی، احسانی، ایمانی اور طغیانی وغیرہ۔ مومن سب سے بڑھ کر اللہ تعالی سے محبت کرتا ہے۔

قرب

قرب صفات الٰہی سے متصف ہونا، سیر قطرہ بجانب دریا، رفع تعینات، حجاب خودی کا اٹھنا۔[198]

اس کا معنی اللہ تعالی کی صفات سے متصف ہونا ہے۔ یعنی انسان عبادات و ریاضات کے ساتھ اللہ تعالی سے اتنا قریب ہو جائے کہ اللہ تعالی کی صفات کا پر تاو اس کی ذات پہ پڑتا ہے۔

قرب دو قسم کا ہوتا ہے ایجادی اور شہودی۔

قرب ایجادی

---

[197] علامہ ابو محمد عبد الحق حقانی، تفسیر حقانی، جلد ا، ص ۵۲۰

[198] سید محمد ذوقی، سر دلبراں، ص ۳۳۴

ادراک بسیط ہے جو ذوات اعیان علمیہ کو قبل وجود خارجی بحکم الست بربکم قالو بلی حاصل ہوا اور جو عبارات اضطراری و حکمت ایجاد عالم ورحمت رحمانی کا مقتضی ہے۔ یہ ادراک غیر ادراک ہے جو ذات سے منفک نہیں اور محتاج فکر نہیں۔ یہ قرب سبب حکمت تکوین ہے۔

قرب شہودی

وہ قرب ہے جو تفکر سے حاصل ہوتا ہے اور مستلزم ہے عبارات اختیاری، سلوک اور رحمت خاص یعنی رحیمی کا۔ اس قرب کا حصول نور ہدایت الٰہی کے بغیر میسر نہیں ہوتا۔ اس نور کے پرتو سے سالک کی ہستی مجازی دور ہو کر اسے تقرب شہودی حاصل ہوتا ہے۔[199]

استنباط

علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری نے قرآن مجید کی آیت مبارکہ

كَلَّاؕ-لَا تُطِعْهُ وَ اسْجُدْ وَ اقْتَرِبْ[200]

ہرگز ہرگز ایسوں کے پیچھے نہ لگ اور سجدہ کر اور قریب ہو جا

کی تفسیر میں قرب کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ یہاں حکم ہے کہ

نماز کے ذریعہ سے اپنے پروردگار حق سبحانہ و تعالی کا قرب حاصل کرو۔[201]

ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مرفوعا مروی ہے کہ بندہ بحالت سجدہ اپنے پروردگار سے بہت زیادہ قرب میں ہوتا ہے تو تم بحالت سجدہ کثرت سے دعا کرو۔ ثوبان رضی اللہ تعالی عنہ سے مرفوعا مروی ہے کہ تم پر سجود کی کثرت لازم ہے بے شک جب تو اللہ کے لیے سجدہ کرتا ہے تو اللہ تعالی تیرے لیے اس کے بدلے ایک درجہ بلند فرماتا ہے اور تجھ سے اس کے بدلے گناہ کو مٹا دیتا ہے۔[202]

---

[199] قاضی عبدالکبیر منصور پوری، فرہنگ اصطلاحات تصوف، ص ۱۳۷

[200] العلق:۱۹

[201] علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری، تفسیر حسنات، ج۷، ص ۴۹۰

[202] علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری، تفسیر حسنات، ج۷، ص ۴۹۰

علامہ ابو محمد عبد الحق حقانی نے قرآن مجید کی آیت مبارکہ

كَلَّا ۗ لَا تُطِعْهُ وَ اسْجُدْ وَ اقْتَرِبْ[203]

ہرگز ہرگز ایسوں کے پیچھے نہ لگ اور سجدہ کر اور قریب ہو جا۔

کی تفسیر میں قرب کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ یہاں حکم ہے کہ

اے بندے اس سجدے سے اقترب یعنی اس کا قرب حاصل کر۔ بندہ جس قدر اپنے رب کی عبادت کرتا ہے اسی قدر اسے قرب حاصل ہوتا ہے۔ اور سجدہ سب سے افضل عبادت ہے اس لیے اس میں تقرب بھی زیادہ ہے۔ اسی لیے اپنے رب کو سجدہ کرنا تمام صالحین کی قدیم عادت ہے، بعض انبیاء کی شریعت میں صرف سجدہ کرنا ہی نماز ے تھا۔[204]

خلاصہ

صوفیا کے نزدیک قرب کا معنی اللہ تعالیٰ کی صفات سے متصف ہونا ہے یعنی انسان عبادات ریاضات کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے اتنا قریب ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا پرتاؤ اس کی ذات پہ پڑے پھر انسان جب اللہ تعالیٰ سے دعائیں اور مناجات کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو شرف قبولیت عطا فرماتا ہے۔ اس کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور اسے گناہوں سے نفرت ہو جاتی ہے۔ اس کے ہاتھ اللہ کے ہاتھ بن جاتے ہیں اس کی زبان اللہ کی زبان بن جاتی ہے اس کے کان اللہ کے کان بن جاتے ہیں جیسا کہ حدیث رسول میں موجود ہے۔ مفسرین کے نزدیک قرب عبادات اور ریاضات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے قریب ہونا ہے۔ احکام الٰہیہ پر عمل کرنا انسان کو خدا سے قریب کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت ان کی پیروی اور ان کی محبت انسان کو اللہ تعالیٰ کے قریب کرتی ہے۔

---

[203] العلق: ۱۹

[204] علامہ ابو محمد عبد الحق حقانی، تفسیر حقانی، جلد ۴، ص ۶۲۵

فصل دوم:

اخلاقیات کے ساتھ متعلقہ اصطلاحات تصوف کا استنباط

اخلاص

صرف خدا کیلیئے کسی فعل کو انجام دینا نہ کہ معاوضہ کی نیت سے ۔[205] یعنی انسان کوئی بھی کام کرے تو اس میں اس کو کسی معاوضہ کی لالچ نہ ہو بلکہ صرف اللہ رب العزت کی خوشنودی اور رضا کیلیئے وہ کام کرے۔

استنباط

تبیان القرآن میں مختلف مقامات پر علامہ غلام رسول سعیدی نے اخلاص پر بحث کی۔ انہوں نے اپنی پہلی جلد ساتویں جلد اور چوتھی جلد کے اندر اخلاص کے اوپر سیر حاصل گفتگو کی جس میں انہوں نے اخلاص کا معنی لغوی اصطلاحی، پھر صوفیاء کے نزدیک اخلاص کا مفہوم اور پھر محدثین کے نزدیک اخلاص کے مفہوم کو بیان کیا۔ علامہ موصوف نے صوفیاء کے اقوال، محدثین کے اقوال

---

[205] سید محمد ذوقی، سر دلبراں، ص ۲۹۰

قاضی عبد الکبیر منصور پوری، فرہنگ اصطلاحات تصوف، ص ۱۴

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے مروی احادیث بھی نقل کیں۔ اخلاص کے فوائد اور نقصانات اخلاص کو ترک کرنے کے نقصانات بھی ذکر کیے جو کہ ذیل میں ہیں۔

علامہ غلام رسول سعیدی نے قرآن مجید کی آیت مبارکہ

قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِی اللّٰهِ وَ هُوَ رَبُّنَا وَ رَبُّكُمْۚ-وَ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَ لَكُمْ اَعْمَالُكُمْۚ-وَ نَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ[206]

فرمایئے کیا تم اللہ کے بارے میں ہم سے بحثیں کرتے ہو حالانکہ وہ ہمارا بھی پروردگار ہے اور تمھارا بھی پروردگار ہے اور ہمارے لیے ہمارے عمل اور تمھارے لیے تمھارے عمل، ہمارا حال تو یہ ہے کہ اپنا سب کچھ اسی کے لیے کر چکے ہیں۔

کی تفسیر میں اخلاص ہر تحریر کرتے ہیں کہ

مصنف نے علامہ راغب اصفہانی کا حوالہ دیتے ہوے اخلاص کا لغوی اور اصطلاحی معنی لکھتے ہیں[207]

اخلاص خالص سے ہے اور خالص کا معنی ہے صاف۔ جس چیز میں ملاوٹ ہو اور وہ ملاوٹ دور کر دی جائے تو اس کو خالص کہتے ہیں۔

یہ بھی کہا گیا کہ جس چیز میں ملاوٹ ہو سکتی ہو لیکن ملاوٹ موجود نہ ہو اس کو بھی خالص کہتے ہیں۔ قرآن مجید نے مسلمانوں کو بھی مخلص فرمایا کیونکہ وہ یہود کی تشبیہ اور نصاری کی تثلیث سے بری ہیں۔ اور اخلاص کی حقیقت اللہ کے سوا ہر چیز سے بری ہونا ہے۔[208]

مفسرین کے نزدیک اس شخص کو اخلاص والا کہتے ہیں جو اللہ تعالی کی ذات کے علاوہ وہ تمام چیزوں سے بری ہو جائے۔

یہ بھی لکھا کہ جس عبادت میں ریاکاری کی بالکل آمیزش نہ ہو اس کو اخلاص کہتے ہیں۔

گویا ایک اللہ تعالی کے علاوہ تمام چیزوں سے بری ہو جانا اخلاص کہلاتا ہے اور دوسرا عبادت میں ریاکاری کی آمیزش نہ ہونا بھی اخلاص کہلاتا ہے۔

---

[206] البقرۃ:۱۳۹

[207] علامہ غلام رسول سعیدی، تبیان القرآن، جلد ۱، ص ۵۸۸

[208] اصفہانی، علامہ راغب اصفہانی، المفردات، مطبوعہ مکتبہ الرضویہ ایران، ۱۳۴۲ھ، ص ۱۵۴، ۱۵۵

علامہ قرطبی رحمتہ اللہ تعالی علیہ نے اخلاص کے حوالہ سے لکھا ہے کہ کے عمل کو مخلوق کے ملاحظہ سے صاف کر لینا اخلاص ہے[209]۔ جنید بغدادی نے کہا کہ اخلاص بندے اور اللہ کے درمیان ایک راز ہے۔ اس کو فرشتے جانتے ہیں کہ لکھ سکیں نہ اس کو شیطان جانتا ہے کہ اس کو فاسد کر سکے۔ یعنی اللہ تعالی کے ساتھ بندے کا وہ رشتہ قائم ہو جانا کہ جس میں کسی اور کا عمل دخل نہ ہو اخلاص کہلاتا ہے۔ صوفیا کے ایک معروف صوفی بزرگ صاحب رسالہ قشیریہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے ایک روایت نقل کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جبرائیل نے پوچھا کہ اخلاص کیا ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نے رب العزت سے اخلاص کے متعلق پوچھا تو فرمایا وہ میرا ایک راز ہے جس کو میں نے اپنے محبوب بندے کے دل میں رکھا ہے۔[210]

علامہ غلام رسول سعیدی نے قرآن مجید کی آیت مبارکہ

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّ لَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا[211]

پس جو شخص اپنے رب کی لقا کا امیدوار ہے تو اسے چاہیے کہ نیک عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی ایک کو شریک نہ ٹھرائے۔

کی تفسیر میں بھی اخلاص کے حوالے سے لکھا ہے انھوں نے لکھا کہ

لغت میں اخلاص کا معنی ہے عبادات میں ریاکاری کو ترک کرنا اور اصطلاح میں اخلاص کا معنی ہے دل کو اس ملاوٹ کے شائبہ سے خالی کرنا جو دل کی صفا کو مقدر کرتی ہے۔[212] تو گویا اخلاص یہ ہے کہ جس چیز میں امکان ہو ملاوٹ کا اور اس چیز کو ملاوٹ سے پاک کر لینا اور اللہ کے لیے خاص کر لینا اخلاص کہلاتا ہے۔

---

[209] قرطبی، امام محمد شمس الدین قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران، ۱۳۸۷ھ، جلد ۲ ص ۱۴۶

[210] امام محمد شمس الدین قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، جلد ۲ ص ۱۴۶

[211] الکھف: ۱۱۰

[212] علامہ غلام رسول سعیدی، تبیان القرآن، جلد ۷، ص ۲۳۴

علماء نے صوفیاء نے مفسرین نے اس کو اپنی اپنی تعریفات میں نقل کیا ہے۔

امام ابو القاسم عبد الکریم بن ہوازن قشیری اخلاص کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ

عبادت میں صرف حق سبحانہ و تعالی کا قصد کرنا اخلاص ہے۔ اور فعل کو مخلوق کے ملاحظہ سے خالی کرنا اخلاص ہے۔[213]

ذوالنون مصری نے اخلاص کی تین علامتیں لکھی ہیں۔

کہ اخلاص کی نشانی یہ ہے کہ آدمی لوگوں کی تعریف اور مذمت سے بری ہو جائے۔

وہ اپنے عمل کو کرنے کے بعد بھول جائے۔

اور آخرت میں ثواب کو طلب کرنا بھی بھول جائے۔[214]

اگر اخلاص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان حدیث کی روشنی میں دیکھا جائے گا تو معنی یہ ہو گا کہ

اخلاص اللہ تعالی کے ساتھ یکسوئی ہے۔

اور اگر اخلاص کو صوفیاء کی اصطلاح میں دیکھا جائے گا۔

تو اخلاص اللہ تعالی کے ساتھ عمل میں لوگوں کو بے دخل کر دینا اور لوگوں سے الگ تھلگ ہو کر اس کے لیے اپنے آپ کو خاص کر لینا ہے۔

اور عامۃ الناس میں اخلاص کا جو معنی عام لغت میں لیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ کسی چیز کو ملاوٹ سے خالی کر لینا۔

اسی طرح اخلاص کے فوائد اور ان کے نقصانات کو بھی احادیث اخلاص کے نہ ہونے کے نقصانات کو بھی نقل کیا گیا جیسے کہ رسول اللہ کی ایک حدیث ہے کہ فرمایا کہ میری امت کے وہ ضعیف لوگ جو اللہ تعالی کی عبادت کرتے ہیں اخلاص کے ساتھ اس سے دعا کرتے ہیں ان کی دعاؤں کی وجہ سے اللہ میری امت کی مدد فرماتا ہے۔

تو گویا اخلاص کا درجہ یہ ہے کہ مخلصین کی وجہ سے اللہ باقی امت کو بھی نوازتا ہے۔۔

---

[213] امام قشیری، امام ابو القاسم عبد الکریم بن ہوازن قشیری، الرسالہ قشیریہ، مطبوعہ دار الکتب العمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ ص ۲۴۴، ۲۴۴

[214] امام ابو القاسم عبد الکریم بن ہوازن قشیری، الرسالہ قشیریہ، ص ۲۴۴

مولانا مفتی محمد شفیع نے قرآن مجید کی آیت مبارکہ

قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِی اللّٰہِ وَ ھُوَ رَبُّنَا وَ رَبُّكُمْ‌ۚ-وَ لَنَاۤ اَعْمَالُنَا وَ لَكُمْ اَعْمَالُكُمْ‌ۚ-وَ نَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ[215]

فرمایئے کیا تم اللہ کے بارے میں ہم سے بحثیں کرتے ہو حالانکہ وہ ہمارا بھی پروردگار ہے اور تمھارا بھی پروردگار ہے اور ہمارے لیے ہمارے عمل اور تمھارے لیے تمھارے عمل، ہمارا حال تو یہ ہے کہ اپنا سب کچھ اسی کے لیے کر چکے ہیں۔

کی تفسیر میں اخلاص کے حوالے سے تحریر کیا ہے کہ

اخلاص مسلمانوں کی ایک خصوصیت ہے جو اللہ تعالی نے ذکر فرمائی کہ مسلمان اللہ تعالی کے لیے مخلص ہوتے ہیں اور اللہ ہی کے ہو کر رہتے ہیں۔[216]

حضرت سعید بن جبیر کے حوالہ سے انہوں نے ذکر کیا کہ اخلاص کا معنی یہ ہے کہ انسان اپنے دین میں مخلص ہو کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے۔ اور اپنے عمل کو خالص اللہ کے لیے کر دے اور لوگوں کی دکھلانے یا ان کی مدح اور شکر کی طرف نظر اس کی نہ ہو۔[217]

اور صوفیاء کے حوالہ سے لکھا کہ اخلاص ایک ایسا عمل ہے جس کو نہ تو فرشتے پہچان سکتے ہیں اور نہ شیطان وہ صرف بندے اور اللہ تعالی کے درمیان ایک راز ہے۔[218]

خلاصہ

صوفیا کے نزدیک اخلاص کسی فعل کو صرف اللہ تعالی کی رضا کے لیے کرنے کا نام ہے نہ کہ کسی معاوضہ کی نیت سے نہ دکھلاوے کے لیے نہ ریاکاری کے لیے اور نہ لوگوں کے سامنے اظہار کے لیے۔ مفسرین نے اس کو اس معنی میں لیا کہ بندہ اپنی

---

[215] البقرۃ:۱۳۹

[216] مفتی شفیع، مولانا مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ناشر ادارۃ المعارف کراچی، ۱۹۹۶، جلد ۱، صفحہ ۳۵۸

[217] مولانا مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، جلد ۱، صفحہ ۳۵۸

[218] مولانا مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، جلد ۱، صفحہ ۳۵۸

عبادت کو صرف اللہ تعالی کے لیے کر دے جس میں کسی بھی چیز کی آمیزش اور ملاوٹ نہ ہو اور آدمی لوگوں کی تعریفات اور لوگوں کی تنقید سے بری ہو جائے کچھ مفسرین نے یہ بھی لکھا کہ انسان اپنے دین میں مخلص ہو کر اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے اپنے عمل کو خالص اللہ کے لیے کرے یہ اخلاص ہے۔ حضرت سعید ابن جبیر کی حدیث کے ساتھ اس کی توثیق کی ہے کہ انسان اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرے۔ کسی پہ بھروسہ نہ کرے کسی پہ توکل نہ کرے اور صرف اسی کا ہو کر رہے یہ اخلاص ہے اور یہی ایک مسلمان کا زیور ہے۔

احسان

پیغمبر خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے احسان کی یہ تعریف فرمائی ہے کہ

ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک [219]

یعنی احسان یہ ہے کہ عبادت کرے تو اللہ کی اس طرح کے گویا تو اسے دیکھتا ہے پس اگر نہیں دیکھ سکتا تو اس کو تو وہ یقینا تجھ کو دیکھتا ہے۔

احسان وہ مقام ہے جس میں بندہ خدا کے اسماء وصفات کے اثار کو دیکھتا ہے اور اپنی عبادت میں تصور کرتا ہے کہ میں خدا کے سامنے ہوں، اور کم سے کم درجہ یہ ہے کہ وہ یہ دیکھے کہ اللہ تعالیٰ میری طرف دیکھتا ہے۔[220]

---

[219] ابو الحسین مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری، صحیح مسلم شریف کتاب الإیمان، باب الایمان والاسلام والاحسان ووجوب الایمان باثبات قدر اللہ سبحانہ وتعالی، حدیث ۸،۱

[220] سید محمد ذوقی، سر دلبراں، ص ۵۳

یہ مراقبہ کا پہلا زینہ ہے محسن کا ہر کام خاص اللہ ہی کے واسطے ہوتا ہے وہ اللہ ہی کے جلال سے ڈرتا ہے اور اللہ ہی کے جمال کی طرف رغبت کرتا ہے گویا تصوف کو شریعت کی اصطلاح میں احسان کہتے ہیں۔ احسان کو عملی صورت میں لانے کا نام دراصل تصوف ہے۔[221]

استنباط

علامہ غلام رسول سعیدی نے قرآن مجید کی آیت مبارکہ

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ وَ اِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی وَ یَنْہٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْکَرِ وَ الْبَغْیِ-یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ[222]

بے شک اللہ عدل اور احسان کا حکم فرماتا ہے اور قرابت والوں کو دینے کا اور منع فرماتا ہے بے حیائی اور کردار سوز باتوں سے اور سر کشی سے، وہ تمہیں رسیلے بولوں سے سمجھاتا ہے تاکہ ایک ایک چیز تمہارے ذہن نشین ہو جائے۔

کی تفسیر بیان کرتے ہوئے احسان کے حوالے سے لکھا ہے کہ ہر وہ چیز جو خوبصورت ہو اس کو حسن کہتے ہیں اور اسے سے احسان ہے۔[223]

اور سب سے پہلے راغب اصفہانی کے حوالے سے اخلاص کی تعریف لکھی کہ ہر وہ چیز جو خوبصورت اور مرغوب ہو اس کو حسن کہتے ہیں۔

اور حسن چیز کی یا خوبصورت چیز کی تین قسمیں ہیں۔

1. جو عقل کے اعتبار سے مستحسن ہو جیسے علمی نکات
2. جو نفسانی خواہش کے اعتبار سے مستحسن ہو جیسے خوبصورت عورتیں

---

[221] قاضی عبد الکبیر منصور پوری، فرہنگ اصطلاحات تصوف، ص ۱۳

[222] النحل:۹۰

[223] علامہ غلام رسول سعیدی، تبیان القرآن، جلد ۶، ص ۵۵۴

3. اور جو حواس کے اعتبار سے مستحسن ہو جیسے خوبصورت مناظر خوش ذائقہ اور دل آویز خوشبویں[224]۔

اس کے علاوہ ہر وہ نعمت جس کا اثر انسان اپنے نفس پر اپنی جان پہ بدن پر اور احوال پہ محسوس کرتا ہے وہ بھی حسن ہے۔

قرآن مجید نے احسان کو خوشحالی کے معنوں میں بھی استعمال کیا جیسا کہ

فَاِذَا جَآءَتْہُمُ الْحَسَنَۃُ قَالُوْا لَنَا ہٰذِہٖ وَ اِنْ تُصِبْہُمْ سَیِّئَۃٌ یَّطَّیَّرُوْا بِمُوْسٰی وَ مَنْ مَّعَہٗ[225]

اور ان کے پاس جب بھلائیاں آئیں تو کہتے یہ تو ہمارا استحقاق تھے اور اگر انہیں برائیاں پہنچتیں تو موسیٰ اور ان کے ساتھیوں سے بد شگونی لیتے

حسن کا اطلاق عام طور پر عام لوگوں کے نزدیک ان چیزوں پر ہوتا ہے جن کا ادراک آنکھوں کے ساتھ ہوتا ہے اور قرآن مجید نے احسان یا حسن ان چیزوں کے معنوں میں استعمال کیا جن کا ادراک عقل کے ساتھ ہوتا ہے۔ جیسے آیت مبارکہ ہے

لَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَہٗ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ ہَدٰہُمُ اللّٰہُ وَ اُولٰٓئِکَ ہُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ[226]

جو غور سے دل لگا کر بات سنتے ہیں اور اچھے طریقے سے اس کا اتباع کرتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت بخشی ہے اور پختہ عقل کے مالک بھی یہی ہیں۔

راغب اصفہانی نے احسان کا اطلاق دو معنوں پر کیا ہے ایک کسی پر انعام کرنا اور دوسرا نیکی کا کام کرنا۔

دونوں کو احسان کے معنوں میں قرآن نے استعمال کیا جیسے فرمایا

ہَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ [227]

کیا احسان کا بدلہ احسان کے سوا کچھ اور ہو سکتا ہے۔

---

[224] علامہ غلام رسول سعیدی، تبیان القرآن، جلد ۶، ص ۵۵۴

[225] الاعراف: ۱۳۱

[226] الزمر: ۱۸

[227] الرحمٰن: ۶۰

اور دوسرا معنی نیک کام کرنا جیسے فرمایا

اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ[228]

اگر تم نے نیکی کی تو اپنی شخصیتوں کو نکھارا

گویا صاحب تبیان القرآن نے اس پہ سیر حاصل گفتگو کی۔اس میں انہوں نے اس اصطلاح کی اقسام،اس کا اطلاق، اس کی تمام تعریفات، پھر ہر تعریف کے اوپر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث اور قرآن کی آیت کو ذکر کیا۔
جس کا خلاصہ کچھ یوں ہے کہ احسان عامۃ الناس کے لیے ان چیزوں پہ استعمال ہوتا ہے جن کا ادراک آنکھوں سے ہو اور قرآن مجید نے ان چیزوں پر حسن کا اطلاق ہوتا ہے جن کا ادراک عقل سے ہو اور پھر اس کی تین قسمیں ہیں عقل کے اعتبار سے نفسانی خواہش کے اعتبار سے اور حواس کے اعتبار سے پھر انہوں نے یہ بھی لکھا کہ قرآن مجید نے دو معنوں میں اس کو استعمال کیا ایک کو نعمت کے معنی میں استعمال کیا اور ایک کو نیکی کے معنی میں استعمال کیا۔

مولانا مفتی میں شفیع نے قرآن مجید کی آیت مبارکہ

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ وَ اِيْتَآئِ ذِى الْقُرْبٰى وَ يَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ وَ الْبَغْيِ-يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ[229]

بے شک اللہ عدل اور احسان کا حکم فرماتا ہے اور قرابت والوں کو دینے کا اور منع فرماتا ہے بے حیائی اور کردار سوز باتوں سے اور سر کشی سے، وہ تمہیں رسیلے بولوں سے سمجھاتا ہے تاکہ ایک ایک چیز تمہارے ذہن نشین ہو جائے۔

کی تفسیر میں احسان کے والے سے لکھا کہ

احسان کے لغوی معنی اچھا کرنے کے ہیں۔[230]

---

[228]بنی اسرائیل:۷

[229]النحل:۹۰

[230]مولانا مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، جلد ۵، صفحہ ۳۹۰

اور احسان کی دو اقسام بیان کیں

1. کوئی شخص اپنی خلق اور عادت میں کسی چیز کو اچھا کرے یا اپنے اخلاق کو مکمل کرے
2. دوسرا کسی دوسرے کے ساتھ اچھا سلوک کرے یا عمدہ معاملہ کرے

قرآن مجید فرقان حمید میں اور عربی ادب میں کسی دوسرے کے ساتھ نیکی کرنے کو احسان کے ساتھ تعبیر کیا گیا جیسا کہ آیت مبارکہ ہے

وَ اَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَ لَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ[231]

اور حسن سلوک اپنا جیسا کہ اللہ نے تجھ پر احسان فرمایا

امام قرطبی نے لکھا کہ آیت میں یہ لفظ اپنے عام مفہوم کے لیے مستعمل ہوا ہے اس لیے احسان کی دونوں قسموں کو شامل ہے۔ پہلی قسم کا احسان یعنی کسی کام کو اپنی ذات میں اچھا کرنا اس کا حکم بھی عام ہے عبادات کو اچھا کرنا، اعمال و اخلاق کو اچھا کرنا، معاملات کو اچھا کرنا اور دوسرا حکم لوگوں کے ساتھ نیکی کرنا اور بھلائی کرنا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک معروف حدیث جس کو حدیث جبرائیل کہا گیا اس میں احسان کا معنی کچھ یوں لیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

اور صاحب معارف القرآن نے قرآنی آیات اور احادیث کی روشنی میں اس چیز کو اخذ کیا کہ احسان دو طرح کا ہوتا ہے ایک اپنی ذات کے ساتھ اور دوسرا لوگوں کے ساتھ۔ اپنی ذات کے ساتھ سے مراد کہ بندہ عبادات کو اچھا کرے، معاملات کو اچھا کرے، اپنے اخلاق کو اچھا کرے اور جس کی توثیق ایک آیت مبارکہ سے کی۔ اور دوسرا رسول اللہ کی حدیث سے حدیث جبرائیل سے اس کی توثیق کی۔ اور لوگوں کے ساتھ احسان کرنے کے متعلق بھی آیت مبارکہ سے توثیق فرمائی۔

---

[231] القصص:۷۷

یاد رہے کہ احسان اور عدل میں فرق ہوتا ہے عدل کسی چیز کا برابر برابر معاوضہ جتنا کسی کا حق بنتا ہو اتنا دے دینا یہ عدل کہلاتا ہے اور احسان کسی کو اس کے حصہ اور اس کے حق سے زیادہ دے دینا احسان کہلاتا ہے اللہ تعالی نے احسان کا حکم عدل کا حکم بھی دیا اور احسان کا، لیکن احسان کو بہر حال عدل پر فضیلت حاصل ہے۔

علامہ ابو محمد عبد الحق حقانی نے قرآن مجید کی آیت مبارکہ

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ وَ اِيْتَآئِ ذِى الْقُرْبٰى وَ يَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ وَ الْبَغْيِ-يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ[232]

بے شک اللہ عدل اور احسان کا حکم فرماتا ہے اور قرابت والوں کو دینے کا اور منع فرماتا ہے بے حیائی اور کردار سوز باتوں سے اور سر کشی سے، وہ تمہیں رسیلے بولوں سے سمجھاتا ہے تا کہ ایک ایک چیز تمہارے ذہن نشین ہو جائے۔

کی تفسیر میں احسان کے حوالے سے تحریر فرمایا۔

انھوں نے احسان سے دو معانی مراد لیے یا دو معنوں میں استعمال کیا۔

1. احسان عبادات میں
2. احسان معاملات میں۔[233]

سب سے پہلے انہوں نے احسان کی تعریف کی کہ احسان ہر چیز سے جدا ہو جانا اور ہر چیز کو عمدگی کی شکل میں ڈھال لینا احسان ہے۔ لیکن اس میں عبادات اور معاملات کو انہوں نے یوں بیان کیا کہ عبادات میں احسان یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم اللہ کی عبادت ایسے کر جیسے تو اسے دیکھ رہا ہو گویا ہر چیز سے ہر ذہن خیال سے خود کو پاک صاف کر کے للّٰہیت اور لوجہ اللہ عبادت کرنا اور ریاکاری اور تصنع سے خود کو بچانا یہ احسان ہے۔

---

[232] النحل:۹۰

[233] حقانی، علامہ ابو محمد عبد الحق حقانی، فتح المنان مشہور بہ تفسیر حقانی، دار الاشاعت کراچی، ۲۰۱۳، جلد ۲، ص ۶۰۸

معاملات میں کہا کہ معاملات میں احسان دوسروں کو حقوق دینا اور انتقام سے در گزر کرنا ہے۔ جیسا رسول اللہ کی اس حدیث سے سبق ملتا ہے کہ اگر کوئی تجھے گالی دے تو اسے دعا دے۔ جو تجھ سے رشتہ توڑے تو اس سے رشتہ جوڑ۔ انسان عبادات میں اللہ تعالی کے ساتھ احسان کرتا ہے دراصل انسان اپنی ذات کے ساتھ احسان کرتا ہے۔ صاحب تفسیر حقانی نے لوگوں کے ساتھ احسان کو یوں بیان کیا کہ لوگوں کے حقوق کی ادائیگی اور لوگوں سے انتقامی کاروائیوں سے اجتناب یہ احسان ہے۔

علامہ ابو الحسنات سید محمد احمد قادری نے قرآن مجید کی آیت مبارکہ

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ وَ اِیْتَآیِٔ ذِی الْقُرْبٰی وَ یَنْہٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْکَرِ وَ الْبَغْیِ-یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ[234]

بے شک اللہ عدل اور احسان کا حکم فرماتا ہے اور قرابت والوں کو دینے کا اور منع فرماتا ہے بے حیائی اور کردار سوز باتوں سے اور سر کشی سے، وہ تمہیں رسیلے بولوں سے سمجھاتا ہے تاکہ ایک ایک چیز تمہارے ذہن نشین ہو جائے۔

کی تفسیر میں احسان کی تعریف اور مفہوم بیان کیا اور لکھا کہ اعمال اور عبادات میں مسابقت کرنا احسان کہلاتا ہے۔[235]

اور اس کی توثیق میں نے رسول کی اس حدیث سے جسے حدیث جبرائیل کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالی کی عبادت یوں کرو کہ جیسے تم اس کو دیکھ رہے ہو اور اگر یوں نہیں تو کم از کم اس طرح کے وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

صاحب تفسیر حسنات نے احسان کو تین معانی کے اندر لیا

سب سے پہلی تعریف انہوں نے یوں کی کہ احسان اعمال اور عبادات میں مسابقت کرنا ہے جس کی توثیق انہوں نے بخاری شریف کی حدیث جو حدیث جبرائیل کے نام سے معروف ہے اس سے کی کہ رسول نے فرمایا کہ اللہ کی عبادت ایسے کرو جیسے تم اسے دیکھ رہے یا یوں کرو کہ گویا کم از کم وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

---

[234] النحل:۹۰

[235] ابو الحسنات، علامہ ابو الحسنات سید محمد احمد قادری، تفسیر حسنات، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۲۳، جلد ۳، ص ۵۶۹

اور ایک احسان کی تعریف انہوں نے حضرت ابن عباس کے قول کے ساتھ کی کہ احسان ادائے فرائض کا نام ہے کہ اللہ تعالی نے جو چیزیں فرض کی ہیں ان کو ادا کرنا احسان کہلاتا ہے۔

اور تیسرا حضرت عیسی علیہ السلام کا ایک قول نقل کرتے ہوئے احسان کا معنی لیا اور وہ یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ جو برائی کریں ان سے چشم پوشی کی جائے اور لوگوں کو در گزر کیا جائے۔[236]

مفتی احمد یار خان نعیمی نے قرآن مجید کی آیت مبارکہ

الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ الْكٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَ الْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ-وَ اللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ[237]

وہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں خوشی میں ہوں تو بھی اور تکلیف میں ہوں تو بھی اور غصے کو پی جانے والے اور لوگوں سے در گزر کرنے والے ہوتے ہیں اور اللہ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

کی تفسیر میں احسان کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ

احسان حسن سے بنا بمعنی اچھا ہونا یا اچھائی کرنا[238]۔

اسی لیے حدیث شریف میں احسان کی تفسیر اخلاص فی العمل سے کی گئی

ارشاد ہوا یہ سمجھ کر عبادت کرو کہ تم خدا کو دیکھ رہے ہو اگر یہ نہ سمجھ سکو تو یہی خیال کر لو کہ خدا تمہیں دیکھ رہا ہے۔[239]

تفسیر کبیر نے لکھا کہ دوسروں سے بھلائی کرنے کی دو صورتیں ہیں انہیں نفع پہنچانا اور ان سے نقصان یا تکلیف دور کرنا۔ رب تعالی نے یہاں دونوں کا ذکر فرمایا چنانچہ بہر حال خرچ کرنے میں نفع رسانی کا ذکر ہے اور غصہ پی جانے اور معافی دینے میں دفع ضرر کا تذکرہ۔ لہذا محسن نے کامل وہ ہے جس میں دونوں صفتیں موجود ہوں۔[240]

---

[236] علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری، تفسیر حسنات، جلد ۳، ص ۵۶۹

[237] آل عمران: ۱۳۴

[238] مفتی احمد یار خان نعیمی، تفسیر نعیمی، ج ۴، ص ۲۰۵

[239] مفتی احمد یار خان نعیمی، تفسیر نعیمی، ج ۴، ص ۲۰۵

[240] مفتی احمد یار خان نعیمی، تفسیر نعیمی، ج ۴، ص ۲۰۵

خلاصہ

احسان وہ مقام ہے جس میں بندہ خدا کے اسماء وصفات کے آثار کو دیکھتا ہے۔ اور اپنی عبادت میں تصور کرتا ہے کہ میں خدا کے سامنے ہوں اور کم سے کم درجہ یہ ہے کہ وہ دسوچے کہ اللہ تعالی میری طرف دیکھتا ہے۔ اس کی توثیق رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے ارشاد نور سے ہوتی ہے کہ عبادت کرے تو اللہ کی اس طرح کے گویا تو اسے دیکھتا ہے بس اگر نہیں دیکھ سکتا تو اس کو تو وہ یقینا تجھ کو دیکھتا ہے یہ مراقبہ کا پہلا زینہ بھی ہے اور محسن ہر کام اللہ ہی کے واسطے کرتا ہے۔ اللہ کے جلال سے ڈرتا ہے اور اس کے جمال کی رغبت رکھتا ہے تصوف کو شریعت میں کی اصطلاح میں احسان بھی کہتے ہیں اور احسان کو عملی صورت میں لانے کا نام دراصل تصوف ہے۔ اور مفسرین کے نزدیک ہر خوبصورت چیز جس کو دیکھ کے انسان مرغوب ہو وہ حسن ہے اور احسان اسی سے ماخوذ ہے۔ احسان یا حسن ان چیزوں کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جن کا ادراک عقل سے ہو سکتا ہے۔ کچھ مفسرین نے لکھا کہ احسان دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے یا کسی پر انعام کرنا یا کوئی نیکی کا کام کرنا۔ یعنی یا بندہ اپنی عادت کو اپنے اخلاق کو اچھا کرے یا بندہ کسی دوسرے کے ساتھ حسن سلوک کرے اور اچھائی سے پیش آئے جیسے رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اور حسن سلوک کر اپنے جیسا جیسا کہ اللہ نے تجھ پر احسان فرمایا۔

صبر

کسی معاملہ میں مخلوق کی زبان سے خالق کی نہ تو شکایت کرنا، نہ دل میں شکایت کا تصور پیدا ہونے دینا صبر کہلاتا ہے۔[241]

اللہ تعالیٰ ایوب علیہ السلام کے صبر کی تعریف فرماتا ہے اور فرماتا ہے کہ وہ اچھے بندے تھے۔ ارشاد باری تعالی ہے

اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ[242]

بے شک ہم نے اسے پایا صبر والا کیا ہی اچھا بندہ تھا وہ بہت رجوع لانے والا تھا۔

---

[241] سید محمد ذوقی، سر دلبراں، ص ۲۸۹

[242] ص: ۴۴

یعنی اپنے حالات کو اللہ کی طرف رجوع کرتے تھے رفع تکلیف کے لیے آپ اسباب کی جانب التفات نہ فرماتے تھے بلکہ حق تعالیٰ سے دعا کرتے تھے، معلوم ہوا کہ دعا سے صبر میں کوئی قباحت نہیں واقع ہوتی۔

غیر اللہ سے استغاثہ کرنے سے دل و زبان کو روکنا صبر ہے اور غیر اللہ سے مراد حق تعالیٰ کی وہ جملہ جہات ہیں جو اس کی اس جہت خاص کے علاوہ ہیں جسے ھویت کہتے ہیں۔[243]

عارف باللہ ھویت حق سے اپنی رفع تکلیف کے لیے دعا کرتا ہے۔ اپنے نفس کو ایسا کرنے سے باز رکھنا گویا حق تعالیٰ کے سامنے مٹھ مردی اور گستاخی سے پیش آنا ہے۔ عبدیت اور انکسار اس میں ہے کہ اپنی ہر تکلیف پر بارگاہ الہی میں گریاوزاری اور لجاجت اور عاجزی سے سوال کرے کیونکہ اس تکلیف کا ازالہ بارگاہ الہی ہی سے ہوتا ہے۔ یہ درست ہے کہ حق تعالیٰ کسی سبب سے ہی کے وسیلے سے اس تکلیف کا ازالہ فرماتا ہے مگر سبب کی جانب رجوع کرنے سے بہتر ہے کہ مسبب کی جانب رجوع کیا جائے۔ ایک چیز کے متعدد اسباب ہوتے ہیں اور بندہ نہیں جانتا کہ علم الہی میں کون سا خاص سبب اس امر خاص کے لیے معین ہو چکا ہے۔ بعض لوگ دعا میں اپنی بھی اپنی طرف سے سبب معین کر دیتے ہیں حالانکہ وہ سبب علم الہی کے مطابق نہیں ہوتا۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ خدا نے دعا قبول نہ کی حالانکہ خدا سے دعا ہی نہیں کی گئی۔ بلکہ اس سبب خاص سے دعا کی گئی جس کے لیے وقت و حالات مقتضی نہ تھے۔

استنباط

علامہ غلام رسول سعیدی نے قرآن مجید کی آیت مبارکہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَ صَابِرُوْا وَ رَابِطُوْا وَ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ[244]

اے ایمان والو صبر کرو اور مقابلہ میں ثابت قدم رہو اور حفاظت دین کیلئے مستعد رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم کامیاب ہو

---

[243] سید محمد ذوقی، سر دلبراں، ص ۲۸۹

[243] قاضی عبد الکبیر منصور پوری، فرہنگ اصطلاحات تصوف، ص ۱۳

[244] آل عمران: ۲۰۰

کی تفسیر میں صبر کا لغوی معنی اور شرعی معنی اور مفہوم تحریر کیا اور متعدد احادیث اور اقوال سلف صالحین تحریر کیے۔

سب سے پہلے صبر کے لغوی اور اصطلاحی معنی کو تحریر کیا

صبر کا لغوی معنی ہے تنگی میں کسی چیز کو روکنا۔

اصطلاح میں صبر عقل اور شرع کے تقاضوں کے مطابق نفس کو روکنے کا اور پابند کرنے کا نام ہے۔[245]

اس کی تین انواع انہوں نے لکھی کہ

1. صبر مصیبت پہنچنے پر نفس کو جزا اور فذع سے روکنا چیخ و پکار سے روکنا یہ بھی صبر ہے
2. اور جنگ کے وقت نفس کو بزدلی سے روکنا یہ بھی صبر ہے جسے شجاعت کہتے ہیں۔
3. اور عبادات میں مشقتوں کو برداشت کرنا اور غضب اور شہوت اور حرص اور طمع کی تحریک کے وقت اپنے نفس کو اللہ کی نا فرمانی سے روکنا بھی صبر ہے اور اس کو اطاعت کہتے ہیں۔

اور ان تینوں انواع پر صاحب تبیان القرآن نے احادیث بھی نقل کی ہیں:

مصیبت کے وقت نفس کو جزا اور فذع سے روکنے کے متعلق حدیث لکھی

نے لکھا کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک عورت کے قریب سے گزرے جو قبر کے پاس رو رہی تھی آپ نے فرمایا اللہ سے ڈرو اور صبر کرو اس نے کہا ایک طرف ہٹو تم کو میری طرف مصیبت نہیں پہنچی اس نے آپ کو پہچانا نہیں تھا اس کو بتایا گیا کہ یہ تو نبی ہیں۔ وہ نبی کے دروازہ پر آئی وہاں اس نے کوئی دربان نہیں پایا اس نے کہا میں نے آپ کو پہچانا نہیں تھا آپ نے فرمایا جب پہلی بار صدمہ یا مصیبت پہنچے اسی وقت نفس کو روکنا صبر ہوتا ہے۔[246]

---

[245] مولانا مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، جلد ۱، صفحہ ۳۵۸

[246] بخاری، امام محمد بن اسماعیل بخاری، الجامع الصحیح، پروگریسو بک، لاہور ۲۰۱۸، کتاب کتاب الجنائز، باب زیارۃ القبور، حدیث ۱۲۸۳

ابو الحسین مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری، صحیح مسلم شریف حدیث ۹۲۶

اور کفار سے جنگ کے وقت اپنے نفس کو بزدلی سے روکنے کے متعلق حدیث لکھی

حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دشمنوں سے جنگ کرتے ہوئے ایک دن انتظار کیا تھا کہ سورج ڈھل گیا پھر آپ نے لوگوں میں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا اے لوگو دشمن سے مقابلہ کی توقع نہ کرو اور اللہ سے عافیت کا سوال کرو جب تمہارا دشمن سے مقابلہ ہو تو صبر کرو یعنی بزدلی نہ کرو یقین رکھو کہ جنت تلواروں کے سائے کے نیچے ہے۔[247]

عبادات کی مشقتوں کو برداشت کرنے کے متعلق حدیث لکھی

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالی عنہما بیان کرتے ہیں کہ جس دن سورج گرہن ہوا اسے نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ والہ وسلم گھبرائے آپ نے اپنی قمیض پہنی اور چادر اوڑھی پھر آپ نے لوگوں کو نماز پڑھائی اور اس میں بہت لمبا قیام کیا پھر آپ نے رکوع کیا میں نے دیکھا کہ ایک عورت مجھ سے عمر میں بڑی تھی اور وہ کھڑی ہوئی تھی اور وہ ایک عورت میری بنسبت بیمار تھی وہ بھی قیام میں تھی تو میں نے دل میں کہا کہ میں تمہاری بنسبت زیادہ حقدار ہوں کہ طول قیام کی مشقت پر صبر کروں۔[248]

مولانا مفتی میں شفیع نے قرآن مجید کی آیت مبارکہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَ صَابِرُوْا وَ رَابِطُوْا وَ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ[249]

اے ایمان والو صبر کرو اور مقابلہ میں ثابت قدم رہو اور حفاظت دین کیلئے مستعد رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم کامیاب ہو

اور آیت مبارکہ

---

[247] امام محمد بن اسماعیل بخاری، الجامع الصحیح، حدیث ۲۹۶۵

ابو الحسین مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری، صحیح مسلم شریف حدیث ۱۸۷۷

[248] امام احمد، امام احمد بن حنبل، مسند احمد، مطبوعہ اسلامی مکتبہ بیروت، ۱۳۹۸ھ، جلد ۶، ص ۳۴۹

[249] آل عمران: ۲۰۰

وَ اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ[250]۔

اور مدد گار بناو اپنا صبر کو اور نماز کو

ان دو آیات کی تفسیر میں صبر کے حوالے سے سیر حاصل بحث کی ہے۔ جس میں سب سے پہلے صبر کا لغوی اور اصطلاحی معنی پھر صبر کی اقسام اور ان کے مفاہیم آیات قرآنیہ اور احادیث کی روشنی میں تحریر کیے۔

صبر کے لفظی معنی روکنے اور باندھنے کے ہیں اور اصطلاح قرآن وسنت میں نفس کے خلاف تباہ چیزوں پر جمائے رکھنے کو صبر کہا جاتا ہے۔[251]

جس کی تین قسمیں ہیں

1. صبر علی الطاعات: یعنی جن کاموں کا اللہ تعالی نے اور اس کے رسول صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا ہے ان کی پابندی کرنا۔ خواہ وہ طبیعت پر کتنی بھی شاک ہو اس پر نفس کو جمائے رکھنا۔
2. صبر عن المعاصی: یعنی جن چیزوں سے اللہ تعالی اور اس کے رسول صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا ہے وہ نفس کے لیے خواہ کتنی ہی مرغوب اور لذیذ ہو نفس کو اس سے روکنا۔
3. صبر علی المصائب: یعنی مصیبت وتکلیف پر صبر کرنا۔ حد سے زیادہ پریشان نہ ہونا۔ اور سب تکالیف وراحت کو حق تعالی کی طرف سے سمجھ کر نفس کو بے قابو نہ ہونے دینا۔[252]

مصابرت بھی صبر سے ہی ماخوذ ہے اس کے معنی دشمن کے مقابلہ میں ثابت قدم رہنا ہے۔

---

[250] البقرة:۴۵

[251] مولانا مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، جلد ۲، صفحہ ۲۴۷

[252] مولانا مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، جلد ۲، صفحہ ۲۴۷

مولانا مفتی محمد شفیع نے صبر کو لذات اور شہوات نفسانی پر قابو حاصل کرنے سے بھی تعبیر کیا ہے۔ ان کے نزدیک اپنی لذات اور شہوات کو قابو کر لینا بھی صبر کہلاتا ہے۔[253]

صبر لذات اور شہوات پر قابو پانا ہے اور ان کے قابو پانے سے حب مال گھٹ جاتی ہے کیونکہ مال کی محبت انسان کو صرف لذات اور شہوات انسانیت کے پورا کرنے کے لیے ہے۔ تو جب انسان ان چیزوں پر کنٹرول حاصل کر لیتا ہے اور اعتدال کر لیتا ہے تو پھر انسان لذات اور شہوات انسانیت کی تکمیل کو چھوڑ دیتا ہے اور یہی چیز صبر کہلاتی ہے۔

مولانا اشرف علی تھانوی نے قرآن مجید کی آیت مبارکہ

وَ اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ[254]-

اور مدد گار بناو اپنا صبر کو اور نماز کو

کی تفسیر میں صبر کے حوالہ سے تحریر کیا ہے۔

انہوں نے صبر کو صوم سے تعبیر کیا ہے لکھا ہے کہ انسان کو اس آیت جو صبر سے استعانت حاصل کرنے کا حکم دیا گیا یہ دراصل صوم کا حکم دیا گیا۔ یعنی صبر سے مدد حاصل کرنے سے مراد خود کو صوم کے ساتھ جوڑنے کا حکم ہے کیونکہ صوم شہوت کو توڑتا ہے۔[255]

علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری نے قرآن مجید کی آیت مبارکہ

وَ اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ[256]-

اور مدد گار بناو اپنا صبر کو اور نماز کو

---

[253] مولانا مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، جلد ۱، صفحہ ۲۲۰

[254] البقرة:۴۵

[255] مولانا مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، جلد ۱، صفحہ ۲۲۰

[256] البقرة:۴۵

اور آیت مبارکہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَ صَابِرُوْا وَ رَابِطُوْا وَ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ[257]

اے ایمان والو صبر کرو اور مقابلہ میں ثابت قدم رہو اور حفاظت دین کیلئے مستعد رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم کامیاب ہو

ان دو آیات کی تفسیر میں صبر کے حوالے سے تحریر کیا ہے

صبر سے مراد قوت برداشت ہے۔[258]

صبر کی تین قسمیں ہیں

1. شدت و مصیبت پر نفس کو روکنا
2. عبادات کی مشقوں میں مستقل رہنا
3. معصیت کی طرف مائل ہونے سے طبیعت کو باز رکھنا

اور یہاں پہ انہوں نے یہ بھی لکھا کہ بعض مفسرین نے صبر سے یہاں مراد روزہ لیا ہے اور وہ بھی صبر کا ایک جز ہے۔
حضرت جنید بغداد کا ایک قول لکھا کہ صبر نام ہے ناگوار امور پر اپنے نفس کو بغیر جزع اور فزع کے روک کر رکھنا۔[259]
مفتی احمد یار خان نعیمی نے قرآن مجید کی آیت مبارکہ

وَ اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ[260]۔

اور مدد گار بناو اپنا صبر کو اور نماز کو

کی تفسیر میں صبر کے حوالے سے لکھا کہ

---

[257] آل عمران:۲۰۰

[258] علامہ ابو الحسنات سید محمد احمد قادری، تفسیر حسنات، جلد ۳، ص ۵۶۹

[259] علامہ ابو الحسنات سید محمد احمد قادری، تفسیر حسنات، جلد ا، ص ۶۴۸

[260] البقرۃ:۴۵

صبر کی حقیقت یہ ہے کہ آدمی کسی سخت کام میں دل پر قدورت نہ آنے دے اور اگر آ بھی جائے تو اس کی پرواہ نہ کرے اور کام کو سخت نہ جانے۔[261]

اس کی دو قسمیں ہیں

صبر بدن

صبر بدن یہ یہ ہے کہ رضائے مولا کے لیے سخت محنت برداشت کرے روزہ نماز حج سردی کے موسم کے وضو وغیرہ کی سختی پر خیال نہ کرے یا بدنی امراض پر رب سے ناراض نہ ہو علاج اور دعا خلاف صبر نہیں

صبر نفس نفس کو اس کی ناجائز خواہشوں سے روکنے کو صبر نفس کہتے ہیں۔

اس کی بہت سی قسمیں ہیں۔

1. نام پیٹ اور شرمگاہ کی غلط خواہش سے رکنے کو عفت کہتے ہیں۔
2. مال و دولت کی ہوس سے باز رہنے کو قناعت کہتے ہیں۔
3. مصیبت میں تحمل کرنے کو صبر عرفی کہتے ہیں۔
4. تونگری میں غرور تکبر سے بچنے کو حوصلہ کہتے ہیں۔
5. جہاد کفار میں قائم رہنے کو شجاعت کہتے ہیں۔
6. اور غصے میں آپے میں رہنے کو حلم کہتے ہیں۔
7. زبان سے کسی کا راز فاش نہ کرنے کو رازداری کہتے ہیں۔[262]

---

[261] مفتی احمد یار خان نعیمی، تفسیر نعیمی، ج ۲، ص ۷۸

[262] مفتی احمد یار خان نعیمی، تفسیر نعیمی، ج ۲، ص ۷۸

زبان سے خالق کی شکایت نہ کرنا اور نہ دل میں شکایت کا تصور پیدا ہونے دینا صبر کہلاتا ہے جو اپنی اپنی اپنے حالات کو اللہ تعالی کی طرف مڑے رکھنا اسی کو رفع تکالیف اور حل مشکلات کے لیے مسبب حقیقی جاننا اور مفسرین نے اس کا معنی مصیبت پہنچنے پر نفس کو چیخ و پکار سے روکنا جنگ کے وقت نفس کو بزدلی سے روکنا عبادات میں مشکوں میں اور مشقتوں میں خود کو مستحکم رکھنا اور غضب اور شہوت اور حرص کی تمام میں اپنے نفس کو نافرمانی سے بچانا یہ سب صبر کہلاتا ہے اس کو مفسرین نے اس انداز میں بھی ملی کہ جن کاموں پر اللہ تعالی نے کرنے کا حکم دیا ان کاموں کو کرنا بھی صبر کہلاتا ہے جن کاموں سے رکنے کا حکم دیا ان کا مجھ سے رکنا بھی صبر کہلاتا ہے اور مصیبتوں تکالیف اور پریشانیوں میں خود کو ثابت قدم رکھنا بھی صبر کہلاتا ہے۔

شکر

شکر حقیقی ایک کیفیت خاص ہے جو نعمت کے منعم سے منسوب کرنے اور اس نعمت کو منعم کی مرضی کے مطابق صرف کرنے سے سالک کے قلب میں لذت و سرور کے ساتھ پیدا ہوتی ہے۔[263] یعنی جب کسی شخص کو خالق حقیقی اللہ رب العزت کی طرف سے کوئی نعمت عطا ہو تو وہ شخص اس کو اللہ تعالی کے احکامات کے مطابق صرف کرے اور خرچ کرے تو اس وقت انسان کے دل میں جو کیفیت پیدا ہوتی ہے وہ شکر کہلاتی ہے۔

استنباط

علامہ غلام رسول سعیدی نے قرآن مجید کی آیت مبارکہ

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَ اشْكُرُوْا لِيْ وَ لَا تَكْفُرُوْنِ[264]

خوب ذکر کرو میرا میں بھی تمہیں یاد میں رکھوں گا اور شکر ادا کیا کرو میرا اور کبھی بھی کفر نہ کرنا

---

[263] سید محمد ذوقی، سر دلبراں، ص ۲۸۶

قاضی عبد الکبیر منصور پوری، فرہنگ اصطلاحات تصوف، ص ۱۱۰

[264] البقرۃ: ۱۵۲

اور آیت مبارکہ

وَ لَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِی الْاَرْضِ وَ جَعَلْنَا لَكُمْ فِیْهَا مَعَایِشَؕ-قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ[265]

اور بے شک ہم نے تمھیں زمین میں اقتدار بخشا تمھارے لیے اسباب زندگی بنائے، تم ہو کہ بہت کم شکر بجالاتے ہو۔

ان دو آیات کی تفسیر میں شکر کے حوالہ سے سیر حاصل گفتگو کی اور تحریر کیا کہ

شکر کا معنی ہے اللہ تعالی کی نعمتوں پر اس کا اعتراف کرنا اور اس کا اس کی حمد وثنا کرنا۔[266]

دوسرا معنی لکھا کہ انسان کا نعمت دینے والے کا احسان مند ہونا اور اس احسان کی قدر کرنا اور اس اور اس نعمت کو منعم کی مرضی کے مطابق استعمال کرنا اور محسن اور منعم کا وفادار رہنا یہ شکر کہلاتا ہے۔

اور کبھی بھی کفران نعمت نہ کرنا اور ہمیشہ منعم کی سخا کو وجہ عطا سمجھنا نہ کہ اپنی کوشش کرنا شکر کہلاتا ہے۔ اور احسان فراموشی اور نمک حرامی اور غداری کو ناشکری سے تعبیر کیا ہے۔[267]

علامہ فیروز آبادی نے شکر کی تین قسمیں لکھی ہیں کہ

1. شکر بالقلب: یہ نعمت کا تصور کرنا ہے
2. شکر بالسان: یہ نعمت دینے والے کی حمد وثنا کرنا اور زبان سے تعظیم کرنا ہے
3. شکر بالجوارح: یہ بقدر استحقاق نعمت کے بدلے میں کوئی نعمت دینا ہے

اس کے علاوہ انہوں نے شکر کی پانچ بنیادیں بھی لکھیں کہ

1. منعم کے سامنے شکر کرنے والے کا عجز وانکسار سے پیش آنا

---

[265] الاعراف:۱۰

[266] علامہ غلام رسول سعیدی، تبیان القرآن، جلد ا، ص ۲۲۲

[267] علامہ غلام رسول سعیدی، تبیان القرآن، جلد ا، ص ۲۲۲

2. منعم سے محبت کرنا

3. اس کی نعمت کا اعتراف کرنا

4. اس نعمت پر منعم کی تعریف کرنا

5. منعم کی نعمت کو اس کی ناپسندیدہ جگہ استعمال نہ کرنا[268]

اس کے علاوہ انہوں نے جنید بغدادی کا بھی ایک قول لکھا کہ شکر یہ ہے کہ تم یہ گمان کرو کہ تم اس نعمت کے اہل نہ تھے اور پھر بھی تمہیں وہ دے دی گئی۔ ابو عثمان نے کہا شکر یہ ہے کہ تم منعم کا شکر ادا کرنے سے عاجز ہو۔ شبلی نے کہا کہ شکر یہ ہے کہ تم نعمت کو نہ دیکھو بلکہ نعمت دینے والے کو دیکھو۔[269]

میر سید شریف علی جرجانی کے حوالہ سے لکھا کہ

شکر کا لغوی معنی یہ ہے کسی نعمت پر زبان دل یا دیگر اعضا سے منعم کی تعظیم و تکریم کرنا۔

شکر کا اصطلاحی معنی یہ ہے کہ اللہ تعالی نے بندے کو سمع بصر اور دیگر نعمتیں جو عطا کی ہیں ان کو اپنی مقاصد تخلیق کے مطابق خرچ کرنا۔[270]

امام غزالی نے بھی شکر کی اقسام بیان کی ہیں

1. دل کا شکر یہ ہے کہ نعمت کے ساتھ خیر اور نیکی کا قصد کیا جائے۔

2. اور زبان کا شکر یہ ہے کہ اس نعمت پر اللہ تعالی کی حمد و ثنا کی جائے۔

3. باقی اعضا کا شکر یہ ہے کہ اللہ تعالی کی نعمتوں کو اللہ تعالی کی عبادت میں خرچ کیا جائے۔[271]

---

[268] علامہ غلام رسول سعیدی، تبیان القرآن، جلد ۴، ص ۵۲

[269] علامہ غلام رسول سعیدی، تبیان القرآن، جلد ۴، ص ۵۲

[270] میر سید شریف جرجانی، کتاب التعریفات، مطبوعہ المطبعہ الخیریہ مصر ۱۳۰۶ھ، ص ۶۵

[271] امام غزالی، احیاء العلوم، مطبوعہ دار الخیر، بیروت، ۱۴۱۳، ج ۳، ص ۳۳۸

گویا انہوں نے شکر کی تین اقسام بیان کی ہیں دل کا شکر زبان کا شکر اور باقی اعضاء کا شکر اور آنکھ کا شکر بھی لکھا کہ اللہ تعالی کی پسندیدہ چیزوں کو دیکھے اور ناپسندیدہ چیزوں کو ترک کر دے

پھر شکر کے متعلق قرآن مجید کی آیات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث بھی لکھیں جو شکر کی فضیلت کو ظاہر کرتی ہیں ۔

ارشاد باری تعالی ہے

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَ اٰمَنْتُمْ‌ؕ-وَ كَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا[272]

اللہ تمھیں عذاب دے کر کیا کرے گا اگر تم شکر بجالاو اور ایمان لاو اور اللہ قدر دان علم والا ہے

ابن جریر طبری کی اپنی سند کے ساتھ حدیث بیان کی کہ حضرت حکم بن عمیر رضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ والہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب تم نے الحمدللہ رب العالمین کہا تو تم نے اللہ تعالی کا شکر ادا کیا اور اللہ تعالی تمہاری نعمت میں زیادتی کرے گا اس کو زیادہ فرمائے گا۔[273]

علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری نے قرآن مجید کی آیت مبارکہ

وَ اِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَىٕنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّكُمْ[274]

اور یاد کرو جب تمھارے رب نے بوضاحت یہ بات بتادی کہ اگر تم شکر ادا کروگے تو میں تمھیں ضرور اور خوب نوازوں گا

کی تفسیر میں شکر کے حوالے سے تحریر کیا کہ

شکر کی اصل یہ ہے کہ انسان نعمت کا تصور اور اس کا اظہار کرے۔

اور حقیقت شکر یہ ہے کہ منعم کی نعمت کا اس کی تعظیم کے ساتھ اعتراف کرے اور نفس کو اس کا خوگر بنائے۔

---

[272] النساء:۱۴۷

[273] طبری، امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری، جامع البیان، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ، ج۱، ص۹۰

[274] ابراھیم:۷

شکر سے نعمت زیادہ ہوتی ہے[275]۔

انہوں نے علامہ الوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے تین قول نقل فرمائے

1. شکر کے معنی یہ ہیں کہ اگر تم توحید الہی اور اطاعت رسالت ہی میں مضبوط ہو گئے تو تمہارا ثواب ہم زیادہ کریں گے۔ یہ ابن عباس کے حوالہ سے ہے۔
2. اگر تم شکر گزار رہے تو میں اپنی عطاو انعام کو تم پر زیادہ کروں گا۔ یہ معنی سفیان ثوری سے ہے
3. حقیقت شکر یہ ہے کہ منعم حقیقی کے نام کا اعتراف ایسے کیا جائے کہ اس کی تعظیم بھی اس میں ہو۔

مزید لکھتے ہیں کہ شکر کرنے والا ہر حال میں مطالعہ اقسام نعمت الٰہیہ میں رہتا ہے اور اس کے فضل و کرم پر نظر رکھتا ہے۔

مولانا مفتی میں شفیع نے قرآن مجید کی آیت مبارکہ

وَ اِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَىٕنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّكُمْ[276]

اور یاد کرو جب تمھارے رب نے بوضاحت یہ بات بتادی کہ اگر تم شکر ادا کرو گے تو میں تمھیں ضرور اور خوب نوازوں گا

کی تفسیر میں شکر کی حقیقت کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ

شکر کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو اس کی نافرمانی اور حرام و ناجائز کاموں میں خرچ نہ کرے اور زبان سے بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور اپنے افعال و اعمال کو بھی اس کی مرضی کے مطابق بنادے۔[277]

[275] علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری، تفسیر حسنات، جلد ۳، ص ۳۸۷

[276] ابراھیم: ۷

[277] مولانا مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، جلد ۵، ص ۲۳۳

خلاصہ

شکر ایک خاص کیفیت ہے جو نعمت کے منعم سے منسوب کرنے اور اس نعمت کو منعم کی مرضی کے مطابق صرف کرنے سے ایک سال کے دل میں پیدا ہونے والی خوشی ہے یعنی جب کسی شخص کو خالق حقیقی اللہ رب العزت کی طرف سے کوئی نعمت عطا ہو تو وہ شخص اس کو اللہ تعالی کے احکامات کے مطابق صرف کرے اور خرچ کرے تو اس وقت انسان کے دل میں جو کیفیت پیدا ہوتی ہے وہ شکر کہلاتی ہے مفسرین نے اس کو اس معنی میں لیا کہ شکر کا معنی ہے اللہ تعالی کی نعمتوں پر اس کا اعتراف کرنا اور اس کی حمد و ثنا کرنا اور انسان کا نعمت دینے والے کا احسان مند ہونا اس طرح سے بھی ہے کہ وہ اس کے نعمتوں کا زیاں نہ کرے اور اس کا وفادار رہے کبھی کبھی بھی کفران نعمت نہ کرے اور ہمیشہ شکر کرتا رہے یعنی زبان کے ساتھ دل کے ساتھ اور اپنے عذاب بدنیہ کے ساتھ اس خالق حقیقی کا شکر ادا کرتا رہے۔

تزکیہ

نفس کو ذمائم سے پاک کرنا[278]

خود کو ہر برائی سے ہر بری چیز سے ہر برے عمل سے محفوظ کرنا اور خود کو نیکی کے راستے پر رکھنا اور برائیوں سے خود کو بچانا اپنے باطن کو پاک اور صاف کرنا تزکیہ کہلاتا ہے۔

استنباط

علامہ غلام رسول سعیدی نے قرآن مجید کی آیت مبارکہ

رَبَّنَا وَ ابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُزَكِّيْهِمْ-اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ[279]

---

[278] قاضی عبدالکبیر منصور پوری، فرہنگ اصطلاحات تصوف، ص ۱۱۰

سید محمد ذوقی، سر دلبراں، ص ۱۵۰

[279] البقرۃ:۱۲۹

رب ہمارے ان میں انہی میں سے عظیم رسول اٹھاجو ان پر تیری آیتیں تلاوت کرے اور سکھائے انہیں تقدیر کاراز اور حکمت اور انھیں صاف ستھرا کرتا ہی رہے، بے شک تو ہی غالب حکمت والا ہے۔

کی تفسیر میں تزکیہ کے حوالے سے تحریر کیا کہ یہ صفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے۔یعنی فرائض منصبی میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کا تزکیہ فرمائیں گے یعنی لوگوں کی اصلاح نفس فرمائیں گے۔

تزکیہ کو اصلاح نفس سے مراد لیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اصلاح نفس یہ ہے کہ خود کو معصیت کی آلودگی سے پاک کرنا اور ظاہر اور باطن کو رزائل اور نقائص سے دور کرنا اور عبادات میں خلوص اور للّٰہیت اور دوام کو اجاگر کرنا جس سے انسان کا دل تجلیات الہیہ کا آئینہ بن جائے۔[280]

علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری نے قرآن مجید کی آیت مبارکہ

رَبَّنَا وَ ابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِكَ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ یُزَكِّیْهِمْؕ-اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ[281]

رب ہمارے ان میں انہی میں سے عظیم رسول اٹھاجو ان پر تیری آیتیں تلاوت کرے اور سکھائے انہیں تقدیر کاراز اور حکمت اور انھیں صاف ستھرا کرتا ہی رہے، بے شک تو ہی غالب حکمت والا ہے۔

کی تفسیر میں تزکیہ کے کا لغوی اور حقیقی معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

تزکیہ سے مراد صاف ستھرا کرنا اور پاکیزہ ہونا ہے۔در حقیقت اس سے مراد نفوس وارواح کو کدورت سے پاک کرکے حجاب اٹھادینا مقصود ہے تاکہ اس قابل ہوسکیں کہ ان میں حقائق کی جلوہ گری ہوسکے۔[282]

[280]علامہ غلام رسول سعیدی، تبیان القرآن، جلد۸، ص ۱۵۴

[281]البقرۃ:۱۲۹

[282]علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری، تفسیر حسنات، جلد۳، ص۵۶۹

مولانا مفتی میں شفیع نے قرآن مجید کی آیت مبارکہ

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَۚ- وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ[283]

بے شک اللہ نے مومنوں ہر احسان فرمایا کہ بڑی شان کے ساتھ اٹھایا ان ہی میں سے ایک رسول جو تلاوت کرتا ہے ان پر اس کی آیتیں اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور بے شک وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں مبتلا تھے۔

کی تفسیر میں تزکیہ کے حوالے سے لکھتے ہوئے اس کو مقاصد نبوت محمدیہ کے ضمن میں لکھا یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرائض منصبی میں لکھا کہ

تزکیہ کے معنی ہیں ظاہری و باطنی نجاست سے پاک کرنا۔ اور ظاہری نجاست سے تو عام مسلمان واقف ہیں۔ لیکن باطنی نجاست کفر شرک غیر اللہ پر اعتماد کلی اور اعتقاد فاسد، تکبر، حسد، بغض حب دنیا وغیرہ ہیں۔ تزکیہ کو آپ جداگانہ فرض قرار دے کر اس طرف اشارہ کرتے ہیں کہ جس طرح محض الفاظ کے سمجھنے سے کوئی فن حاصل نہیں ہوتا اسی طرح نظر و علمی طور پر فن حاصل ہو جانے سے اس کا استعمال اور کمال حاصل نہیں ہوتا جب تک کسی مربی کے زیر نظر اس کی مشق کر کے عادت نہ ڈالیں۔[284]

سلوک و تصوف میں کسی شیخ کے کامل کی تربیت کا یہی مقام ہی قرآن و سنت میں جن احکام کو عملی طور پر بتلایا گیا ہے۔ ان کی عملی طور پر عادت ڈالی جائے۔

آگے چل کر وہ ہدایت و اصلاح کے دو سلسلے لکھتے ہیں اللہ جل شانہ نے ابتدائے آفرین سے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لیے ہر زمانے میں خاتم الانبیاء تک یہ دونوں سلسلے جاری رکھے ہوئے ہیں۔

1. ایک آسمانی کتابوں کا
2. اس کی تعلیم دینے والے رسولوں کا

---

[283] آل عمران:۱۶۴

[284] مولانا مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، جلد ۱، صفحہ ۳۳۵

جس طرح محض کتاب نازل فرما دینے سے کوئی کام کافی نہیں ہوتا اسی طرح صرف رسولوں کو بھیجنے پر بھی اکتفا نہیں فرمایا بلکہ دونوں سلسلے برابر جاری رکھے ہوئے ہیں۔[285]

مولانا اشرف علی تھانوی نے قرآن مجید کی آیت مبارکہ

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَۚ- وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ[286]

بے شک اللہ نے مومنوں پر احسان فرمایا کہ بڑی شان کے ساتھ اٹھایا ان ہی میں سے ایک رسول جو تلاوت کرتا ہے ان پر اس کی آیتیں اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور بے شک وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں مبتلا تھے۔

کی تفسیر میں تزکیہ کے حوالے سے لکھا کے تزکیہ سے مراد کلمہ طیبہ کی طرف بلانا لکھا ہے۔[287]

خلاصہ

خود کو ہر برائی سے ہر بری چیز سے ہر برے عمل سے محفوظ کرنا اور خود کو نیکی کے راستے پر رکھنا اور برائیوں سے خود کو بچانا اپنے باطن کو پاک اور صاف کرنا تزکیہ کہلاتا ہے۔ اور مفسرین کے نزدیک اصلاح نفس کرنا خود کو معصیت کی آلودگی سے پاک کرنا ظاہر اور باطن کو رزائل اور نقائص اور ہر قسم کی بری چیزوں سے محفوظ کرنا اور ارواح کو ہر قسم کی کدورت سے پاک کرنا تزکیہ کہلاتا ہے۔

صدق

ظاہر و باطن میں اور دل و زبان سے اور خفیہ طور پر و علانیہ طریقہ پر حق تعالیٰ کے اور خلق کے سامنے صداقت اور راست بازی سے پیش آنا۔[288]

---

[285] مولانا مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، جلد ۱، صفحہ ۳۳۵

[286] آل عمران:۱۶۴

[287] تھانوی، مولانا اشرف علی تھانوی، بیان القرآن، دارالاشاعت کراچی، ۲۰۱۵، ج ۱، ص ۴۵۳

[288] سید محمد ذوقی، سر دلبراں، ص ۲۹۰

استنباط

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ[289]

اے ایمان والو ڈرو اللہ سے اور سچوں کے ساتھ ہو جاو

کی تفسیر میں صدق کے حوالے سے لکھتے ہیں کی

سچوں سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب ہیں۔ اور حضرت حسن بصری کا ایک قول لکھا کہ اگر تم دنیا میں سچوں کے ساتھ رہنا چاہتے ہو تو دنیا میں بے رغبتی رکھو اور دوسرے ادیان اور دوسرے مذاہب سے بچو۔[290]

علامہ موصوف نے صدق کی فضیلت کے حوالہ سے رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی احادیث بھی نقل کیں اور عقلی فضیلت کو بھی تحریر کیا۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کے حوالہ سے نقل کیا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صدق کو لازم رکھو کیونکہ صدق نیکی کی ہدایت دیتا ہے اور نیکی جنت کی ہدایت دیتی ہے۔ ایک انسان ہمیشہ سچ بولتا رہتا ہے اور سچ کا قصد کرتا ہے تاکہ وہ اللہ کے نزدیک سچا لکھ دیا جاتا ہے۔ اور تم جھوٹ سے بچو اور جھوٹ گناہوں کی طرف لے جاتا ہے اور گناہ دوزخ کی طرف لے جاتے ہیں ایک بندہ ہمیشہ جھوٹ بولتا رہتا ہے۔ اور جھوٹ کا قصد کرتا ہے حتی کہ وہ اللہ کے نزدیک جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے۔[291]

قاضی عبد الکبیر منصور پوری، فرہنگ اصطلاحات تصوف، ص ۱۱۳

[289] التوبۃ:۱۱۹

[290] علامہ غلام رسول سعیدی، تبیان القرآن، جلد ۵، ص ۲۸۸

[291] امام محمد بن اسماعیل بخاری، الجامع الصحیح، حدیث ۶۹۴

ابو الحسین مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری، صحیح مسلم شریف حدیث ۲۶۰

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے خواب دیکھا کہ میرے پاس دو شخص آئے اور انہوں نے کہا آپ نے جس شخص کو دیکھا تھا کہ اس کا جبڑا چیرا جا رہا تھا وہ یہ وہ شخص تھا جو جھوٹ بولتا تھا پھر وہ جھوٹ اس سے نقل ہو کر دنیا میں پھیل جاتا تھا اس کے ساتھ قیامت تک یہی کیا جاتا رہے گا۔[292]

صدق کی عقلی فضیلت کے حوالہ سے لکھا کہ اللہ تعالی نے شیطان کا یہ قول نقل کیا فرمایا کہ تیرے عزت کی قسم میں ضرور ان سب کو بہکا دوں گا ماسوا تیرے ان بندوں کے جو برگزیدہ ہیں۔ اگر شیطان صرف اتنا کہتا کہ میں تیرے سب بندوں کو گمراہ کر دوں گا تو یہ جھوٹ ہوتا اس نے جھوٹ سے بچنے کے لیے کہا ماسوا تیرے ان بندوں کے جو برگزیدہ ہیں تو غور کرنا چاہیے کہ جھوٹ اتنی بڑی چیز ہے بری چیز ہے کہ شیطان بھی اسے اعتراض کرتا ہے تو مسلمانوں کو اس سے کتنا زیادہ بچنا چاہیے۔

صدق کی سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ ایمان قول صادق ہے اور ایمان سب سے بڑی عبادت ہے اور جھوٹ کی سب سے بڑی برائی ہے کہ کفر یعنی خدا کے شریک ہیں قول کاذب ہے اور کفر اور شرک سب سے بڑا گناہ ہے۔

مولانا مفتی میں شفیع نے قرآن مجید کی آیت مبارکہ

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ[293]

اے ایمان والو ڈرو اللہ سے اور سچوں کے ساتھ ہو جاو

کی تفسیر میں صدق کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ

اللہ تعالی نے یہاں پہ سچوں کے ساتھ ہونے کا اشارہ فرمایا کہ۔ صفت تقوی حاصل ہونے کا طریقہ صالحین اور صادقین کی صحبت اور عمل میں ان کی موافقت ہی ہے۔

---

[292] امام محمد بن اسماعیل بخاری، الجامع الصحیح، حدیث ۶۹۶

[293] التوبۃ:۱۱۹

اس میں یہ بھی اشارہ ہو سکتا ہے کہ جن حضرات سے بچنا چاہیے وہ اللہ کے نافرمان لوگ ہیں اور جن کے ساتھ خود کو جوڑے رکھنا چاہیے وہ صادقین ہیں۔ اور فرمایا صالح وہی شخص ہوتا ہے جس کا ظاہر اور باطن یکساں ہو اور صادق وہ ہوتا ہے جس کا نیت ارادہ بھی سچا ہو قول کا بھی سچا ہو اور عمل کا بھی سچا ہو۔[294]

علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری نے قرآن مجید کی آیت مبارکہ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ[295]

اے ایمان والو ڈرو اللہ سے اور سچوں کے ساتھ ہو جاو

کی تفسیر میں صدق کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے لکھا کہ

صادقین سے مراد وہ ہیں جو جھوٹ کو کسی طرح جائز نہ رکھیں نہ تصریحا نہ تعریضا۔ یعنی نہ صراحتا جھوٹ بولیں نہ تعریضا جھوٹ بولیں۔ اور اس کی توثیق انہوں نے امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالی علیہ کی اس آیت کی تفسیر میں بیان کی۔

انھوں نے یہ بھی لکھا کہ اس میں مدح صدق ہے یعنی صادقین کی اور صدق کی اور صداقت کی تعریف ہے کہ اللہ تعالی فرماتا ہے کہ اس شخص کی صحبت اختیار کرو جو سچا ہے۔[296]

ابن ابی شیبہ اور احمد اسماء بنت یزید سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلیلہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر جھوٹ انسان پر لکھا جاتا ہے مگر لڑائی میں یا دو آدمیوں میں صلح کرانے کو یا اپنی بیوی کو خوش کرنے کو۔[297]

---

[294] مولانا مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، جلد ۴، صفحہ ۴۸۵

[295] التوبۃ:۱۱۹

[296] علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری، تفسیر حسنات، جلد ۳، ص ۵۷

[297] علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری، تفسیر حسنات، جلد ۳، ص ۵۷

یعنی صرف دو ادمیوں کی لڑائی میں صلح ہو جائے یا اپنی بیوی کو خوش کرنے کے لیے جھوٹ بولنے کی اجازت ہے اس کے علاوہ زندگی کے کسی معاملہ میں جھوٹ بولنے کی اجازت نہیں۔

خلاصہ

صوفیاء کے نزدیک ظاہر اور باطن میں دل اور زبان سے خفیہ طور پر اعلانیہ طور پر یعنی ہر طرح سے اللہ تعالی کی مخلوق کے سامنے راست بازی سے پیش انا یہ صدق و صداقت کہلاتا ہے یعنی انسان خلوت میں ہو جلوت میں ہو ظاہری طور پر یا مخفی طور پر کسی بھی شخص کو وہ دھوکہ جھوٹ اور اس کے ساتھ پیش نہ ائے بلکہ اللہ تعالی کا خوف دل میں رکھتے ہوئے ہر شخص سے راست بازی سے پیش انا صداقت کہلاتا ہے اور مفسرین کے نزدیک سچے لوگ صدق والے وہ لوگ ہیں جو جھوٹ کو کسی بھی طرح جائز نہ رکھیں نہ تسریحانہ تعاریزاا اور فرمایا کہ وہی شخص صالح ہوتا ہے جس کا ظاہر اور باطن موافق ہوتا ہے یعنی ایک جیسا ہوتا ہے وہ شخص جس کا ظاہر کچھ اور ہو باطن کچھ اور ہو وہ شخص منافق کہلاتا ہے اور منافق شخص کے لیے اللہ تعالی نے بہت سخت سزا سنار کھی ہے۔ دو ادمیوں میں صلح کرانے کے لیے اور بیوی کو خوش کرنے کے لیے جھوٹ بولنے کی اجازت ہے یا بیمار کو حوصلہ دینے کے لیے ڈاکٹر کا اس کو غلط بیانی کرنا ہے جھوٹ بولنا اس کی اجازت ہے اس کے علاوہ زندگی یا کسی بھی معاملہ میں جھوٹ بولنے کی اجازت نہیں ہے۔

توکل

توکل خدا پر بھروسہ کرنا اور اپنے جملہ امور خدا کے سپرد کر دینا۔[298]

---

[298] سید محمد ذوقی، سر دلبراں، ص ۱۵۵

قاضی عبد الکبیر منصور پوری، فرہنگ اصطلاحات تصوف، ص ۵۱

اس کے بھی مختلف مدارج ہیں

صالحین اور ان سے کم تر درجہ کے لوگ خدا پر توکل کرتے ہیں مگر اس خواہش کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ ان کے امور کو ان کی مصلحتوں کے مطابق انجام دے۔

7. محسنین کا توکل

یہ ہے کہ وہ اپنے جملہ امور خدا کی طرف رجوع کر دیں اور خدا کے کیے ہوئے پر معترض نہ ہوں بلکہ خوش ہوں کہ اللہ کا چاہا پورا ہوا۔

8. صدیقین کا توکل

یہ ہے کہ وہ اپنی ذات کے حال سے خدا کی ذات کے حال کی طرف پھر جائیں۔ ان کی نظر اپنی ذات پر نہیں پڑتی بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے شہود میں مستغرق اور اس کی ذات میں فنا رہتے ہیں۔ بس یہی ان کا توکل ہے۔

9. محققین کا توکل

یہ ہے کہ وہ بساط میں جگہ پکڑنے کے بعد بے چین رہتے ہیں۔

توکل مقدمہ ہے احسان کا۔ کیونکہ احسان کا ادنی مرتبہ یہ ہے کہ خدا کی نظر کو اپنی جانب دیکھے۔ اور جو شخص حق تعالیٰ کی نظر کو اپنی جانب دیکھتا ہے اسے لازم ہے کہ اپنے جملہ امور حق تعالیٰ ہی کی جانب رجوع کر دے کیونکہ حق تعالیٰ بندے کی مصلحتوں کو بندہ سے بہتر جانتا ہے۔ متوکل خوب سمجھتا ہے کہ بے فائدہ محنت میں اپنے نفس ہلاک کرنا حماقت ہے۔

توکل کے لیے یہ شرط ضروری ہے کہ غلام اس امر پر خوش ہو جو اس کا آقا اُس کے لیے پسند فرماتا ہے لیکن یہ عوام کا کام نہیں بلکہ مومنین ہی کا کام ہے۔ اس لیے توکل کا حکم بھی مومنوں ہی کو دیا گیا۔

وعلی اللہ فتوکلو ان کنتم مومنین[299]

---

[299] المائدۃ:۲۳

اللہ پر توکل کرو اگر تم ایمان رکھتے ہو

عوام جن میں صالحین اور متقین بھی شامل ہیں۔ اللہ پر اس لیے توکل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی مصلحتوں کے مطابق امور انجام دے۔ چنانچہ حق تعالیٰ کے اس قول میں اس کی جانب اشارہ ہے:

وَّ یَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ[300]

اور اسے وہاں سے روزی عطا فرمائے گا جہاں سے وہ گمان بھی نہ کرتا ہو گا

اس کا اور جو لوگ اللہ پر اس لیے توکل کرتے ہیں کہ اللہ ان کے ساتھ جو معاملہ چاہے کرے ان کا ذکر بھی اس آیت کے آخر میں ہے

وَ مَنْ یَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ-اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ-قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَیْءٍ قَدْرًا[301]

اور جو اللہ پر بھروسہ رکھے تو وہی اس کے لئے کافی ہے بے شک اللہ اپنے کام کو پورا فرمانے والا ہے۔

اور یہ امر یقینی ہے کہ اللہ تعالیٰ جو ارادہ فرماتا ہے اسے پورا کرتا ہے۔ توکل اور تفویض میں یہ فرق ہے کہ وکالت میں موکل کے لیے ملکیت کی بو ہوتی ہے۔ حالانکہ تفویض اس سے خارج ہے۔

استنباط

علامہ غلام رسول سعیدی نے قرآن مجید کی ان تین آیات مبارکہ کہ

اِنْ یَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْۚ-وَ اِنْ یَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِیْ یَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖؕ-وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ[302]

[300] الطلاق:۳

[301] الطلاق:۳

[302] آل عمران:۱۶۰

اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو کوئی ہے ہی نہیں جو تم پر غالب آئے اور اگر وہی تمھیں چھوڑ دے تو اس کے بعد کون ہے جو تمھاری مدد کرے اور مومنوں کو اللہ پر ہی بھروسہ رکھنا چاہیے

وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًاۚ-عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَاؕ[303]

ہمارا رب ہر چیز کا وسیع علم رکھتا ہے ہمارا توکل اللہ ہی پر ہے

الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَ لَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ[304]

وہ لوگ جو اللہ کے عہد کو پورا کرتے ہیں اور پختہ عہد کو پارا پارا نہیں کرتے

کی تفاسیر میں توکل کے حوالے سے سیر حاصل گفتگو کی ہے انھوں نے توکل کو پانچ بنیادی تعریفات کے اندر تقسیم کیا ہے۔

1. توکل کا ایک معنی ہے کسی کو والی بنانا کسی چیز کے حوالے سے۔
2. اور دوسرا معنی کسی پر اعتماد کرنا۔
3. توکل تمام معاملات کو اللہ کے حوالے کر دینا جو مسبب الاسباب ہے اور اسباب عادیہ سے قطع نظر کر لینا ہے۔
4. وہ تمام چیزیں جو انسان کی طاقت سے باہر ہیں ان کے لیے سعی کو ترک کر دینا۔ اور وہ تمام چیزیں جو انسان کی طاقت کے ساتھ ان کا حصول ممکن ہے ان سب کے لیے تگ و دو کرنا یہ توکل ہے۔

اس کی توثیق کرنے کے لیے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی ایک حدیث نقل کی حضرت انس بن مالک سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ میں اونٹنی کو باندھ کر توکل کروں یا اس کو کھلا چھوڑ کر توکل کروں آپ نے فرمایا اس کو باندھ کر توکل کرو۔[305]

---

[303] الاعراف:۸۹

[304] الرعد:۲۰

[305] علامہ غلام رسول سعیدی، تبیان القرآن، جلد ۴، ص ۲۲۸

5. پانچواں مفہوم انہوں توکل کا بیان کیا کہ ضامن ہونا اور اس کی توثیق انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرفوع حدیث سے کی کہ فرمایا جو شخص دو جبڑوں اور دو ٹانگوں کے درمیان کا متوکل ہوا میں اس کے لیے جنت کا متوکل ہوں۔

یعنی جس نے اپنے منہ کو حرام کھانے اور فرج کو حرام کاری سے بچایا میں اس کے لیے جنت کا ضامن ہوں۔

اور انھوں نے توکل کا چھٹا معنی پناہ دینا بھی لکھا ہے اور اس کی توثیق بھی انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک فرمان سے کی کہا اے اللہ مجھے پلک جھپکنے کے لیے بھی غیر کے توکل میں نہ دے یا غیر کے سپرد نہ کر۔

مولانا مفتی میں شفیع نے قرآن مجید کی آیت مبارکہ

فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ[306]

جب کسی بات کا پختہ ارادہ کرلیں تو اللہ پر ہی توکل رکھیں، بے شک توکل کرنے والوں سے اللہ محبت کرتا ہے

نے اس آیت کی تفسیر میں توکل کے حوالہ سے تحریر کیا کہ

توکل ترک اسباب اور ترک تدبیر کا نام نہیں بلکہ اسباب قریبہ کو چھوڑ کر توکل کرنا سنت انبیاء اور تعلیم قرآن کے خلاف ہے۔ ہاں اسباب بعیدہ کی فکروں میں پڑے رہنا ہے اور صرف اسباب اور تدابیر ہی کو موثر سمجھ کر مسبب الاسباب اور مدبر الامور سے غافل ہو جانا بے شک خلاف توکل ہے۔[307]

گویا صاحب معارف القرآن کے نزدیک توکل اسباب کو ترک کرنے کا نام نہیں اور نہ ہی وہ چیزیں جو انسانی دسترس سے باہر ہیں ان کے اوپر امید لگا کے بیٹھ جانا توکل ہے بلکہ اسباب قریبہ کو استعمال کرتے ہوئے محنت کرتے ہوئے مشقت کرتے ہوئے کسی چیز کے حصول کے لیے جدوجہد کرتے ہوئے اللہ تعالی پر توکل کرنا اور مسبب الاسباب اور مدبر الامور اسی کو جاننا توکل کہلاتا ہے۔

---

[306] آل عمران ۱۵۹

[307] مولانا مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، جلد ۲، صفحہ ۲۲۷

علامہ ابو الحسنات سید محمد احمد قادری نے قرآن مجید کی آیت مبارکہ

اِنْ یَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْۚ-وَ اِنْ یَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِیْ یَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖؕ-وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ[308]

اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو کوئی ہے ہی نہیں جو تم پر غالب آئے اور اگر وہی تمھیں چھوڑ دے تو اس کے بعد کون ہے جو تمہاری مدد کرے اور مومنوں کو تو اللہ پر ہے بھروسہ رکھنا چاہیے۔

کی تفسیر میں توکل کے حوالے سے تحریر کیا اور اس کا معنی اور مفہوم بیان کیا کہ

اللہ تعالی سے التجا کرنا توکل کہلاتا ہے۔

روزی کی خواہش نفسانی کی وجہ سے اللہ تعالی کی نافرمانی نہ کرنا توکل کہلاتا ہے۔

اللہ تعالی کے علاوہ کسی کو معین حقیقی نہ جاننا اور صرف اللہ پر بھروسہ کرنا توکل کہلاتا ہے۔[309]

اور اس پر انہوں نے اس حدیث مبارکہ سے توثیق کی کہ حضرت عبد اللہ بن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا میری امت کے 70 ہزار آدمی بلا حساب جنت میں داخل ہوں گے صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ وہ کون لوگ ہوں گے ارشاد فرمایا وہ لوگ جو نہ داغ لگواتے ہیں نہ منتر کراتے ہیں نہ فال بد لیتے ہیں۔ بلکہ اللہ تعالی پر بھروسہ کرتے ہیں۔ منتر سے مراد وہ علوم ہیں جو غیر مسلموں نے ایجاد کیے۔[310]

اور دوسری حدیث حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کی کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم اللہ تعالی پر پورا توکل کرو تو اللہ تعالی تم کو بلا محنت اس طرح روزی دے گا جیسے پرندوں کو کہ وہ صبح بھوکے جاتے ہیں شام کو پیٹ بھر کر آتے ہیں۔

---

[308] آل عمران:۱۶۰

[309] علامہ ابو الحسنات سید محمد احمد قادری، تفسیر حسنات، جلد ۱، ص ۶۱۱

[310] علامہ ابو الحسنات سید محمد احمد قادری، تفسیر حسنات، جلد ۱، ص ۶۱۱

خلاصہ

صوفیاء کے نزدیک توکل خدا پر بھروسہ کرنا اور اپنے تمام امور خدا کے اس پر کر دینا ہے۔ اپنے تمام معاملات میں اس خواہش کے ساتھ کہ اللہ تعالی ان کو مصلحتوں کے تحت انجام دے گا خدا کے سپرد کر دینا ہے۔ خدا کے کیے ہوئے پر معترض نہ ہونا بلکہ خوش ہونا کہ جو اللہ تعالی نے چاہا وہ اس نے پورا فرما دیا یہ توکل کہلاتا ہے۔ اور مفسرین نے اس کو کئی معنوں میں لیا کہ کسی کو والی بنانا کسی چیز کے حوالے سے کسی پر اعتماد کرنا اور تمام معاملات میں اللہ تعالی کو مسبب الاسباب جاننا۔ وہ تمام امور جو انسانی طاقت سے باہر ہیں ان کو ترک کر دینا اور جو انسانی طاقت کے ساتھ جن کا اصول ممکن ہو ان کے لیے تگ و دو کرنا اور کسی چیز کی ضمانت دینا ضامن ہو جانا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم زبان اور فرج کی مجھے ضمانت دے دو تو میں تمہیں جنت کی ضمانت دیتا ہوں توکل کہلاتا ہے۔

رضا

اللہ تعالیٰ پر اعتماد کلی رکھنا اور اس کے برتاؤ سے خوش رہنا۔ اس کا ادنی مرتبہ صبر ہے اور اعلی مرتبہ تسلیم ہے۔[311] یعنی زندگی کے تمام تر معاملات میں اللہ تعالی پر یقین اور اعتماد رکھنا کہ وہ آپ کے معاملات میں جو بھی کر رہا ہے وہ صحیح فرما رہا ہے اور یہ ہی آپ کے لیے بہتر ہے۔ کی عطا پر راضی ہو جانا اور خواہشات نفس کو ترک کر دینا اور جو اللہ تعالی کی نعمتوں سے عطا ہو جائے اس پر قناعت کر لینا۔

استنباط

علامہ غلام رسول سعیدی نے قرآن مجید کی آیت مبارکہ

---

[311] سید محمد ذوقی، سر دلبراں، ص ۱۵۷، ۲۱۸، ۳۱۷

[311] قاضی عبد الکبیر منصور پوری، فرہنگ اصطلاحات تصوف، ص ۸۳

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ-وَ اللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ[312]

اور اہل محبت میں کوئی ایسا بھی ہوتا ہے جس نے اپنی جان ہی بیچ رکھی ہوتی ہے اس میں تلاش میں کہ اللہ راضی ہو جائے اور اللہ بندوں پر بے حد مہربان ہے

وَ رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ[313]

اور سب سے بڑھ کر اللہ کی رضا میسر ہو گی

کی تفسیر میں رضا کے حوالہ سے تحریر کیا کہ

رضا سے مراد رضائے الٰہی ہے اور رضائے الٰہی کے لیے دنیا کو ترک کرنے والا شخص جو سب کچھ اللہ کے لیے چھوڑ دیتا ہے وہ بہت ہی نفع کا سودا کرتا ہے۔ اس کی توثیق میں حافظ سیوطی کے حوالے سے روایت نقل کی کہ

ابن مردویہ نے حضرت صہیب رومی سے جو روایت بیان کی اس کو نقل کیا کہ حضرت صہیب رومی کہتے ہیں کہ جب میں نے مکہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کرنے کا ارادہ کیا تو مجھ سے قریش نے کہا اے صہیب جب تم ہمارے پاس آئے تھے تمہارے پاس کچھ مال نہ تھا اور اب تم یہ سارا مال لے کر جا رہے ہو خدا کی قسم یہ ہر گز نہیں ہو سکتا میں نے ان سے کہا یہ بتاؤ کہ اگر میں آپنا سارا مال تم کو دے دوں تو پھر تم مجھے جانے دو گے؟ انہوں نے کہا ہاں۔ میں نے ان سے کہا یہ سارا مال لے لو اور مجھے جانے دو۔ جب میں مدینہ پہنچا تو میں رسول اللہ نے دو مرتبہ مجھے فرمایا صہیب تمہاری تجارت نے نفع پایا۔ گویا حضرت صہیب نے رضائے الٰہی کے لیے سب کچھ کفار کو دے دیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو نفع بخش سودا قرار دیا۔

اللہ تعالیٰ کی رضا سب سے بڑی نعمت ہے اور جب بندے کو یہ علم ہو جائے کہ اس کا خالق اور مالک اور اس کا رب اس سے راضی ہے تو اس کے لیے ہر نعمت کی خوشی سے زیادہ اس بات کی خوشی ہوتی ہے۔ اور جب اس کو یہ علم ہو کہ اس کا خدا اس سے ناراض ہے تو ہر نعمت کے ہوتے ہوئے بھی ہر چیز ظاہری مال و اسباب کے ہوتے ہوئے بھی وہ شخص تکلیف میں ہوتا ہے اور مطمئن نہیں ہوتا اور اس

---

[312] البقرۃ:۲۰۷

[313] التوبۃ:۷۲

کو پھولوں کی سیج بھی کانٹوں کی طرح چبھتی ہے۔[314] اور تمام عیش و عشرت اوراس کا آرام مکدر ہو جاتا ہے۔ اللہ کی رضا کو سب سے بڑی نعمت اور سب سے بڑا اللہ تعالی کا انعام قرار دیکر اس کی توثیق کرنے کیلئے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالی عنہ کی روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

کہ اللہ تعالی اہل جنت سے فرمائے گا اہل جنت کہیں گے لبیک ہے ہمارے رب۔ ہم تیری اطاعت کے لیے حاضر ہیں۔ اللہ تعالی فرمائے گا کیا تم راضی ہو گئے ؟وہ کہیں گے ہم کیوں نہیں راضی ہوں گے تونے ہمیں اتنا کچھ عطا فرمایا جو تونے اپنی مخلوق میں کسی کو عطا نہیں فرمایا۔ اللہ تعالی فرمائے گا میں تم کو اس سے افضل چیز عطا فرماؤں گا۔ وہ عرض کریں گے اس سے افضل چیز اور کیا ہو گی؟ اللہ تعالی فرمائے گا۔ میں نے تم پر اپنی رضا حلال کر دی ہے میں اب تم سے کبھی ناراض نہیں ہوں گا۔[315]

انہوں نے حضرت حسن بصری کا یہ قول بھی نقل کیا کہ اللہ کی رضا سے ان کے دلوں میں جو لذت اور خوشی حاصل ہوتی ہے وہ جنت کی تمام نعمتوں سے زیادہ لذیذ ہوتی ہے اور ان کی آنکھیں سب سے زیادہ اس نعمت سے ٹھنڈی ہوتی ہیں۔

مفتی احمد یار خان نعیمی نے قرآن مجید کی آیت مبارکہ

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ-وَ اللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ[316]

اور اہل محبت میں کوئی ایسا بھی ہوتا ہے جس نے اپنی جان ہی بیچ رکھی ہوتی ہے اس میں تلاش میں کہ اللہ راضی ہو جائے اور اللہ بندوں پر بے حد مہربان ہے۔

کی تفسیر میں رضا کے حوالے سے تحریر کیا کہ

اللہ تعالی کی رضا کی تین قسمیں ہیں

1. رضائے عامہ

یہ تو ہر مسلمان کو نصیب ہوتی ہے اگر چہ گنہگار ہو، اس لئے کہ آخری گنہگار مومن بھی جنتی ہو گا۔

---

[314] علامہ غلام رسول سعیدی، تبیان القرآن، جلد ۵، ص ۱۹۲

[315] امام محمد بن اسماعیل بخاری، الجامع الصحیح، حدیث ۷۵۱۸

[316] البقرۃ:۲۰۷

2. رضائے خاصہ

یہ متقی مسلمان کو میسر ہے۔

3. رضائے خاص الخاص

یہ ابرار واخیار کو نصیب ہوتی ہے۔[317]

خلاصہ

اللہ تعالی پر اعتماد کلی رکھنا اور اس کے برتاؤ سے خوش رہنا اس کا ادنی مرتبہ صبر اور اعلی مرتبہ تسلیم ہے۔ رضا سے مراد رضائے الٰہی ہے اور صوفیاء نے لکھا کہ کائنات کی سب سے بڑی نعمت اللہ تعالی کی رضا حاصل ہو جانا ہے اور انسان کی حقیقی کامیابی بھی یہی ہے۔ مفسرین نے رضا کے حوالے سے تحریر کیا کہ مومن اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے اپنے نفس کو اور اپنی جان کو بھی بیچ دیتا ہے یعنی وہ اپنی مرضی اور اپنی خواہش کے مطابق کچھ بھی نہیں کرتا بلکہ اللہ تعالی کی احکامات کے سامنے سر تسلیم خم کرتا ہے۔ اس کا ادنی درجہ صبر ہے اور اعلی درجہ تسلیم ہے۔ مفسرین نے اس کی تین اقسام بھی بیان کی ہیں کہ ایک رضا وہ ہے جو ہر مسلمان کو حاصل ہوتی ہے اگرچہ گنہگار بھی وہ ایسے کہ گنہگار مومن بھی جنتی ہو گا۔ دوسری رضا ہے جو متقی مسلمانوں کو میسر ہوتی ہے اور تیسری رضا خاص الخاص ہے جو ابرار واخیار جو اللہ کے مقرب بندے ہوتے ہیں ان کو حاصل ہوتی ہے۔

توبہ

اس کا معنی معافی اور استغفار ہوتا ہے۔

اپنے کیے ہوئے پر نادم ہونا اور تلافی کرنا بھی توبہ کہلاتا ہے۔[318]

---

[317] مفتی احمد یار خان نعیمی، تفسیر نعیمی، ج ۲، ص ۱۳۰

[318] قاضی عبد الکبیر منصور پوری، فرہنگ اصطلاحات تصوف، ص ۴۹

نقص سے کمال کی طرف بازگشت یعنی نقص سے مراد کمی اور گناہ ہے اور کمال سے مراد نیکی اور اچھائی ہے یعنی بندے کا گناہوں کو ترک کرنا اور نیکی کیلیئے سعی کرنا توبہ کہلاتا ہے۔

رجوع جانب الہی[319] یعنی اللہ رب العزت کی طرف رجوع کرنا، برائیوں اور گناہوں سے منہ موڑ کر اللہ تعالی کی طرف رجوع کرنا۔

ندامت جو خوف سے پیدا ہو،

اصطلاحا اسے باب الابواب بھی کہتے ہیں یعنی اس دروازے کے کھلنے کے بعد ہی باقی دروازے کھلتے ہیں۔

توبہ کے دو لوازمات ہیں

3. دل میں ندامت کا پیدا ہونا
4. اور گناہ سے طبعی نفرت

صرف زبان سے توبہ واستغفار کا رٹا لگانا یا رٹنا اور معصیت کی حسرت کا دل میں رہنا باب کھلنے کے لیے کافی نہیں۔

توبہ گناہ نہ کرنے کا عزم مصمم ہے یہی توبۃ النصوحہ بھی ہے (یعنی پکی توبہ)۔

سچائی اور خلوص کے ساتھ اپنی روش بدلنا بھی توبہ کہلاتا ہے

استنباط

علامہ غلام رسول سعیدی نے قرآن مجید کی آیت مبارکہ

فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ[320]

پھر سیکھ لیے آدم نے اپنے رب سے کچھ خاص کلمے پھر اللہ نے اس پر توجہ برحمت فرمائی بے شک وہ بڑا معاف کرنے والا مہربان ہے

[319] سید محمد ذوقی، سر دلبراں، ص ۱۵۴

[320] البقرۃ: ۳۷

توبہ کا لغوی معنی ہے رجوع کرنا۔

بندے کی توبہ یہ ہے کہ وہ معصیت سے تحت کی طرف اور غفلت سے اللہ کو یاد کرنے کی طرف رجوع کرے۔

اور اللہ تعالی کا توبہ کو قبول کرنے کا معنی یہ ہے کہ وہ دنیا میں بندے کے گناہ پر پردہ رکھے بایں طور کے کوئی شخص اس سے گناہ پر مطلع نہ ہو اور آخرت میں اس کو سزا نہ دے۔ خلاصہ یہ ہے کہ وہ عذاب دینے سے مغفرت کی طرف رجوع کرے۔

اور توبہ کا شرعی معنی یہ ہے کہ گناہ کو برا جان کر فی الفور ترک کر دیا جائے اس سے جو تقصیر ہوئی ہے اس پر نادم ہوا جائے۔

آئندہ اس گناہ کو نہ کرنے کا عزم مصمم کرے اور جو گناہ اس سے ہو گیا ہے اس کی تلافی کرے۔ [321]

اس کو انہوں نے چار چیزوں میں تقسیم کیا ہے

کہ اگر عبادات میں کوئی چیز رہ گئی نماز روزہ وغیرہ تو ان کی قضا کرے۔

حقوق العباد میں سے کوئی چیز رہ گئی ہو کسی صاحب حق کا حق تلف کر لیا تو وہ اس کو واپس کرے۔ اور اگر کسی سے کوئی زیادتی کی تو اس سے معافی مانگے۔

اگر اس کے ذمہ حقوق اللہ اور فرائض ہیں تو کفایہ میں مشغول ہونے کے بجائے ان فوت شدہ فرائض کو ادا کرے۔ اس لیے کہ اگر کوئی شخص قضا فرائض اور واجبات کی ادائیگی کے بجائے نوافل میں لگا رہے تو پھر بھی وہ فسق سے خارج نہیں ہو گا۔

توبہ کے چار ارکان بھی صاحب تبیان القرآن نے لکھے ہیں

1. معصیت کے صدور سے نادم ہو اور معصیت کے صدور سے اس کا دل جل رہا ہو اور وہ اپنے آپ سے متنفر ہو۔
2. آئندہ اس معصیت کو نہ کرنے کا پختہ عزم کرے۔

---

[321] علامہ غلام رسول سعیدی، تبیان القرآن، جلد ۱، ص ۳۷۳

3. اس معصیت کی طلافی اور تدارک کرے جو نماز رہ گئی تھی اس کی قضا کرے جس کی رقم دبالی تھی اس کو واپس کرے اس کی غیبت کی تھی اس کے حق میں دعا کرے۔

4. نمبر چار ان تینوں کاموں کے محرک میں اللہ تعالی کی رضا اور اس کے حکم پر عمل کرنا ہو اور اگر اس کی غرض لوگوں کی مذمت کرنا یا لوگوں کی تعریف اور تحصیل حاصل کرنا ہو یا کوئی اور غرض ہو تو وہ تائبین میں سے نہیں ہے۔

حضرت انس بیان کرتے ہیں رسول نے فرمایا ہر ابن ادم خطاکار ہے اور خطاکاروں میں اچھے وہ ہیں جو توبہ کرنے والے ہیں[322]

گویا توبہ کرنا اللہ تعالی کو بہت پسند ہے اللہ تعالی توبہ کرنے والے کے تمام گناہوں کو معاف فرماتا ہے اور توبہ کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہتا ہے اور اس کی توثیق کے لیے انھوں نے حدیث بیان کی کہ

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک غرغرہ کا موت کا وقت نہ ائے اللہ بندے کی توبہ قبول فرماتا ہے۔[323]

توبہ پر قرآن مجید اور احادیث رسول سے بہت سی روایات ملتی ہیں ان میں سے یہ ہیں سورہ تحریم ایت نمبر اٹھ میں فرمایا ایمان والو اللہ کی طرف خالص توبہ کرو

حضرت عبد اللہ بن مسعود بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گناہ کی توبہ یہ ہے کہ توبہ کے بعد دوبارہ وہ گناہ نہ کیا جائے۔[324]

حضرت ماہ قل رضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا ندامت توبہ ہے۔[325]

---

[322] امام ترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی، جامع ترمذی، حدیث ۲۴۹۹

[323] امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی، جامع ترمذی، حدیث ۳۵۳۷

[324] امام احمد بن حنبل، مسند احمد، جلد ا، ص ۴۴۶

[325] ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ، مطبوعہ، نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی، صفحہ 313

حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم نے فرمایا اگر تم خطائیں کرو حتی کہ تمہاری خطاؤں سے اسمان بھر جائے پھر بھی تم توبہ کرو تو اللہ تعالی تمہاری توبہ قبول فرمائے گا۔[326]

علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری نے قرآن مجید کی آیت مبارکہ

فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِؕ-اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ[327]

پھر سیکھ لیے آدم نے اپنے رب سے کچھ خاص کلمے پھر اللہ نے اس پر توجہ بر حمت فرمائی بے شک وہ بڑا معاف کرنے والا مہربان ہے۔

کی تفسیر میں توبہ کے حوالے سے تحریر کیا کہ

توبہ نام ہے رجوع الی اللہ کا[328]

اور اس کے چار رکن ہیں

1. اعتراف جرم
2. ندامت
3. ترک معصیت
4. یہ بات بھی ملحوظ رہنا ضروری ہے کہ ترک معصیت کا عزم اس گناہ میں ہو گا جو حقوق اللہ تک ہو گناہ جس کا تعلق حقوق العباد سے اس کی تلافی جتنی ممکن ہو کرے۔

---

[326] ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ، مطبوعہ، نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی، صفحہ 313

[327] البقرۃ:۳۷

[328] علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری، تفسیر حسنات، جلد ۱، ص ۱۷۶

مثلا تارک الصلوۃ کی توبہ کے لیے پچھلی نمازوں کی قضا ضروری ہے۔ جتنی ممکن ہو اگر خالص حقوق العباد ہی ہوں تو ان کی اطلاع ضروری ہے۔ مثلا قرض اس کے ادا کرنے میں مقدور صحیح لازم ہے۔ کسی کا مال ڈکیتی یا چوری سے اگر لیا تو بعد توبہ اس کا ادا کرنا ہے۔ جس کا مال ہے اس سے معافی مانگنا ضروری ہے اگر ممکن نہیں تو معاف ہے۔

[329]تذکرۃ الاولیاء میں ایک چشتی بزرگ کا واقعہ جو توبہ سے قبل بڑے نامی ڈاکو تھے۔ ایک قاری کے قافلہ میں تھے ان کا گزرا اس ڈاکو کی ڈاکہ ڈالنے کی جگہ سے ہوا یہ ڈاکو اپنی جماعت پہ ڈاکہ زنی کے لیے منتظر وقت تھا کہ قافلہ سے اس قاری کی تلاوت میں یہ آیت کریمہ سنی۔ جب انہوں نے یہ آیت سنی اور اپنے ہمراہیوں سے بجائے ڈاکہ ڈالنے کے کہا کہ میرا دل تو ڈر گیا۔ قافلہ کو روکا اور قاری صاحب کے ہاتھ پر توبہ کی۔ انہوں نے ہدایت فرمائی کہ تیرا عمل یہ ہے کہ جن جن کا مال تو نے لیا ہے انہیں ادا کر یا معافی مانگ چونکہ توبۃ النصوحہ کی تھی۔ انہوں نے اسی گھڑی سے شہر بہ شہر گشت شروع کر دیا اور جہاں جو ملا اس سے اپنے قصور کی معافی لی یا اس کا معاوضہ دیا۔ حتی کہ ایک شخص وہ ملا جس کا 12 من سونا اس نے لوٹا تھا اس سے یہ ملے کہا میں نے اپنے فعل مضموم سے توبہ کر لی ہے لہذا آپ مجھے معاف کر دیں۔ وہ بولا میں تو آخرت میں لوں گا انہوں نے کہا پھر آپ مجھے ملازم رکھ لیں اور جو تنخواہ مقرر کریں اس سے آپنا سونا وصول کر لیں۔ اس نے کہا اس کے معنی یہ ہیں کہ جنگل میں تو تم نے مجھے لوٹا تھا اب گھر میں گھس کر اور لوٹنا چاہتے ہو۔ میں اتنا بے وقوف نہیں کہ پھر تمہاری باتوں میں آکر گھر بیٹھے اپنے آپ کو خراب کر لوں جاؤ آپنا راستہ لو۔ اور تمہارا میرا فیصلہ قیامت کو ہو گا۔ یہ مجبور ہو گئے تو انہوں نے اپنے رب تعالی عزوجل کی طرف رجوع کیا اور اس آدمی سے کہا میاں جس کے حضور میں نے توبہ کی ہے اس کی رحمت کاملہ سے میں امید کرتا ہوں کہ وہ مٹی کو سونا بنا سکتا ہے لہذا تو ترازو لگا اور آپنا سونا وزن کر۔ اس نے تعجب کرتے ہوئے ترازو لگا دی اللہ عزوجل کا نام لے کر انھوں نے مٹی ترازو کے پلڑے میں ڈالنا شروع کر دی۔ اس کی نیت اور صدق توبہ کی وجہ سے اور رحمت الہی سے وہ مٹی سونا بن گئی اور 12 من وزن سونے کا پورا ہو گیا۔ یہ شخص یہودی تھا جس نے یہ کرشمہ قدرت دیکھا تو فورا ایمان لے آیا اور کلمہ پڑھ لیا۔ اس روایت سے کرشمہ قدرت اور صدق دل سے توبہ کی عظمت واضح ہوتی ہے۔[330]

---

[329]علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری، تفسیر حسنات، جلد ا، ص ۱۷۷

[330]علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری، تفسیر حسنات، جلد ا، ص ۱۷۷

مولانا مفتی میں شفیع نے قرآن مجید کی آیت مبارکہ

فَتَلَقّٰی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ[331]

پھر سیکھ لیے آدم نے اپنے رب سے کچھ خاص کلمے پھر اللہ نے اس پر توجہ برحمت فرمائی بے شک وہ بڑا معاف کرنے والا مہربان ہے۔

کی تفسیر میں توبہ کے معنی اور مفہوم کے حوالے سے تحریر کیا کہ

توبہ کے اصل معنی رجوع کرنے کے ہیں۔

اور جب توبہ کی نسبت بندے کی طرف کی جاتی ہے تو اس کے معنی تین چیزوں کا مجموعہ ہوتا ہے

1. اپنے کیے ہوئے گناہ کو گناہ سمجھنا اور اس پر نادم اور شرمندہ ہونا
2. اس گناہ کو بالکل چھوڑ دینا
3. آئندہ کے لیے دوبارہ نہ کرنے کا پختہ عزم

ان چیزوں میں سے ایک منٹ کی بھی کمی ہوئی تو وہ توبہ نہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ محض زبان سے اللہ توبہ کے الفاظ بول دینا نجات کے لیے کافی نہیں جب تک یہ تینوں چیزیں جمع نہ ہوں۔ یعنی گزشتہ پر ندامت، حال میں اس کا ترک اور مستقبل میں اس کے نہ کرنے کا عزم و ارادہ۔ جہاں توبہ کی نسبت اللہ تعالی کی طرف ہے اس کے معنی ہیں توبہ قبول کرنا۔[332]

علامہ ابو محمد عبد الحق حقانی نے قرآن مجید کی آیت مبارکہ

فَتَلَقّٰی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ[333]

---

[331] البقرۃ:۳۷

[332] مولانا مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، جلد ا، صفحہ ۲۰۰

[333] البقرۃ:۳۷

پھر سیکھ لیے آدم نے اپنے رب سے کچھ خاص کلمے پھر اللہ نے اس پر توجہ بر حمت فرمائی بے شک وہ بڑا معاف کرنے والا مہربان ہے۔

کی تفسیر میں توبہ کے معنی اور مفہوم کے حوالے سے تحریر کیا کہ

توبہ تین چیزوں سے مرکب ہے

1. علم معصیت کے گناہ کو برا، جرم اور باعث خرابی دنیا و آخرت جانے تا کہ دل میں بے قراری پیدا ہو اور دل میں ندامت آئے۔
2. ترک فی الحال یعنی اسی وقت اس کام کو چھوڑ دے۔
3. عزم مستقل یعنی آئندہ کے لیے دل میں مصمم ارادہ کرلے کہ میں اس کام کو ہرگز نہیں کروں گا اور جو کچھ حقوق الہی یا حقوق العباد ہیں ان کو ادا کرنے کی بھی کوشش کرے۔ پس جب ان شرائط سے بندہ توبہ کرتا ہے تو خدا تعالی اپنے فضل و کرم سے بندے کے گناہ معاف کر دیتا ہے۔
4. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث بخاری اور مسلم کے حوالہ سے نقل کی کہ نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب بندہ گناہ کرکے مقر اور تائب ہوتا ہے تو خدا تعالی اس کے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔[334]

مفتی احمد یار خان نعیمی نے قرآن مجید کی آیت مبارکہ

فَتَلَقّٰٓی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّہٖ کَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَیْہِؕ اِنَّہٗ ھُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ[335]

پھر سیکھ لیے آدم نے اپنے رب سے کچھ خاص کلمے پھر اللہ نے اس پر توجہ بر حمت فرمائی بے شک وہ بڑا معاف کرنے والا مہربان ہے۔

کی تفسیر میں توبہ کے حوالے سے تحریر کیا کہ

اللہ کی دو صفتوں کا ذکر ہے ایک تواب دوسری رحیم

---

[334] علامہ ابو محمد عبد الحق حقانی، تفسیر حقانی، جلد ۲، ص ۶۰۸

[335] البقرۃ:۳۷

تواب کے معنی ہیں بہت توبہ قبول فرمانے والا۔ کہ اگر انسان ہزاروں بار توبہ کرے اور پھر غلطی سے گناہ صادر ہو تا رہے تب بھی اس کی توبہ قبول ہوتی رہتی ہے۔ نیز وہ خود ہی توبہ کی توفیق دیتا اور اس کے اسباب جمع فرماتا ہے۔[336]

خلاصہ

توبہ کا معنی معافی اور استغفار ہوتا ہے۔ اپنے کیے ہوئے پر نادم ہونا اور تلافی کرنا بھی توبہ کہلاتا ہے۔ صوفیاء کے نزدیک نقش سے کمال کی طرف یعنی گناہوں سے اچھائی کی طرف کوشش کرنا اور سعی کرنا بھی توبہ کہلاتا ہے۔ اللہ رب العزت کی طرف رجوع کرنا برائیوں سے منہ موڑنا بھی توبہ کہلاتا ہے۔ صوفیا کے نزدیک توبہ کے لیے دو چیزیں بہت ضروری ہیں۔ ایک دل میں ندامت کا پیدا ہونا اور دوسرا گناہوں سے طبعی نفرت کرنا۔ مفسرین نے گناہ کو ترک کرنے کا عزم مصمم اور آئندہ گناہ کو نہ دہرانے کا پختہ عہد کرنا توبہ سے تعبیر کیا ہے۔ انہوں نے اس کو چار چیزوں میں تقسیم کیا یعنی چار ارکان توبہ وضع کیے۔ معصیت کے صادر ہونے سے شخص کو ندامت ہو اس کا دل جلے اور وہ اس سے متنفر ہو۔ آئندہ اس کو نہ کرنے کا پختہ عزم کرے اور اسکی تلافی کرے ۔ غلطیوں کا تدارک کرے۔ یعنی جو نماز رہ گئی اس کی قضا کرے اور جو کسی کا حق کھایا کسی کی رقم دبالی تو وہ اس کو واپس کرے۔ اور چوتھی چیز کہ یہ توبہ صرف اللہ کی رضا کے لیے ہو نہ کہ لوگوں کے دکھلاوے کے لیے نہ ان کے سامنے اظہار اور کر کے ان سے مدح و تعریف حاصل کرنے کے لیے۔

خلق

یعنی ایک واسطے سے دوسری چیز پیدا کرنا[337] مرکب چیز سے کسی چیز کو پیدا کرنا تبدیل صورت کے ساتھ خلق کہلاتا ہے۔[338]

---

336 مفتی احمد یار خان نعیمی، تفسیر نعیمی، ج۱، ص۳۱۳

337 سید محمد ذوقی، سر دلبراں، ص۷۹

338 سید محمد ذوقی، سر دلبراں، ص۹٦

استنباط

علامہ غلام رسول سعیدی نے قرآن مجید کی آیت مبارکہ

وَ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ[339]

اور یقیناہر قسم کا عظیم اخلاق آپ کی دسترس میں ہے

کی تفسیر میں خلق کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں کہ

خلق کا معنی ہے پیدا کرنا عدم سے وجود میں لانا اور جسم کی ظاہری بناوٹ یعنی جسم کے ظاہر کو بنانا

اور خلق کا معنی ہے انسان کی وہ جبلی اور طبعی صفات جن کا ادراک بصیرت سے کیا جاتا ہے۔[340]

حضرت عبد اللہ بن مبارک جو نے خلق حسن کی یہ تعریف کی لوگوں سے ہنستے مسکراتے ہوئے خندہ پیشانی سے ملنا نیکی کو پھیلانا اور برے کاموں سے باز رہنا۔[341]

رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے حسن اخلاق کی بہت تعلیم تلقین اور تاکید فرمائی۔

صاحب تبیان القرآن نے اس حوالہ سے متعدد احادیث کو نقل کیا جن میں سے چند درج ذیل میں پیش کی جاتی ہیں۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ والہ وسلم نے فرمایا تم جہاں کہیں بھی ہو اللہ سے ڈرتے رہو۔اور برا کام کرنے کے بعد نیک کام کرو جو اس برے کام کو مٹا دے۔اور لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق کے ساتھ پیش اوَ۔[342]

---

[339] القلم:۴

[340] علامہ غلام رسول سعیدی، تبیان القرآن، جلد ۱۲، ص ۱۶۵

[341] امام ترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی، سنن ترمذی، ۲۰۰۵

[342] امام ترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی، سنن ترمذی، ۱۹۸۷

حضرت ابو دردہ رضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن مومن کے میزان میں اخلاق سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہوگی۔ اور اللہ تعالی بد اخلاق شخص سے بغض رکھتا ہے۔[343]

حضرت ابو دردہ رضی اللہ تعالی عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے یہ فرماتے سنا کہ اچھے اخلاق سے زیادہ وزنی کوئی چیز میزان میں نہیں رکھی جائے گی اور اچھے اخلاق والا نمازیوں اور روزہ داروں کے درجے کو پالیتا ہے۔[344]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے سوال کیا گیا وہ کون سا کام ہے جس کی وجہ سے زیادہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا اللہ سے ڈرنا اور اچھے اخلاق۔ اور پھر آپ سے سوال کیا گیا کہ وہ کون سے کام ہیں جن کی وجہ سے زیادہ لوگ دوزخ میں داخل ہوں گے۔ آپ نے فرمایا منہ اور شرمگاہ یعنی منہ اور شرمگاہ میں حرام چیز داخل کرنا۔[345]

علامہ ابو محمد عبد الحق حقانی نے قرآن مجید کی آیت مبارکہ

وَ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ[346]

اور یقیناہر قسم کا عظیم اخلاق آپ کی دسترس میں ہے

کی تفسیر میں خلق کے حوالے سے تحریر فرمایا کہ

خلق نفسانی ملکہ ہے جس کے سبب انسان عمدہ کام باسانی کر سکتا ہے۔[347]

اچھے کام کرنااور بات ہے ان کو آسانی سے کرنااور بات ہے۔ پس وہ حالت جس کی وجہ سے بسہولت بندہ کاموں کو کر سکے۔ اس کو خلق کہتے ہیں۔ جس کی جمع اخلاق ہے۔ خلق حسد، بخل اور لالچ اور غضب اور معاملات میں تشدد سے بچنااور لوگوں سے معاملات

---

[343] امام ترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی، سنن ترمذی، ۲۰۰۲

[344] امام ترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی، سنن ترمذی، ۲۰۰۳

[345] امام ترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی، سنن ترمذی، ۲۰۰۴

[346] القلم: ۴

[347] علامہ ابو محمد عبد الحق حقانی، تفسیر حقانی، جلد ۴، ص ۲۵۸

میں نرمی کرنااور درگزر کرنا ہے۔انتقام سے درگزر کرنا احباب کے ساتھ اچھا سلوک کرنا بلکہ بدی کے مقابلہ میں نیکی کرنا اور حسد سے دور رہنا بھی خلق میں داخل ہے۔

حیاو شرم کرنا سخت کلامی اور فحش گوئی اور طنہ بازی سے بچنا بھی خلق کا ایک جزو ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کی زندگی اخلاق کریمانہ اور حسن خلق کے حوالہ سے بہترین نمونہ ہے۔اور تمام دنیا کے انسانوں کے لیے مشعل راہ ہے۔

صاحب تفسیر حقانی نے لکھا کہ حضور کی روح پاک میں معارف الہیہ حقہ کے قبول کرنے کی نہایت استعداد رکھی گئی تھی۔ اور بری باتوں لوگوں کے طعنوں کے قبول کرنے کے قطعی استعداد تھی۔اس لیے اس عظیم ملکہ کو خلق سے تعبیر کیا گیا۔

حضرت ابو دردہ رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عائشہ رضی اللہ تعالی عنھا سے خلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دریافت کیا تو آپ نے فرمایا آپ کا خلق قرآن تھا۔ جس سے وہ راضی اس سے آپ راضی جس سے وہ ناخوش اس سے آپ ناخوش تھے۔[348]

حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کے دس برس تک میں رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں رہا آپ نے کبھی مجھے کسی کام کے کرنے پر یہ نہ فرمایا کہ یہ کیوں کیا اور کیوں نہ کیا۔[349]

مولانا مفتی میں شفیع نے قرآن مجید کی آیت مبارکہ

وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ[350]

اور یقیناہر قسم کا عظیم اخلاق آپ کی دسترس میں ہے۔

کی تفسیر میں خلق کے حوالے سے سیر حاصل گفتگو کی۔

[348] علامہ ابو محمد عبد الحق حقانی، تفسیر حقانی، جلد ۴، ص ۲۵۸

[349] علامہ ابو محمد عبد الحق حقانی، تفسیر حقانی، جلد ۴، ص ۲۵۸

[350] القلم: ۴

رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے خلق عظیم کے حوالے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ خلق عظیم سے مراد دین عظیم ہے۔ کہ اللہ کے نزدیک اس دین اسلام سے زیادہ کوئی محبوب دین نہیں۔[351]

حضرت عائشہ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق خود قرآن تھا۔یعنی قرآن کریم جن اعلی اعمال و اخلاق کی تعلیم دیتا ہے آپ صلی اللہ تعالی علیہ والہ وسلم ان سب کا عملی نمونہ ہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہ کریم نے فرمایا کہ خلق عظیم سے مراد آداب قرآن ہیں۔یعنی وہ آداب جو قرآن نے سکھائے ہیں۔

ابو الحیان اندلسی کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ سے ایک ارشاد گرامی نقل کیایعنی مجھے اس کام کے لیے بھیجا گیا کہ میں اعلی اخلاق کی تکمیل کروں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ فحش گو تھے نہ فحش کے پاس جاتے تھے نہ بازاروں میں شور و شغب کرتے تھے برائی کا بدلہ کبھی برائی سے نہیں دیتے تھے بلکہ معافی اور درگزر کا معاملہ فرماتے تھے۔[352]

حضرت ابو وردہ رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میزان عمل میں خلق حسن کے برابر کسی عمل کا وزن نہیں ہو گا اور اللہ تعالی گالی گلوچ کرنے والے بدزبان سے بغض رکھتا ہے۔

علامہ ابو الحسنات سید محمد احمد قادری نے قرآن مجید کی آیت مبارکہ

وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِیْمٍ[353]

اور یقیناہر قسم کا عظیم اخلاق آپ کی دسترس میں ہے۔

---

[351]مولانامفتی محمد شفیع، معارف القرآن، جلد ا، صفحہ ۵۳۲

[352]مولانامفتی محمد شفیع، معارف القرآن، جلد ۸، صفحہ ۵۳۲

[353]القلم: ۴

کی تفسیر میں خلق کے حوالے سے تحریر کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو جو اللہ پاک نے ارشاد فرمایا کہ آپ خلق عظیم پر فائض ہیں اس کا معنی یہ بھی ہے کہ آپ اول العزم ہیں۔ جتنی ہمت اللہ تعالی نے جتنی اولو العزمی اللہ تعالی نے آپ کو عطا فرمائی کسی اور کے حصے میں نہ آئی۔ اسی لیے آپ مخلوق کی باتوں کو برداشت فرمالیتے تھے اور در گزر فرمادیتے تھے۔

ابو نعیم نے حلیہ میں حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ راہ خدا میں جس طرح مجھے دکھ پہنچایا گیا اس طرح کسی کو دکھ نہ دیا گیا۔[354]

امام احمد نے اپنی مسند میں روایت کی ہے کہ سعد بن ہشام نے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ عفیفہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ تعالی عنہ سلام اللہ تعالی علیہا سے رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ والہ وسلم کے اخلاق کریمہ کے بارے میں پوچھا تو ام المومنین نے فرمایا بیٹے کیا تم قرآن نہیں پڑھتے ؟ میں نے عرض کیا جی پڑھتا ہوں۔ تو ام المومنین نے فرمایا کان خلق نبی اللہ کان القرآن۔ بے شک اللہ کے نبی کا اخلاق قرآن ہی تو ہے۔

خلاصہ

صوفیاء کے نزدیک ایک واسطے سے دوسری چیز پیدا کرنا خلق کہلاتا ہے مرکب چیز سے کسی چیز کو پیدا کرنا تبدیلی صورت کے ساتھ یعنی چیز مرکب چیز کی شکل تبدیل کر کے ایک دوسری چیز کو پیدا کرنا خلق کہلاتا ہے اس طرح اللہ تعالی نے فرمایا کہ اس نے انسان کو مٹی کے گارے سے تخلیق فرمایا گویا مٹی کا گاہ ایک مرکب موجود تھا اور اس کی شکل تبدیل کر کے انسان کو تخلیق کیا گیا مفسرین نے اس کو خلق اور خلق دونوں منوں میں لیا ہے خلق سے مراد ہے عدم سے وجود میں لانا جسم کی ظاہری بناوٹ بنانا اور خلق کمانا ہے انسان کی وہ جبلی اور طبی صفات جن کا ادراک بصیرت سے کیا جاتا ہے اس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا ہم نے اپ کو خلق عظیم عطا فرمایا ہے۔

---

[354] علامہ ابو الحسنات سید محمد احمد قادری، تفسیر حسنات، جلد ۷، ص ۵۲

محاسبہ

بندہ ہر حال میں اپنے احوال پر واقف رہے۔ اگر طاعت میں ہے تو شکر، اور معصیت میں ہے تو استغفار کرے یا پاسِ انفاس میں حضور و غفلت کا خیال رکھے۔ یا قبض و بسط پر یعنی تنگی اور کشادگی پر نظر رکھے اور شکر کے موقع پر شکر اور استغفار کے موقع پر توبہ و استغفار کرے۔ اسے وقوف زمانی بھی کہتے ہیں۔[355]

استنباط

علامہ ابو محمد عبد الحق حقانی نے قرآن مجید کی آیت مبارکہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ لْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍۚ-وَ اتَّقُوا اللّٰهَؕ-اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ[356]

اے ایمان والو ڈرو اللہ سے اور ہر شخص دیکھ لے کہ وہ کل کے لیے آگے کیا بھیج رہا ہے اور ڈرتے رہو اللہ سے بے شک اللہ تمہارے اعمال سے خوب باخبر ہے۔

کی تفسیر میں محاسبہ کا مفہوم بیان کرتے ہیں۔ دراصل لفظ محاسبہ تو کہیں استعمال نہیں ہوا۔ لیکن خود احتسابی اپنے بارے میں اور اپنے اعمال کے حوالے سے سوچنے کے حوالے سے تحریر کرتے ہیں۔

دراصل خود احتسابی اپنے بارے میں اور اپنے اعمال کے حوالے سے سوچنا خود کا خیال رکھنا یہ ہی مفہوم محاسبہ ہے اور اس حوالے سے صاحب تفسیر حقانی نے لکھا کہ کوئی فرد کسی قوم کسی رتبہ کا ہو یا کوئی شخص کسی منصب پہ فائز ہو۔ وہ دیکھے کہ میں نے کل کے لیے یعنی اس جہان کے لیے جو بہت جلد پیش آنے والا ہے۔ گویا دنیا اور اس کی تمام زندگی ایک روز ہے اگلا دن اس دوسرے جہان کا ہے۔ اور اس جہان کیلئے کیا بھیجا ہے کیا اکٹھا کیا ہے۔ اور کون سا سرمایہ اس جہان کے لیے جہاں ہمیشہ رہنا ہے تیار کیا ہے۔؟ اور وہ توشہ جو اس جہاں کیلئے تیار کرنا چاہیے وہ تقوی ہے۔ اس لیے تقوی اختیار کرنا چاہیے۔[357]

---

[355] سید محمد ذوقی، سر دلبراں، ص ۲۴۵

[356] الحشر:۱۸

[357] علامہ ابو محمد عبد الحق حقانی، تفسیر حقانی، جلد ۲، ص ۶۰۸

انسان جب اپنی عمر رواں اور اس کے اندر ملک جاودانی کے لیے توشہ مہیا کرنے کا خیال کرے گا تو قطعا اس کے تمام قوائے باطنیہ میں ایک سخت تحریک پیدا ہو گی اور اس کے بعد جب یہ بھی خیال ہو گا کہ ان اللہ خبیر۔ اللہ خبر دار ہے۔ ہمارے ہر عمل سے واقف ہے ۔تو اور بھی کوشش اور اخلاص میں سر گرمی کرے گا۔ تقوی تمام حسنات واصول سعادت کا اصل اصول ہے۔

مولانا اشرف علی تھانوی نے قرآن مجید کی آیت مبارکہ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ لْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍۚ-وَ اتَّقُوا اللّٰهَؕ-اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ[358]

اے ایمان والو ڈرو اللہ سے اور ہر شخص دیکھ لے کہ وہ کل کے لیے آگے کیا بھیج رہا ہے اور ڈرتے رہو اللہ سے بے شک اللہ تمہارے اعمال سے خوب باخبر ہے۔

کی تفسیر میں مفہوم محاسبہ کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں کہ

اللہ تعالی کا جو فرمان ہے کہ تم دیکھ بھال کرو کہ قیامت کے لیے تم نے کیا ذخیرہ کیا یعنی کیا اعمال صالحہ تم نے آخرت کیلئے ذخیرہ کیے ہیں۔ اور جس طرح تحصیل اطاعت اور اعمال صالحہ میں تقوی کا حکم ہے اسی طرح سے گناہ اور معاصی سے بچنے کا بھی حکم ہے۔ اور احتیاط سے زندگی گزارنے کا بھی حکم ہے اور خود کو گناہوں سے بچانے کا حکم ہے یہی محاسبہ کا مفہوم ہے۔[359]

خلاصہ

محاسبہ کا معنی خود احتسابی ہے یعنی بندہ ہر حال میں اپنے احوال پر واقف رہے اور اپنا احتساب کرے۔ اگر طاعت میں ہے تو شکر اور معصیت میں ہے تو استغفار کرے۔ یا تنگی اور خوشحالی میں اپنے عمل پر نظر رکھے شکر کے موقع پر شکر اور استغفار کے موقع پر استغفار کرے۔ اسے وقوف زمانی بھی کہتے ہیں۔ مفسرین نے لکھا کہ انسان اپنی جوانی اور اپنے شباب میں بہت سی چیزوں کو نظر انداز کر دیتا ہے لیکن محاسبہ اور خود احتسابی یہ ایسی چیز ہے جس کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے خواہ انسان کسی بھی جگہ کسی بھی مقام میں کسی بھی حالات میں کیوں نہ ہو۔ اس لیے کہا کہ انسان کو یہ دیکھنا چاہیے اپنا احتساب کرنا چاہیے کہ وہ کل کے لیے آگے کیا بھیج رہا ہے۔ اس دن کے لیے جس دن کے بعد ہمیشہ اس نے زندہ رہنا ہے۔ اس دن کے لیے جو دن قیامت کا ہے اس دن کے لیے جس دن تمام اعمال

---

[358] الحشر:۱۸

[359] مولانا اشرف علی تھانوی، بیان القرآن، ج۳، ص۷۵۶

تلیں گے۔ اس دن کے لیے جس دن سب کچھ انسان کے سامنے آجائے گا۔ اس دن کے لیے بندے کو خوب تیاری کرنی چاہیے اور یہی خود احتسابی ہے اور محاسبہ کا مفہوم ہے۔

تواضع

جناب الٰہیٰ میں بندہ کا پست ہو جانا۔[360] یعنی اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی اختیار کرنا اور جھک کر رہنا، تکبر بناوٹ تصنع کو اور بڑائی سے خود کو دور کر لینا اور خود کو بچا کر رکھنا۔ ہر وقت اللہ تعالیٰ کے سامنے اطاعت کے لیے سر تسلیم خم کرنا جھک جھک کر بچھ بچھ کر رہنا۔ بارگاہ الٰہی میں عاجز بن کر رہنا تواضع کہلاتا ہے۔

استنباط

مولانا اشرف علی تھانوی نے قرآن مجید کی آیت مبارکہ

وَ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا[361]

اور رحمنٰ کے بندے جو زمین پر عاجزی سے چلتے ہیں

کی تفسیر میں تواضع کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں کہ

اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا کہ اس سے مراد رحمان کے یعنی اللہ کے وہ خاص بندے ہیں جن کے مزاج میں تواضع ہے۔

---

[360] سید محمد ذوقی، سر دلبراں، ص ۱۵۴

قاضی عبد الکبیر منصور پوری، فرہنگ اصطلاحات تصوف، ص ۴۹

[361] الفرقان: ۶۳

اور وہ تواضع تمام امور میں ظاہر بھی ہوتی ہے۔ اس سے صرف مراد چال میں یعنی چلنے سے مراد نہیں اور نہ نرم رفتاری موجب مدح ہے بلکہ دراصل یہاں مرکز توجہ تواضع ہے۔ جس کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ یہ طرز ان کے تمام اعمال کے اندر خاص ہے۔ اور دوسروں کے ساتھ بھی تواضع سے پیش انا بھی یہاں مراد لیا جا رہا ہے۔[362]

جب لوگوں سے بات چیت کی جائے اس وقت ان سے تواضع سے پیش آنا۔ لوگ جب ان سے کوئی جہالت کی بات کرتے ہیں تو وہ شر کی بات کو رفع کرتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے نفس کے لیے کوئی انتقامی کاروائی قولی یا فعلی کی خواہش نہیں رکھتے بلکہ ان کو ان کی اصلاح کے لیے یا اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے درگزر کرتے ہیں۔

گویا اس کا مفہوم یہ ہوا کہ ھونا سے مراد صرف نرم چال ہی نہیں بلکہ اللہ تعالی اپنے خاص بندوں کی زندگی کے ہر معاملے میں تواضع کا اظہار فرما رہا ہے۔

علامہ غلام رسول سعیدی نے قرآن مجید کی آیت مبارکہ

وَ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا[363]

اور رحمنٰ کے بندے جو زمین پر عاجزی سے چلتے ہیں

کی تفسیر میں تواضع کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں کہ

تواضع کا معنی دراصل بردباری اور نرمی ہے[364]

اور اسی حوالہ سے وہ لکھتے ہیں کہ دنیا کے تمام انسان رحمان کے بندے ہیں اور اس ایت میں بندوں کی رحمان کی طرف اضافت تخصیص و تشریف کے لیے یعنی وہ رحمان کے بہت خاص اور بہت شرف والے بندے ہیں جو زمین پر اہستگی اور وقار کے ساتھ چلتے ہیں یعنی تواضع کے ساتھ چلتے ہیں۔ اتراتے ہوئے اکڑتے ہوئے اور تکبر سے نہیں چلتے۔

---

[362] مولانا اشرف علی تھانوی، بیان القرآن، ج۳، ص۴۰

[363] الفرقان: ۶۳

[364] علامہ غلام رسول سعیدی، تبیان القرآن، جلد ۸، ص ۲۶۶

حضرت حسن بصری کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ ھون کا لغوی معنی ہے نرمی اور ملائمت۔ اور اس آیت میں فرمایا کہ اگر کوئی جاہلانہ بات بھی کرے تو اس کو اس طرح سے جواب نہ دو۔ یعنی اس کے برے اخلاق اور رویہ کی طرح اس کو جواب نہ دو۔ حضرت حسن بصری نے اللہ تعالی کے خاص بندے جن کا یہاں ذکر کیا جارہا ہے ان کے بارے میں فرمایا کہ وہ علماء اور حکماء ہیں۔ [365]

اور محمد بن حنفیہ نے کہا وہ اصحاب وقار اور عزت والے لوگ ہیں جو جاہلانہ بات نہیں کرتے اور اگر ان سے کوئی جاہلانہ بات کی بھی جائے تو بردباری اور تحمل سے سن لیتے ہیں۔

مولانا مفتی میں شفیع نے قرآن مجید کی آیت مبارکہ

وَ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا[366]

اور رحمٰن کے بندے جو زمین پر عاجزی سے چلتے ہیں

کی تفسیر میں تواضع کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں کہ

ھونا سے مراد ہے کہ وہ لوگ زمین پر تواضع کے ساتھ چلتے ہیں۔ مزید لکھا کہ ھونا سے مراد ہے کہ سکینت اطمینان اور وقار کے ساتھ چلا جائے۔ اکڑ کر تکبر کے ساتھ نہ چلا جائے۔ [367]

خلاصہ

صوفیاء کے نزدیک اللہ تعالی کے سامنے عاجزی اختیار کرنا اور جھک کر رہنا، تکبر بناوٹ تصنع کو اور بڑائی سے خود کو دور کر لینا اور خود کو بچا کر رکھنا۔ ہر وقت اللہ تعالی کے سامنے اطاعت کے لیے سر تسلیم خم کرنا جھک جھک کر بچھ بچھ کر رہنا۔ بارگاہ الہی میں عاجز بن کر رہنا تواضع کہلاتا ہے۔ مفسرین کے نزدیک تواضع سے مراد صرف چال چلن میں تواضع نہیں بلکہ زندگی کے ہر معاملے میں تواضع اختیار کرنا ہے جس کا اظہار قران مجید فرقان حمید میں کیا گیا ہے۔ یعنی انسان جب کسی سے بات کرے تو تواضع اختیار کرے

[365] علامہ غلام رسول سعیدی، تبیان القرآن، جلد ۸، ص ۲۶۷

[366] الفرقان: ۶۳

[367] مولانا مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، جلد ۱، صفحہ ۳۵۸

جب کسی کے ساتھ کوئی معاملہ کرے کوئی لین دین کرے تو خود کو تکبر اور رعونت سے بچا کر رکھے۔ اکڑ کر نہ چلے تکبرانہ رویہ اختیار نہ کرے بردباری اور تحمل سے زندگی کے تمام امور کو چلائے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی اختیار کرے یہ تواضع کہلاتا ہے۔

انابت

انابت اس توبہ کو کہتے ہیں جس میں ایسی ندامت ہو جو رغبت سے پیدا ہوتی ہے، انابت کرنے والے کو منیب کہتے ہیں۔[368]

اوبہ اس توبہ کو کہتے ہیں جس میں ایسی ندامت ہو جو عظمت و جبروت سے پیدا ہو۔

توبہ کرنے والے کو اوّاب کہتے ہیں۔

گناہ کبیرہ سے اطاعت کی جانب رجوع کرنا توبہ ہے گناہ صغیرہ سے محبت کی جانب رجوع کرنا انابت ہے۔

نفس کو خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا اوبہ ہے۔

استنباط

علامہ ابو محمد عبد الحق حقانی نے قرآن مجید کی آیت مبارکہ

وَّ اتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ۔ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ[369]

اور میری طرف آنے والی راہ پر چل پھر میری ہی طرف تجھے لوٹنا ہے تو میں تمہیں تمہارے اعمال کی حقیقت سے آگاہ کر دوں گا۔

کی تفسیر میں انابت کے مفہوم کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ

---

[368] سید محمد ذوقی، سر دلبراں، ص ۱۵۵

[369] لقمان:۱۵

جن لوگوں کا رجوع اللہ پاک کی طرف ہے ان کا طریقہ کار اختیار کرنا چاہیے۔ اس میں اشارہ حضرات انبیاء اولیاء کرام اور علمائے عظام کی طرف ہے۔ کیونکہ یہ لوگ روحانی باپ دادا ہیں اور اپنے اصلی بزرگ بھی ہیں۔ پھر ان سب باتوں کی تاکید کے لیے کہ تم کیا کیا کرتے تھے ظاہر داری خلوص نیت اور تمام اعمال خواہ ظاہری ہوں یا پوشیدہ سب کا حال معلوم ہو جائے گا۔ گویا یہاں پہ انابت کا معنی بیان کیا گیا راستے پہ چلنا۔[370]

تو قرآن مجید فرقان حمید کا اس آیت کا مفہوم صاحب تفسیر حقانی نے یوں بیان کیا ہے کہ اللہ تعالی نے قرآن مجید میں انبیاء اولیاء اور علماء کی انابت کا حکم دیا ہے یعنی ان کے راستے پہ چلنے کا حکم دیا ہے۔

علامہ غلام رسول سعیدی نے قرآن مجید کی آیت مبارکہ

وَّ اتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ[371]

اور میری طرف آنے والی راہ پر چل پھر میری ہی طرف تجھے لوٹنا ہے تو میں تمہیں تمہارے اعمال کی حقیقت سے آگاہ کر دوں گا۔

کی تفسیر میں انابت کے مفہوم کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ

اللہ تعالی نے فرمایا اور اس کے طریقہ کی پیروی کرنا جس نے میری طرف رجوع کیا۔ اس میں انسان کو یہ وصیت کی گئی ہے اور اس میں تمام انسانیت کے جہانوں کے لیے نصیحت ہے کہ ان لوگوں کے راستے کو اختیار کیا جائے جن کا اللہ تعالی کی طرف رجوع ہے یعنی انبیاء اور صالحین۔ صاحب بیان القرآن نے لکھا کہ اس آیت میں حضرت سعد کو حکم دیا گیا کہ جن لوگوں نے اللہ کی طرف رجوع کیا ان کی پیروی کرو اس سے مراد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ ہیں۔[372]

یہاں پر یہ مفہوم حاصل کیا جا سکتا ہے کہ اگر حضرت سعد رضی اللہ تعالی عنہ کو حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ کی انابت کا حکم دیا گیا تو تمام انسانیت کو انبیاء اور صالحین کی انابت کا بھی حکم دیا گیا ہے۔

---

370 علامہ ابو محمد عبد الحق حقانی، تفسیر حقانی، جلد ۳، ص ۳۸۱

371 لقمان: ۱۵

372 علامہ غلام رسول سعیدی، تبیان القرآن، جلد ۹، ص ۲۶۵

خلاصہ

صوفیاء کے نزدیک انابت ایسی توبہ کو کہتے ہیں جس میں ندامت ہو۔ اور وہ ندامت اللہ تعالی کی عظمت اور اس کی بزرگی کی وجہ سے انسان کے دل میں پیدا ہو۔ گناہ کبیرہ سے اطاعت کی جانب رجوع کرنا توبہ ہے اور گناہ صغیرہ سے محبت کی جانب محبت الٰہیہ کی جانب رجوع کرنا انابت کہلاتا ہے۔ مفسرین نے اس کا معنی یوں کیا ہے کہ وہ لوگ جن کا رجوع اللہ تعالی کی طرف ہے جیسے انبیاء اولیاء صالحین علماء ان کا طریقہ اختیار کرنا انابت کہلاتا ہے۔ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انابت اہلبیت رسول اور صحابہ کرام نے کی ہے۔

قناعت

مالوفات طبائع کے معدوم ہونے کی صورت میں سکون قلب کا ہونا، نہ کہ قلت عبادت پر قانع ہو جانا۔[373] یعنی کسی شخص کو اس کی پسند کی اشیاء کی عدم دستیابی کے باوجود اللہ تبارک وتعالی کا شکر ادا کرنا اور راضی برضا الٰہیہ ہو جانا نا کہ عبادت کی قلت پر راضی ہو جانا۔

اطمینان ودلجمی سے ہر حال پر راضی ہو جانا۔ مانوس طبائع کے نہ ملنے کے باوجود سکون قلب کو قائم رکھنا۔[374]

استنباط

علامہ غلام رسول سعیدی نے قرآن مجید کی آیات مبارکہ

اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا وَ اِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا[375]

---

[373] سید محمد ذوقی، سر دلبراں، ص ۳۳۸

[374] قاضی عبد الکبیر منصور پوری، فرہنگ اصطلاحات تصوف، ص ۱۴۰

[375] الکھف: ۸، ۷

بے شک ہم نے بنائے جو کچھ زمین میں ہے اس کے لیے زینت تا کہ ہم انہیں آزمائیں ان میں سے عمل کے لحاظ سے کون زیادہ اچھا ہے اور بے شک ہم جو کچھ زمین پر ہے اسے چٹیل میدان غیر آباد بنانے والے ہیں۔

کی تفسیر میں قناعت کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ

دنیا کی تھوڑی سی چیزوں پر بھی راضی ہو جانا قناعت کہلاتا ہے۔

جس آدمی کی امیدیں کم ہوں اور وہ لذیذ کھانوں کا پیچھا نہ کرے۔ اور نہ انواع و اقسام کے ملبوسات پہنے اور دنیا کی جو چیز آسانی سے مل جائے اس کو قبول کر لے یہ قانع ہونا اور قناعت کہلاتا ہے۔[376]

خلاصہ

صوفیاء کے نزدیک کسی شخص کو اس کی پسند کی اشیاء کی عدم دستیابی کے باوجود اللہ تبارک و تعالی کا شکر ادا کرنا اور راضی برضا الہیہ ہو جانا نا کہ عبادت کی قلت پر راضی ہو جانا۔ اطمینان و دلجمی سے ہر حال پر راضی رہنا۔ مانوس طبائع کے نہ ملنے کے باوجود سکون قلب کو قائم رکھنا قناعت کہلاتا ہے۔ مفسرین کے نزدیک دنیا کی تھوڑی سی چیزوں پر بھی راضی ہو جانا قناعت کہلاتا ہے جس ادمی کی امیدیں کم ہوں وہ لذیذ کھانوں کا پیچھا نہ کرے نہ انواع و اقسام کے ملبوسات کی خواہش اور طلب کرے نہ پہنے نہ دنیا کی جو چیز اسانی سے نہ مل سکتی ہو اس کی تعلق کرے بلکہ جو چیز اسانی سے میسر ائے وہ پہن لے اور اس کو قبول کر لے یہ قناعت کہلاتا ہے۔

فقر

فنا فی اللہ ہو جانا، دارین سے منہ موڑ لینا[377] یعنی اللہ تعالی کی ذات میں خود کو فنا کر دینا اور دنیا و مافیہا کی ہر چیز کی لالچ اور طمع اور حرص کو ترک کر کے صرف اللہ رب العزت سے لو لگانا۔

---

[376] علامہ غلام رسول سعیدی، تبیان القرآن، جلد ۸، ص ۱۵۴

[377] سید محمد ذوقی، سر دلبراں، ص ۳۲۹

فقر یہ ہے کہ تمہارے پاس کچھ نہ ہو۔ اگر ہو تو باقی نہ رہے بلکہ ایثار کر دو۔[378]، [379]

شیخ نوری فقراء کی تعریف یہ ہے کہ وہ تنگدستی کے موقع پہ مطمئن رہتے ہیں اور جب کچھ موجود ہوتا ہے تو سخاوت کرتے ہیں بلکہ اگر موجود ہو تو اضطراب اور بے چینی ہوتی ہے۔

استنباط

علامہ غلام رسول سعیدی، تبیان القرآن، جلد ۸، ص ۱۵۴

وَ اِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَاؕ-وَ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ

اور زیب و زینت کے تمام دوسرے وسائل بھی لیکن یہ سب کچھ تو دنیاوی زندگی کا سامان ہے اور تیرے رب کے نزدیک تقوی داروں کیلئے تو آخرت ہی سب کچھ ہے۔

کی تفسیر میں فقر کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ

اللہ تعالی نے اپنے نبی صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کے لیے فقر کو پسند کیا غنا کو پسند نہیں کیا۔

اور اس کی وجوہات بیان کیں کہ

اگر نبی صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم اغنیا کی زندگی گزارتے تو لوگ مال دنیا کی وجہ سے آپ کا قصد کرتے۔ اور جب کہ آپ نے فقر و فاقہ کی زندگی گزاری ہے۔ تو لوگ آخرت اور عقبیٰ کی وجہ سے آپ کا قصد کرتے ہیں۔

اللہ تعالی نے آپ کے لیے فقر کو اس لیے پسند کیا تا کہ فقراء کو تسلی ہو کہ اگر ہم فقر و فاقہ کی زندگی گزار رہے ہیں تو کیا ہوا دو عالم مختار نے بھی تو فقر و فاقہ کی زندگی گزاری ہے۔

---

[378] قاضی عبد الکبیر منصور پوری، فرہنگ اصطلاحات تصوف، ص ۱۳۳

[379] شیخ شہاب الدین عمر ابو حفص سہر وردی، عوارف المعارف، ص ۶۴۸

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لیے فقر کو اس لیے اختیار کیا کہ اس کے نزدیک مال دنیا بہت حقیر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مال دنیا کے حقیر ہونے کا معنی یہ ہے کہ مال دنیا مقصود بالذات نہیں ہے مقصود بذات تو آخرت ہے اور مال دنیا اجر آخرت کا وسیلہ ہے یہ دنیا دائمی قیام کی جگہ ہے نہ نیک اعمال کی جگہ ہے یہ دنیا تو امتحان کی جگہ ہے سفر کی جگہ ہے۔ دنیا میں وہی لوگ دل لگاتے ہیں جو علم اور ایمان سے خالی ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں اور ولیوں کو دنیا کی محبت سے محفوظ اور مامون رکھتا ہے۔[380]

صوفیا کے نزدیک فقر یہ ہے کہ انسان دنیا و مافیہا کی تمام چیزوں کو ترک کر دے لالچ طمع اور ہر ایک چیز سے جدا ہو کر صرف اللہ تعالیٰ کی بندگی کی طرف منہ موڑلے اور اس سے لو لگالے۔ اور اللہ تعالیٰ کی ذات میں خود کو فنا کر دے اور انسان کے پاس مال وثروت میں سے کچھ بھی اکٹھا کرنے کی لالچ اور خواہش نہ ہو۔ اور اگر اس کے پاس کچھ ہو تو وہ اللہ کی راہ میں ایثار کر دے صوفیاء کے نزدیک اگر انسان بندہ مومن تنگ بھی ہو فقیر تنگ بھی ہو تو وہ مطمئن رہتا ہے اور اگر اس کے پاس کچھ موجود ہو تو سخاوت کر دیتا ہے۔ مفسرین نے لکھا کہ فقر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے پسند فرمایا ہے اور اس کی کچھ وجوہات بھی ہیں کہ اگر رسول اللہ اغنیا والی زندگی گزارتے تو لوگ مال و دولت کی وجہ سے آپ کا قصد کرتے اور آپ نے فقر کو پسند فرمایا کہ جو لوگ آپ کے عاشق ہوئے جو آپ پر ایمان لائے انہوں نے سب کچھ لٹا کر بھی آپ کی محبت کا دم بھرا اور جانیں قربان کیں۔ اور دوسرا اس سے فقراء کو بھی تسلی ہوئی کہ اگر ہم فقیر ہیں تو کیا ہوا دو عالم کا مختار بھی تو فقر و فاقہ کی زندگی گزار رہا ہے۔ اور تیسرا کہ لوگوں کو تعلیم دی جائے کہ دنیا اور اس کا مال یہ اللہ کے نزدیک بہت حقیر سی چیز ہے اگر یہ کوئی بہت اچھی چیز ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو ضرور پسند فرماتے۔

---

[380] علامہ غلام رسول سعیدی، تبیان القرآن، جلد ۱۰، ص ۶۸۲

فصل سوم:

معاملات / عبادات کے ساتھ متعلقہ اصطلاحات تصوف کا استنباط

خلافت

شیخ جب مرید میں دوسروں کو تعلیم دینے کی استعداد دیکھ لیتا ہے تو اسے خلافت عطا فرماتا ہے. خلافت کی سات مندرجہ ذیل انواع آج کل مروج ہیں۔ جن میں سے بعض مقبول ہیں اور بعض نام مقبول ہیں۔ [381]

اصالۃ

جب کوئی بزرگ خدا کے حکم سے کسی شخص کو آپنا خلیفہ اور جانشین بناتا ہے تو یہ اعلی درجہ کی اور اصلی خلافت قرار دی جاتی ہے۔ مثلاً صاحب سیر الاولیاء تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ قصد فرمارہے تھے کہ اپنے کسی مرید کو خلافت عطا فرما کر ولآیت ہند اس کے سپرد فرمائی جائے کہ غیب سے ندا آئی کے نظام الدین بدایونی آرہاہے۔ راستہ میں ہے۔ خلافت کے قابل وہ ہے۔ اسے خلافت دو۔" جب حضرت سلطان مشائخ باباصاحب کے حضور پہنچے تو امر الہیٰ سے انہیں خلافت اور ہندوستان کی ولآیت مرحمت فرمائی گئی۔ باباصاحب خلاو ملا میں اکثر اوقات فرمایا کرتے تھے کہ بابا نظام الدین بظاہر میرے خلیفہ ہیں مگر باطنی وہ باری تعالیٰ کے خلیفہ اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نائب ہیں۔ اس قسم کی خلافت کو خلافت الہیٰ بھی کہتے ہیں۔

---

[381] قاضی عبدالکبیر منصورپوری، فرہنگ اصطلاحات تصوف، ص ۷۲

سید محمد ذوقی، سر دلبراں، ص ۱۹۴

اجازۃ

شیخ اپنے مرید یا رشتہ دار یا کسی اجنبی شخص کو اس میں صلاحیت و استعداد کافی دیکھ کر بہ رضا و رغبت آپنا خلیفہ بناتا ہے۔ اس قسم کی خلافت کو خلافت رضائی بھی کہتے ہیں۔

اجماعا

شیخ جب بغیر اس کے کہ کسی کو خلیفہ یا جانشین بنائے اس عالم سے کوچ کر جاتا ہے تو رسم پڑ گئی ہے کہ لوگ مجتمع ہو کر اس کے کسی مرید یا وارث کو اس کا خلیفہ جانشین بنا کر اسے سجادہ پر بٹھا دیتے ہیں۔ مشائخین کے نزدیک یہ خلافت درست و معتبر نہیں اور اس قسم کی خلافت کو خلافت افترائی بھی کہتے ہیں۔

وراثۃ

جب شیخ کسی کو خلیفہ جانشین قرار دیے بغیر اس جہاں سے گزر جائے اور اس کا کوئی عزیز یا وارث جو اس منصب کی صلاحیت رکھتا ہو اپنی رائے سے سجادہ پر بیٹھ کر اپنے آپ کو جانشین و خلیفہ قرار دے لے۔ اس نوعیت کی خلافت کو بھی مشائخ منظور نہیں فرماتے تاوقتیکہ اس کا اطمینان نہ ہو جائے کہ شیخ کے باطنی اشارے سے یہ جانشینی عمل میں آئی ہے۔ کیونکہ صوفیاء کے نزدیک باطنی اشارات جائز اور قابل عمل ہیں مگر ان کی تصدیق دوسروں کے لیے ذرا دشوار ہے۔

حکما

شیخ کے وصال کے بعد جانشینی کا جھگڑا پیدا ہو اور باہمی مناقشہ کا نتیجہ یہ ہو کہ معاملہ حکام وقت تک پہنچے اور عدالت سے ایک جانشین مقرر کیا جائے اطیعو اللہ و اطیعو الرسول و اولی الامر منکم کی رو سے اگر حکام وقت منکم کے تحت میں آتے ہوں تو یہ جانشینی جائز ہو گی ورنہ مشائخ کے نزدیک معتبر نہیں۔

تکلیفا

مرید پیر سے بہ کوشش اور دوسروں کی سفارش وغیرہ کی قوت سے بہ تکلف خلافت حاصل کرے تو اس قسم کی خلافت کی بھی کوئی وقت نہیں۔

اویسیا

کسی شخص کو ایک ایسے بزرگ کی روحانیت سے جو اس عالم سے کوچ فرما چکے ہوں تربیعت حاصل ہوئی ہو اور خلافت بھی عطا ہوئی ہو۔ بقول صاحب اقتباس الانوار متقدمین نے اس نوعیت کی خلافت کو تسلیم فرمایا ہے۔ مگر متاخرین اسے مستند نہیں قرار دیتے اور فرماتے ہیں کہ تاوقتیکہ کسی شیخ کامل و مکمل سے اس عالم میں ارتباط و اجازت حاصل نہ ہو سلسلہ جاری نہیں ہوتا۔

محققین نے فرمایا ہے کہ جب مرید فنا فی الرسول اور جبروت تک پہنچ جائے تو اسے خلافت دے دینا جائز ہو جاتا ہے گو واجب نہیں ہوتا۔ واجب اس وقت ہوتا ہے جب مریض شہود ذات تک پہنچے۔ واصل ملکوت کو بھی بعض حضرات خلافت عطا فرما دینا جائز رکھتے ہیں۔ بعض کے نزدیک جب مرید میں خطرہ شیطانی خطرہ رحمانی میں تمیز کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے تو اس کے خلافت دے دینا جائز ہے۔ بعض کے نزدیک جب شیخ مرید میں معاملہ نیک دیکھے تو اسے خلافت دے دے۔ لیکن جب شیخ حق تعالیٰ کی جانب سے یا جناب رسالت ماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے، یا اپنے پیر کی جانب سے کسی کو خلافت دینے پر مامور کر دیا جائے تو اسے خلافت دینا واجب ہو جاتا ہے۔

اجازت کی بھی دو اقسام ہیں

1. ایک اجازت مطلقہ
2. دوسری اجازت نیابتی

اجازت مطلقہ

مستقل اجازت ہے جس کی روح سے خلیفہ شیخ کا قائم مقام ہو جاتا ہے بطریق اصل کے اور خلق خدا کی ہدایت میں مصروف ہو جاتا ہے۔ اور مریدوں کو اپنے نام کا شجرہ دیتا ہے۔

اجازت نیابتی

اس میں مجاز اپنے شیخ کے حکم سے بطریق سفارت اور بر سبیل نیابت لوگوں سے اپنے ہاتھ پر بیعت لیتا ہے اور انہیں اپنے شیخ کا مرید بناتا ہے۔ اس طور پر بیعت کرنے والے مجاز کے نہیں بلکہ اس کے شیخ کے مرید ہوتے ہیں اور شجرہ ان کو شیخ ہی کے نام کا دیا جاتا ہے۔

بعض مشائخ کے نزدیک خلافت کی دو قسمیں ہیں صغریٰ اور کبریٰ

خلافت صغریٰ وہ ہے جو شیخ اپنے مرید کی محنت اور ریاضت دیکھ کر اس کے ساتھ حسن ظن قائم کرتا ہے اور اپنی نظر میں اس کا معاملہ نیک پاکر اسے خلافت سے مشرف فرماتا ہے۔ آپنا لباس اتار کر اسے بطور خرقہ کے مرحمت فرماتا ہے اور اس کے لیے کوئی شہر یا قصبہ یا کوئی اور مناسب مقام و تعین فرما دیتا ہے کہ وہاں رہ کر ارشاد و تکمیل طالبان حق میں مصروف رہے۔

خلافت کبریٰ اسے کہتے ہیں کہ جب شیخ کے دل پر بار بار الہام حق وارد ہو کہ فلاں شخص کو خلافت دی جائے اور شیخ اس خطرے کو دل سے مٹا نہ سکے اور اس کی تعمیل پر مجبور ہو جائے۔ یہی خلافت اصلی ہے۔ اسے نیابت مطلقہ بھی کہتے ہیں۔ اور سجادگی بھی۔ یہ شیخ کے حال، اس کے راز، اس کے سجادہ کا وارث، اس کے جملہ تبرکات کا مستحق اور اس کا قائم مقام ہوتا ہے۔[382]

استنباط

علامہ غلام رسول سعیدی نے قرآن مجید کی آیت مبارکہ

[382] سید محمد ذوقی، سر دلبراں، ص ۱۹۴

وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً [383]

اور جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں نائب مقرر کرنے والا ہوں

کی تفسیر میں خلیفہ کے حوالے سے سیر حاصل گفتگو فرمائی اور لکھا کہ

خلیفہ نائب یا قائم مقام کو کہتے ہیں۔

جب اصل شخص خود کار حکومت انجام نہ دے سکے تو اس کا خلیفہ مقرر کیا جاتا ہے مثلاً اصل شخص کہیں چلا جائے تو عارضی طور پر اس کی جگہ کام کرنے کے لیے خلیفہ مقرر کرتے ہیں۔ یا اصل شخص فوت ہو جائے تو اس کی جگہ خلیفہ مقرر کیا جاتا ہے۔[384]

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے اللہ تعالی کہیں جانے یا فوت ہونے سے پاک ہے تو پھر اس کو خلیفہ کی کیا ضرورت تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالی کو خلیفہ کی ضرورت نہ تھی بلکہ بندوں کو ضرورت تھی۔ کیونکہ انسان اپنی مادی کثافت اور عدم قرب کے حجابات کی وجہ سے اللہ تعالی سے براہ راست فیض حاصل نہیں کر سکتا تھا اور اس سے احکام وصول نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے اللہ تعالی نے اپنے اور انسانوں کے درمیان ایک خلیفہ بنایا اور اس کا نام نبی اور رسول رکھا اور انبیاء علیہم السلام کو ایسی صلاحیت اور استعداد عطا فرمائی کہ وہ فرشتوں کے واسطے سے یا بلاواسطہ اللہ تعالی سے احکام حاصل کریں۔

انبیاء اور مرسلین کی طرف فرشتے بھیجے جاتے تھے اور مقربین سے اللہ تعالی خود بھی کلام فرماتا تھا جیسے حضرت موسی علیہ السلام سے اللہ تعالی نے میقات میں کلام فرمایا اور ہمارے نبی حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے شب معراج کو کلام فرمایا۔

خلیفہ کا ایک معنی یہ ہے جو اللہ کا نائب ہو اور اس کا خلیفہ ہو اور اللہ سے احکام حاصل کر کے بندوں تک پہنچائے یہ معنی نبی اور رسول کے مترادف ہے

خلیفہ کا دوسرا معنی یہ ہے کہ جو نبی اور رسول کا نائب اور اس کا خلیفہ ہو۔ اور نبی کی بیان کی ہوئی شریعت کو لوگوں پر نافذ کرے۔ اور منہاج حکومت نبوت پر حکومت چلائے۔

---

[383] البقرۃ: ۳۰

[384] علامہ غلام رسول سعیدی، تبیان القرآن، جلد ۱، ص ۳۵۱

ارشاد باری ہے کہ

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ۪-وَ لَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَ لَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًاؕ-يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـٴًـاؕ-وَ مَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ[385]

اللہ نے تم میں سے ایمان والوں اور اچھے کام کرنے والوں سے وعدہ فرمایا ہے وہ انھیں زمین میں ضرور خلافت سے نوازے گا جیسا اس نے ان سے پہلے لوگوں کو زمینی حکومت عطا کی تھی اور وہ ان کے لیے ان کے دین جسے اس نے ان کے لیے پسند کیا مستحکم فرمائے گا اور ان کے پچھلے خوف کو امن سے ضرور تبدیل فرمائے گا وہ میری ہی عبادت کریں گے میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے اور جس نے ان کے بعد کفر کیا تو وہی لوگ نیکی سے ہٹنے والے ہونگے۔

اس آیت میں خلیفہ کا یہی دوسرا معنی مراد ہے۔

علامہ ابو محمد عبد الحق حقانی نے قرآن مجید کی آیت مبارکہ

وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓىٕكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً [386]

اور جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں نائب مقرر کرنے والا ہوں

کی تفسیر میں خلیفہ کا معنی اور مفہوم لکھا کہ

خلیفہ فعیلہ کے وزن پر ہے اور اس کی جمع خلفاء آتی ہے۔ مگر مبالغہ کے لیے تا کو زیادہ کر دیا اس کے معنی نائب کے ہیں کہ جو پیچھے کام کرے۔ اور یہ خلف سے مشتق ہے اگرچہ خدا تعالی ہر وقت موجود ہے اس کو خلیفہ بنانے کی ضرورت نہیں مگر بندوں کو واسطے کی ضرورت ہے، اس لئے اللہ پاک نے انسانوں میں سے اپنے خلیفہ بنائے۔[387]

مولانا مفتی میں شفیع نے قرآن مجید کی آیت مبارکہ

---

[385] النور:۵۵

[386] البقرة:۳۰

[387] علامہ ابو محمد عبد الحق حقانی، تفسیر حقانی، جلد ا، ص ۳۷۱

وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً [388]

اور جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں نائب مقرر کرنے والا ہوں

کی تفسیر میں خلیفہ کے حوالے سے لکھا کہ

اس آیت کا خلاصہ مضمون یہ ہے کہ اللہ تعالی جل شانہ جب تخلیق ادم کا اور دنیا میں اس کی خلافت قائم کرنے کا ارادہ کیا تو فرشتوں سے بظاہر ان کا امتحان لینے کے لیے کا ذکر فرمایا جس میں اشارہ یہ تھا کہ وہ اس معاملے میں اپنی رائے کا اظہار کریں۔ فرشتوں نے رائے پیش کی کہ انسانوں میں تو ایسے لوگ بھی ہوں گے جو فساد اور خون ریزی کریں گے ان کو زمین کی خلافت اور انتظام سپرد کرنا سمجھ میں نہیں اتا۔ اس کام کے لیے تو فرشتے زیادہ مناسب معلوم ہوتے ہیں کہ ان کی نیکی کی فطرت ہے گویا اس میں صاحب معارف القرآن نے تخلیق انسانیت کو خلافت کے ساتھ جوڑا۔ [389]

علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری نے قرآن مجید کی آیت مبارکہ

وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً [390]

اور جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں نائب مقرر کرنے والا ہوں

کی تفسیر میں خلیفہ کا معنی اور مفہوم بیان کرتے ہیں کہ

خلیفہ وہ ہوتا ہے جو احکام واوامر کے اجزاء اور تمام تصرفات میں اپنے منیب یعنی اصل کا نائب ہو۔ [391]

یہاں خلیفہ سے حضرت آدم علیہ السلام مراد ہیں اگرچہ آپ کے علاوہ دیگر تمام انبیاء بھی خلیفہ ہیں اللہ تعالی کے خلیفہ ہیں۔ حضرت داؤد کے حق میں بھی فرمایا کہ وہ بھی میرے خلیفہ ہیں کہ اے داؤد ہم نے تمہیں زمین میں اپنا خلیفہ بنایا۔

---

[388] البقرۃ:۳۰

[389] مولانا مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، جلد ا، صفحہ ۳۵۸

[390] البقرۃ:۳۰

[391] علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری، تفسیر حسنات، جلد ۳، ص ۵۶۹

ذکر

ذکر اللہ کی یاد، یاد الٰہی میں جمیع غیر اللہ کو دل سے فراموش کر کے حضور قلب کے ساتھ قرب و میت حق تعالیٰ کا انکشاف حاصل رکھنے کی کوشش کو ذکر کہتے ہیں۔ چنانچہ ہر وہ چیز جس کے توسل سے یاد حق ہو خواہ اسم ہو یا رسم، فعل ہو یا جسم، کلمہ ہو یا نماز، تلاوت قرآن یا درود شریف یا ادعیہ یا کیفیات یا کوئی اور چیز جس سے مطلوب کی یاد ہو اور طالب و مطلوب میں رابطہ پیدا ہو یا بڑھے ،اصطلاح تصوف میں ذکر کے نام سے موسوم ہے۔ چنانچہ صوفی کے جملہ افعال و اقوال و احوال جو کہ یاد حق سے خالی نہیں رہتے اذکار ہیں۔ ذکر کا کمال یہ ہے کہ ذاکر و مذکور کے درمیان سے جملہ حجابات اٹھ جائیں۔[392]

ذکر و اذکار کی بے شمار اقسام ہیں۔ جن کی تفصیل کے لیے سلوک و اذکار کی کتابوں کی جانب رجوع کرنا چاہیے۔ مگر مفید طریقہ ذکر وہی ہوتا ہے جو شیخ مرید کی نسبت سے اسے تعلیم فرماتا ہے۔ کتابوں سے اذکار و مشاغل اخذ کر کے اپنے طور پر انہیں کرنا بسا اوقات مضر ثابت ہوتا ہے۔[393]

چند اقسام کے اذکار کی اجمالی تشریح ذیل میں درج کی جاتی ہے:

ذکر لسانی

جو ذکر زبان سے کیا جائے اسے ذکر ناسوتی بھی کہتے ہیں

ذکر قلبی

جو ذکر دل سے کیا جائے اسے ذکر ملکوتی بھی کہتے ہیں، مقصود کا تصور دل میں جمانا اسے مراقبہ بھی کہتے ہیں۔

---

[392] سید محمد ذوقی، سر دلبراں، ص۲۰۸

[393] قاضی عبدالکبیر منصور پوری، فرہنگ اصطلاحات تصوف، ص۷۹

ذکر نفسی

تصور عقلی سے مقصود اصلی کی جانب بڑھنا۔ اسے فکر بھی کہتے ہیں۔

ذکر روحی

حق کا بجہت اسماء وصفات مشاہدہ کرنا۔ اسے ذکر جبروتی اور مشاہدہ بھی کہتے ہیں۔

ذکر لاھوتی

انوار تجلیات ذات بے جہت و بے مثل و بے مثال کا قلب سالک پر چمکنا۔ اسے ذکر سری اور معائنہ بھی کہتے ہیں۔

ذکر نفی اثبات	کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ کا ذکر کرنا
ذکر اسم ذات	اللہ کا ذکر
ذکر ملکوتی	الا اللہ کا ذکر
ذکر جبروتی	اللہ کا ذکر
ذکر لاہوتی	ھو ھو کا ذکر

ذکر مریضہ

مثل بیمار کے کرانے کی آواز نکالنا بوقت ذکر۔ حضرات سہروردیہ کی تعلیم بیشتر اسی طرح ذکر کرنے کی ہوتی ہے۔

ذکر محزونہ

غمناک آواز میں ذکر کرنا۔ حضرات قادریہ کی یہ خصوصیت ہے۔

ذکر عشقیہ

ذوق وشوق کے غلبہ کی آواز میں ذکر کرنا۔ یہ حضرات چشتیہ کی خصوصیت ہے۔

ذکر رابطہ

رابطہ شیخ کو قائم رکھنا حاضر و غائب۔ حضور میں رعایت ادب اور رضائے خاطر کے ساتھ اور غیبت میں نگہداشت تصور کے ساتھ۔

استنباط

علامہ غلام رسول سعیدی نے قرآن مجید کی آیت مبارکہ

فَاذْكُرُوْنِیْٓ اَذْكُرْكُمْ وَ اشْكُرُوْا لِیْ وَ لَا تَكْفُرُوْنِ[394]

توخوب ذکر کرو میرا، میں بھی تمہیں یاد میں رکھوں گا اور شکر ادا کیا کرو میرا اور کبھی بھی کفر نہ کرنا۔

کی تفسیر میں ذکر کے حوالے سے سیر حاصل تحریر کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ

توخوب ذکر کرو میرا، میں بھی تمہیں یاد میں رکھوں گا۔ کسی عمل کے وقت تم میرے امر اور نہی کو یاد کرو یعنی میرے حکم کے مطابق کسی کام کو کرو یا میرے منع کرنے کے مطابق کسی کام سے رکو تو میں تم کو اس کی جزا سے یاد کروں گا۔

ذکر کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ تم مجھے عبادت اور اطاعت سے یاد کرو میں تم کو ثواب سے یاد کروں گا۔

ایک قول یہ ہے کہ تم راحت میں مجھ کو عبادت اور دعا سے یاد کرو میں مصیبت میں تم کو عطا اور نعمت سے یاد کروں گا۔

ایک قول یہ ہے کہ تم مجھ کو سوال سے یاد کرو میں تم کو عطا سے یاد کروں گا۔

ایک قول یہ ہے کہ تم مجھ کو توبہ سے یاد کرو میں تم کو عفو و کرم سے یاد کروں گا۔

تم مجھے دنیا میں یاد کرو میں تم کو آخرت میں یاد کروں گا۔[395]

انھوں نے ذکر کی چار اقسام بیان کی ہیں کہ

1. کبھی ذکر زبان سے ہوتا ہے جیسے اللہ تعالی کی حمد و ثنا تسبیح کرنا قرآن کی تلاوت کرنا وعظ و نصیحت کرنا

---

[394] البقرۃ:۱۵۲

[395] علامہ غلام رسول سعیدی، تبیان القرآن، جلد ا، ص ۶۲۱

2. کبھی ذکر دل سے ہوتا ہے جیسے اللہ تعالی کی ذات اور صفات کے دلائل پر غور کرنا علامہ جساس نے لکھا کہ یہ ذکر کی سب سے افضل قسم ہے۔

3. اللہ تعالی کے احکام بجالانے کے طریقوں پر غور کرنا اور اللہ کے مخلوق کے اسرار پر غور کرنا

4. کبھی اعضا سے ذکر ہوتا ہے جیسے اپنے جسم کی تمام اعضاء کو اللہ تعالی کی اطاعت میں صرف کرنا۔[396]

عام مومنین کا ذکر زبان سے ذکر کرنا ہے ابن ماجہ حضرت عبداللہ بن بصر سے روایت کرتے ہیں کہ اعرابی نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم اسلام کے احکام بہت ہیں مجھے کوئی ایسی چیز بتائیں جس کو میں اپنے اوپر لازم کرلوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم اپنی زبان کو اللہ کے ذکر سے ہمیشہ تر رکھو۔

حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ فرماتا ہے جب بندہ میرے ذکر سے اپنے ہونٹ ہلاتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ خواص مومنین عارفین دل کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔ ان کے دل میں ہر وقت صرف اللہ کی یاد رہتی ہے۔ اور وہ اپنے دل میں غیر کا خیال نہیں آنے دیتے۔

ذکر کا اصل معنی ہے یاد کرنا۔ ارشاد باری ہے

وَ اذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ وَ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّيْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا[397]

اور اپنے رب کو یاد کرلو جب آپ کی توجہ نہ رہے فرمادیں کہ قریب ہے کہ میرا رب مجھے اس سے نزدیک تر رہنمائی کی راہ دکھلا دے

زبان سے ذکر کو بھی اس لیے ذکر کہتے ہیں کہ زبان دل کی ترجمان ہے تاہم بغیر حضور قلب کے فقط زبان سے ذکر کرنا بھی فائدہ سے خالی نہیں ہے۔ ابو عثمان سے کسی نے شکایت کی کہ ہم زبان سے ذکر کرتے ہیں مگر دل میں اس کی حلاوت محسوس نہیں کرتے انہوں نے کہا اس پر بھی اللہ کا شکر ادا کرو کہ اس نے کم از کم تمہارے ایک عضو کو تو اپنی اطاعت میں لگا لیا ہے۔

---

[396] علامہ غلام رسول سعیدی، تبیان القرآن، جلد ۱، ص ۶۲۲

[397] الکھف: ۲۴

ابو عثمان نہدی نے کہا میں اس وقت کو جانتا ہوں جب اللہ تعالی مجھے یاد کرتا ہے پوچھا وہ کون سا وقت ہے کہا جب میں اسے یاد کرتا ہوں۔

ذالنون مصری نے کہا جو حقیقت میں اللہ کا ذکر کرتا ہے وہ اس کے ماسوا کو بھول جاتا ہے۔ اور اللہ ہر چیز سے اس کی حفاظت کرتا ہے اور اس کو ہر چیز کا بدل عطا فرماتا ہے۔[398]

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا اللہ کے ذکر سے زیادہ اور کوئی عمل اللہ کے عذاب سے نجات دینے والا نہیں ہے۔
یہاں پہ ایک چیز اور یہ ہے کہ بنی اسرائیل کو کہا اس کرو نعمتیں میری نعمت کو یاد کرو اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سے فرمایا میری ذات کو یاد کرو ان کے نبی اللہ کے صفت کے مظہر تھے تو انہیں صفت کو یاد کرنے کا حکم دیا ہمارے نبی اللہ کی ذات کے مظہر ہے تھے تو ہمیں ذات کو یاد کرنے کا حکم دیا۔
مولانا مفتی میں شفیع نے قرآن مجید کی آیت مبارکہ

فَاذْكُرُوْنِیْٓ اَذْكُرْكُمْ وَ اشْكُرُوْا لِیْ وَ لَا تَكْفُرُوْنِ[399]

تو خوب ذکر کرو میرا، میں بھی تمہیں یاد میں رکھوں گا اور شکر ادا کیا کرو میرا اور کبھی بھی کفر نہ کرنا۔

کی تفسیر میں ذکر کے حوالے سے تحریر کرتے ہیں کہ

ذکر کے اصل معنی یاد کرنے کے ہیں۔ جس کا تعلق قلب سے ہے۔

زبان سے ذکر کرنے کو بھی ذکر اس لیے کہا جاتا ہے کہ زبان ترجمان قلب ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ذکر زبانی مع ذکر ربانی وہی معتبر ہے جس کے ساتھ دل میں بھی اللہ کی یاد ہو۔[400]

لیکن اس کے ساتھ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اگر کوئی شخص زبان سے ذکر و تسبیح میں مشغول ہو مگر اس کا دل حاضر نہ ہو تو بھی وہ ذکر فائدہ سے خالی نہیں۔ حضرت ابو عثمان کی روایت لکھی کہ ایک شخص نے شکایت کی کہ ہم زبان سے ذکر کرتے ہیں مگر قلب میں اس

---

398 علامہ غلام رسول سعیدی، تبیان القرآن، جلد ا، ص ۶۲۳

399 البقرۃ:۱۵۲

400 مولانا مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، جلد ا، صفحہ ۳۹۲

کی کوئی حلاوت محسوس نہیں کرتے۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالی کا شکر ادا کرو اس نے تمہارے ایک عضو یعنی زبان کو اپنی اطاعت میں لگا لیا ہے۔

اس کے علاوہ ذکر کے بہت سے فضائل بھی صاحب معارف القرآن نے ذکر کیے ہیں

حضرت ابو عثمان نہدی نے کہا کہ میں اس وقت کو جانتا ہوں جس وقت اللہ تعالی ہمیں یاد فرماتے ہیں لوگوں نے کہا آپ کو یہ کیسے معلوم ہو سکتا ہے فرمایا اس لیے کہ قرآن کریم کے وعدے کے مطابق جب کوئی بندہ مومن اللہ تعالی کو یاد کرتا ہے تو اللہ تعالی بھی اسے یاد فرماتا ہے۔ تو اس سے بڑی فضیلت اور کیا ہو سکتی ہے کہ انسان کو اس کا خالق اور مالک یاد فرمائے۔

ایک معنی صاحب معارف القرآن نے یہ بھی کیا کہ تم مجھے اطاعت کے ساتھ یاد کرو تو میں بھی تمہیں ثواب اور مغفرت کے ساتھ یاد کروں گا۔[401]

اس کے علاوہ تیسرا معنی اطاعت اور فرمانبرداری کا حضرت سعید ابن جبیر کے قول سے کیا کہ انہوں نے ذکر اللہ کی تفسیر ہی اطاعت اور فرمانبرداری کی ہے۔

اس کے علاوہ قرطبی کے حوالہ سے انہوں نے ایک حدیث اس مضمون کی نقل کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے اللہ تعالی کی اطاعت کی یعنی اس کے احکام حلال و حرام کا اتباع کیا اس نے اللہ کو یاد کیا۔

جس نے خدا کی اطاعت کی یعنی احکام الہیہ پر عمل کیا اگرچہ اس کے نفل نماز روزہ وغیرہ کم ہوں تو بھی اس نے خدا کا ذکر کیا۔ اور جس نے احکام خداوندی کی خلاف ورزی کی اس نے اللہ کو بھلا دیا اگرچہ اس کی نماز روزہ تسبیحات وغیرہ زیادہ ہوں۔ گویا اس حدیث سے بھی انہوں نے ذکر اللہ کی حقیقت کے حوالے سے لکھا کہ جس سے معنی یہ اخذ ہوتا ہے کہ ذکر کی اصل حقیقت اللہ کے احکامات کیا اطاعت ہے۔

[401] مولانا مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، جلد ا، صفحہ ۳۹۲

حضرت ذوالنون مصری کا ایک قول نقل کیا کہ جو شخص حقیقی طور پر اللہ کو یاد کرتا ہے وہ اس کے مقابلے میں ساری چیزوں کو بھول جاتا ہے اور اس کے بدلے میں اللہ تعالی خود اس کے لیے ساری چیزوں کی حفاظت فرماتا ہے اور تمام چیزوں کا عوض اس کو عطا فرماتا ہے۔

حضرت معاذ رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا کہ انسان کا کوئی عمل اس وقت تک خدا تعالی کے عذاب سے مجھے نجات دلانے میں ذکر کے برابر نہیں ہو سکتا۔[402]

اور ایک حدیث قدسی بروایت ابو ہریرہ نقل کی کہ حق تعالی فرماتے ہیں میں اپنے بندے کے ساتھ ہوتا ہوں جب تک کہ وہ مجھے یاد کرتا ہے اور میرے ذکر میں اس کے ہونٹ ہلتے رہتے ہیں۔

علامہ ابو الحسنات سید محمد احمد قادری نے قرآن مجید کی آیت مبارکہ
فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَ اشْكُرُوْا لِيْ وَ لَا تَكْفُرُوْنِ[403]
توخوب ذکر کرو میرا، میں بھی تمہیں یاد میں رکھوں گا اور شکر ادا کیا کرو میرا اور کبھی بھی کفر نہ کرنا۔
کی تفسیر میں ذکر کے حوالے سے تحریر کرتے ہیں کہ
ذکر تین صورتوں میں ہوتا ہے۔

1. لسانی
2. قلبی
3. بالجوارح

ذکر لسانی

اللہ تعالی کی تقدیس تسبیح وثناوغیرہ بیان کرتا ہے۔ خطبہ توبہ استغفار دعا بھی اس میں داخل ہے۔

---

[402] مولانا مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، جلد ا، صفحہ ۳۹۳

[403] البقرۃ:۱۵۲

ذکر قلبی

اللہ تعالی عزوجل کی نعمتوں کا یاد کرنا اس کی عظمت اور کبریائی اور اس کے دلائل قدرت میں غور کرنا۔اسی میں علماء کا استنباط اور مسائل شریعہ میں غور وخوض بھی داخل ہے۔

ذکر بالجوارح

ہے کہ اعضاء اطاعت الٰہی میں مشغول ہوں نماز وغیرہ نوافل پڑھے جائیں حج کے لیے سفر کرنا۔[404]

نماز ان تینوں اقسام ذکر پر مشتمل ہے۔

تکبیر و تسبیح و ثنا و ذکر لسانی اور خشوع ذکر قلبی اور رکوع سجود ذکر بالجوارح

ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اطاعت کر کے مجھے یاد کرو میں تمہاری اعانت و امداد سے تمہیں یاد کروں گا۔ ان کی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالی عزوجل فرماتا ہے اگر کوئی بندہ مجھے تنہائی میں یاد کرتا ہے تو میں سے ایسے ہی یاد کرتا ہوں اور اگر وہ مجھے جماعت میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے اس سے بہتر جماعت میں یاد کرتا ہوں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مفردین سبقت لے گئے ہیں صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ مفردین کون ہیں۔ فرمایا جو مرد اللہ کا بہت ذکر کریں اور وہ عورتیں جو بہت زیادہ ذکر کرنے والی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن شفیق رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر آدمی کے دل میں دو کوٹھڑیاں ہیں ایک میں فرشتہ رہتا ہے اور ایک میں شیطان جب آدمی ذکر اللہ کرتا ہے تو شیطان ہٹ جاتا ہے اور جب ذکر اللہ سے غافل ہوتا ہے تو شیطان اپنی انکار چونچ رکھتا ہے اور اس کو بہکاتا ہے۔[405]

ان احادیث سے معلوم یہ بھی ہوا کہ ذکر حقیقت میں غفلت کو دور کرتا ہے کیونکہ غفلت کا سبب قصادت ہے۔

تلاوت قرآن ذکر کی وہ فضیلت مآب قسم ہے کہ حدیث قدسی ہے کہ اللہ پاک فرماتا ہے کہ جو شخص قرآن کی تلاوت میں مشغول رہے اور اس کی تلاوت میں میرے ذکر اور اپنی حاجت مانگنے کی بھی اسے فرصت نہ رہے تو میں اسے سائلوں {مجھ سے اپنی حاجات کا سوال کرنے والوں} سے زیادہ دوں گا۔

مولانا اشرف علی تھانوی نے قرآن مجید کی آیت مبارکہ

---

[404] علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری، تفسیر حسنات، جلد ا، ص ۲۹۰

[405] علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری، تفسیر حسنات، جلد ا، ص ۲۹۰

فَاذْكُرُوْنِیْٓ اَذْكُرْكُمْ وَ اشْكُرُوْا لِیْ وَ لَا تَكْفُرُوْنِ[406]

توخوب ذکر کرو میرا، میں بھی تمہیں یاد میں رکھوں گا اور شکر ادا کیا کرو میرا اور کبھی بھی کفر نہ کرنا۔

کی تفسیر میں ذکر کے حوالے سے تحریر کیا کہ

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ نعمتوں پر مجھے منعم حقیقی ہونے کی حیثیت سے یاد کرو میں تم کو عنایات سے یاد رکھوں گا۔ اور میری نعمت کی شکر گزاری کرو اور انکار نعمت یا ترک اطاعت سے میری ناسپاسی مت کرو۔

گویا فرمایا کہ ذکر سے مراد یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کو نعمتیں عطا کرنے والا منعم حقیقی سمجھ کے اس کی عطاؤں پر ایمان رکھ کر اس کا شکر ادا کرے تو اللہ تعالیٰ اپنی نعمتیں، اپنے فضل اور کرم کی مزید عنایات فرمائے گا۔[407]

علامہ ابو محمد عبد الحق حقانی نے قرآن مجید کی آیت مبارکہ

فَاذْكُرُوْنِیْٓ اَذْكُرْكُمْ وَ اشْكُرُوْا لِیْ وَ لَا تَكْفُرُوْنِ[408]

توخوب ذکر کرو میرا، میں بھی تمہیں یاد میں رکھوں گا اور شکر ادا کیا کرو میرا اور کبھی بھی کفر نہ کرنا۔

کی تفسیر میں ذکر کے حوالے سے تحریر کیا کہ

ذکر کی تین قسمیں ہیں

اول یہ کہ زبان سے اس کی حمد اور تسبیح و تمجید و تحلیل و تکبیر پڑھی جائے اور اس کی کتاب پڑھی جائے

دوم ذکر قلبی اور وہ یہ ہے کہ اپنے لطائف باطنیہ کو اور اپنے جمائع ادراکیہ کو اس کی طرف متوجہ کر دے۔ اور یہاں تک مہویت حاصل ہو کے اپنے ٹائم بھی بھول جائے۔ اور ہمت شیخ سے یہ بات حاصل ہو۔ جب انسان کو یہ حالت نصیب ہوتی ہے تو جس طرح ممکنات میں ایک دوسرے کے اثر سے حال بدلتا ہے مٹی پھول کی صحبت سے معطر ہوتی ہے۔ اور لوہا آگ میں رہنے سے سرخ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح انسان اپنے آثار تقدس فائز ہوتے ہیں اور پھر اس کی زبان اور اس کی انکھ خدا تعالیٰ کی زبان اور اس کی انکھ اور اس کے ہاتھ پاؤں اور اس کے ہاتھ پاؤں ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ وہ ان چیزوں سے پاک ہے۔ جیسا کہ احادیث قدسیہ میں وارد ہوا۔ اور پھر اس

---

[406] البقرۃ:۱۵۲

[407] مولانا اشرف علی تھانوی، بیان القرآن، ج ۱، ص ۴۵۳

[408] البقرۃ:۱۵۲

بندہ سے آثار عجیبہ سرزد ہونے لگتے ہیں کہ جن کو معجزات و کرامات کہتے ہیں۔ اور یہ بھی ذکر قلبی کی شاخ ہے کہ اس کی مخلوقات میں جو کچھ اسرار رکھے ان میں غور و فکر کرے تا کہ اس عالم کا ہر ذرہ اس کے جمال جہاں آرا کے لیے آئینہ ہو جائے۔[409]

سوم ذکر جوارح یعنی ہاتھ پاوں وغیرہ ان اعضاء کا ذکر، سو وہ ان اعضاء کو اس کے حکم میں مستعمل کرنا اور منہیات سے روکنا اور اس لئے اس آیت میں نماز کو بھی ذکر کہا ہے۔

اس لیے کہ عارف نے فرمایا ہے کہ میں جب کسی چیز کو دیکھتا ہوں تو اس میں خدا تعالی ہی نظر آتا ہے ہر چیز اس کی واحدانیت اور صفات کمالیہ کے لیے شاہد عدل بن کر سامنے کھڑی ہو جاتی ہے۔ اس لیے قرآن اور احادیث میں ذکر کی بڑی تاکید آئی ہے۔[410]

مفتی احمد یار خان نعیمی نے قرآن مجید کی آیت مبار کہ

فَاذْكُرُوْنِیْۤ اَذْكُرْكُمْ وَ اشْكُرُوْا لِیْ وَ لَا تَكْفُرُوْنِ[411]

تو خوب ذکر کرو میرا، میں بھی تمہیں یاد میں رکھوں گا اور شکر ادا کیا کرو میرا اور کبھی بھی کفر نہ کرنا۔

کی تفسیر میں ذکر کے حوالے سے تحریر کیا کہ

ذکر کا معنی ہے یاد کرنا، یاد رکھنا، تعریف کرنا، بزرگی دینا، شہرت دینا، نصیحت کرنا[412]

ان آیات میں ذکر بمعنی شرف ہے اسی لیے قرآن کا نام بھی ذکر ہے۔

یہاں یا تو دونوں ذکروں سے یاد کرنا یا یاد رکھنا یا تعریف کرنا مراد ہے۔ یعنی تم میری تعریف کرو یا مجھے یاد کرو یاد رکھو تو میں بھی تمہاری تعریف کروں گا یا یاد رکھوں گا یعنی تم پر نظر کرم کروں گا رب بھول چوک سے پاک ہے یا دوسرے ذکر کے معنی چرچا کرنا

---

[409] علامہ ابو محمد عبد الحق حقانی، تفسیر حقانی، جلد ۱، ص ۵۰۸

[410] علامہ ابو محمد عبد الحق حقانی، تفسیر حقانی، جلد ۱، ص ۵۰۸

[411] البقرۃ: ۱۵۲

[412] مفتی احمد یار خان نعیمی، تفسیر نعیمی، ج ۲، ص ۶۹

عزت دیناہے یعنی تو مجھے یاد کرو زمین میں، میں آسمان میں تمہاری شہرت کروں گا۔ کہ انسان تو کیا جنات ملائکہ بھی تمہارے طرف پیچھے چلے آئیں گے اور تم سارے ملک میں ولی مشہور ہو جاؤ گے۔ یا تم مجھے یاد کرو میں تمہیں دنیا اور آخرت میں عزت دوں گا۔[413]

انھوں ذکر کی تین قسمیں بیان کی ہیں

1. ذکر لسانی جو زبان سے ہو
2. ذکر جنانی جو دل سے ہو
3. ذکر ارکان جو ہاتھ پاؤں سے ہو

ان میں سے بعض بعض سے اعلی ہیں۔ جس درجہ کا ہمارا ذکر ہو گا اسی درجہ کا رب ہمارا ذکر فرمائے گا کیونکہ یہاں دونوں ذکر عام ہیں۔

ذکر کے فوائد

1. ذکر اللہ زنگ آلود دل کے لیے صیقل ہے۔
2. ذکر اللہ گندے دل کے لیے آب رحمت ہے۔
3. ذکر اللہ بے چین دل کا چین ہے۔
4. ذکر اللہ ہمارے اصلی وطن کا خط ہے۔ جیسے مسافر کو پردیس میں وطن کے خط سے تسکین ہوتی ہے ایسے ہی رب کے ذکر سے دل اور روح کو سکون ملتا ہے۔
5. ذکر اللہ مصیبتوں کو ٹالتا ہے ادم کی توبہ اسی سے قبول ہوئی یونس نے اسی کی برکت سے مچھلی کے پیٹ میں امان پائی۔ ذکر ہی کی برکت سے کشتی نوح پار لگی۔[414]

---

[413] مفتی احمد یار خان نعیمی، تفسیر نعیمی، ج ا، ص ۷۲

[414] مفتی احمد یار خان نعیمی، تفسیر نعیمی، ج ا، ص ۷۳

حکمت

وہ حکماء جو صوفیاء کی نگاہ میں مذموم ہیں، وہ لوگ ہیں جو اشیاء موجودہ کو بطریق استدلال بقدر طاقت بشری جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور اپنے غلط علم یا اپنی محدود معلومات کے مطابق عمل کرنے پر مصر رہتے ہیں۔ بر عکس ارباب تحقیق کے جواز روئے کشف حقائق تک پہنچنے کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔[415]

استنباط

علامہ غلام رسول سعیدی نے قرآن مجید کی آیت مبارکہ

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَ مَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ؕ وَ مَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ[416]

حکمت عطا فرماتا ہے جسے وہ چاہتا ہے اور وہ جسے حکمت دے دی جائے تو سمجھو اسے خیر کثیر دے دی گئی اور نصیحت قبول نہیں کرتے مگر وہی جنہیں عقل دی گئی ہو۔

کی تفسیر میں حکمت کے حوالے سے لکھا کہ

حکمت کی دو قسمیں ہیں[417]

1. حکمت نظری
2. حکمت عملی

حکمت نظری کی یہ تعریف ہے کہ بشری طاقت کے مطابق حقائق اشیاء کا اس طرح علم ہو جس طرح وہ اشیاء واقع میں ہوں۔

---

[415] قاضی عبد الکبیر منصور پوری، فرہنگ اصطلاحات تصوف، ص ۶۵

سید محمد ذوقی، سر دلبراں، ص ۱۸۲

[416] البقرۃ:۲۶۹

[417] علامہ غلام رسول سعیدی، تبیان القرآن، جلد ۱، ص ۱۰۱۱

حکمت عملی یہ ہے کہ انسان برے اخلاق کو ترک کرے اور اچھے اخلاق کو آپنائے۔ ایک تعریف یہ ہے کہ بشری طاقت کے مطابق اللہ تعالی کے اخلاق سے متخلق ہونا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام احکام پر عمل کرنا اور آپ کے تمام افعال کی اتباع کرنا حکمت عملی کہلاتا ہے۔[418]

حکمت عملی کی تین قسمیں ہیں

1. اگر اس کا تعلق ایک فرد کی اصلاح کے ساتھ ہو تو اس کو تہذیب اخلاق کہتے ہیں۔
2. اگر اس کا تعلق خاندان کی اصلاح کے ساتھ ہو تو اسے تدبیر منزل کہتے ہیں۔
3. اور اگر اس کا تعلق ایک شہر یا ملک کی اصلاح کے ساتھ ہو تو اس کو سیاست مدنیہ کہتے ہیں۔[419]

پھر صاحب تبیان القرآن نے حکمت سے متعلق احادیث نقل کیں جو درج ذیل ہیں

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں امام احمد نے کتاب الزہد میں مقبول سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس شخص سے 40 دن اللہ تعالی کے ساتھ اخلاص کیا اس کے قلب سے اس کی زبان پر حکمت کے چشمے چشمے پھوٹ پڑیں گے۔

امام ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا حکمت مومن کی گم شدہ چیز ہے جہاں سے بھی حکمت ملے تو وہی اس کا زیادہ حقدار ہے۔

امام طبرانی نے حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا اے بیٹے علماء کی مجالس کو لازم رکھو اور حکمت کا کلام سنو کیونکہ اللہ تعالی حکمت کے نور سے مردہ دل کو اس طرح زندہ کر دیتا ہے جس طرح مردہ زمین تیز بارش سے زندہ ہو جاتی ہے۔[420]

---

[418] علامہ غلام رسول سعیدی، تبیان القرآن، جلد ۱، ص ۱۰۱۱

[419] علامہ غلام رسول سعیدی، تبیان القرآن، جلد ۱، ص ۱۰۱۱

[420] علامہ غلام رسول سعیدی، تبیان القرآن، جلد ۱، ص ۱۰۱۱

امام طبرانی نے حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا اللہ تعالی قیامت کے دن بندوں کو جمع کرے گا پھر ان میں سے علماء کو الگ کرے گا پھر فرمایا گیا علماء کے گروہ میں نے تمہیں عذاب دینے کے لیے تم میں آپنا علم نہیں رکھا تھا جاؤ میں نے تم کو بخش دیا۔[421]

علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری نے قرآن مجید کی آیت مبارکہ

يُّؤْتِى الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ‌ۚ وَ مَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِىَ خَيْرًا كَثِيْرًا‌ؕ وَ مَا يَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الْاَلْبَابِ[422]

حکمت عطا فرماتا ہے جسے وہ چاہتا ہے اور وہ جسے حکمت دے دی جائے تو سمجھو اسے خیر کثیر دے دی گئی اور نصیحت قبول نہیں کرتے مگر وہی جنہیں عقل دی گئی ہو۔

کی تفسیر میں حکمت کا معنی و مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

حکمت سمجھ اور دانائی کو کہتے ہیں۔

حکمت کے متعلق 29 اقوال ہیں۔ اس سے مراد نبوت ہے یا قرآن کریم وحدیث کا یا فقہ کا علم ہے۔ تفقہ سے مراد سمجھ یا تقوی ہے۔

قرآن کریم میں خالق کائنات قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے جسے حکمت ملی اسے بہت بھلائی ملی۔

حضرت مقاتل رحمۃ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں قرآن کریم میں حکمت چار معنوں میں استعمال ہوا ہے[423]

1. کتاب کی سمجھ
2. فہم و علم
3. نبوت
4. عقلمندی۔

مولانا مفتی میں شفیع نے قرآن مجید کی آیت مبارکہ

---

[421] علامہ غلام رسول سعیدی، تبیان القرآن، جلد ا، ص ۱۰۱۱

[422] البقرۃ:۲۶۹

[423] علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری، تفسیر حسنات، جلد ا، ص ۴۴۰

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُۚ وَ مَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًاؕ وَ مَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ[424]

حکمت عطا فرماتا ہے جسے وہ چاہتا ہے اور وہ جسے حکمت دے دی جائے تو سمجھو اسے خیر کثیر دے دی گئی اور نصیحت قبول نہیں کرتے مگر وہی جنہیں عقل دی گئی ہو۔

کی تفسیر میں حکمت کا معنی اور مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

قرآن کریم میں حکمت کا لفظ بار بار آیا ہے اور ہر جگہ اس کی تفسیر مختلف بیان ہوئی ہے۔

تفسیر بحر المحیط کے مصنف نے اس جگہ تمام اقوال مفسرین کو جمع کیا ہے وہ تقریبا30 ہیں۔ مگر آخر میں فرمایا کہ درحقیقت یہ سب اقوال متقارب ہیں ان میں کوئی اختلاف نہیں صرف تعبیرات کا فرق ہے۔ کیونکہ لفظ حکمت احکام بالقصر کا مصدر ہے جس کے معنی میں کسی عمل یا قول کو اس تمام اوصاف کے ساتھ مکمل کرنا ہے۔[425]

امام راغب اصفہانی نے المفردات میں فرمایا کہ لفظ حکمت جب حق تعالی کے لیے استعمال کیا جائے تو معنی تمام اشیاء کی پوری معرفت اور مستحکم ایجاد کے ہوتے ہیں۔ اور جب غیر اللہ کی طرف اس کی نسبت کی جاتی ہے تو موجودات کی صحیح معرفت اور اس کے مطابق عمل مراد ہوتا ہے۔[426]

اسی مفہوم کی تعبیریں مختلف الفاظ میں کی گئی ہیں کسی جگہ اس سے مراد قرآن ہے، کسی جگہ حدیث، کسی جگہ علم صحیح، کہیں عمل صالح، کہیں قولے صادق کہیں عقل سلیم، کہیں فقہ، کہیں اصابت رائے اور کہیں خشیت الہی اور اخری معنی تو خود حدیث میں بھی مذکور ہیں راس الحکمت خشیۃ اللہ یعنی اصل حکمت خدا تعالی سے ڈرنا ہے۔

مفتی احمد یار خان نعیمی نے قرآن مجید کی آیت مبارکہ

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُۚ وَ مَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًاؕ وَ مَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ[427]

---

[424] البقرۃ:۲۶۹

[425] مولانا مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، جلد ا، صفحہ ۶۴۰

[426] مولانا مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، جلد ا، صفحہ ۶۴۰

[427] البقرۃ:۲۶۹

حکمت عطا فرماتا ہے جسے وہ چاہتا ہے اور وہ جسے حکمت دے دی جائے تو سمجھو اسے خیر کثیر دے دی گئی اور نصیحت قبول نہیں کرتے
مگر وہی جنہیں عقل دی گئی ہو۔

کی تفسیر میں حکمت کا معنی اور مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

حکمت کے معنی ہیں واقعی چیزوں کو صحیح طور پر جاننا وہمی باتوں کا جاننا حکمت نہیں۔[428]

انھوں نے لکھا کہ یہاں حکمت کے معنی میں متعدد اقوال ہیں۔ کہ اس سے مراد یا تو نبوت ہے، یا قرآن کا علم، ناسخ منسوخ و محکم و متشابہ کی پہچان، یا علم فقہ، یا قرآن کا تدبر، یا اچھے اعمال، یا علم نافع، یا علم با عمل، یا رب کی معرفت، یا قلبی نور جو الہام اور وسوسہ میں فرق کر دے، یا الہام یا قرآنی اسرار یا توفیق خیر یا خوف الٰہی وغیرہ۔

حضرت مقاتل فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں لفظ حکمت اکثر چار معنی میں استعمال ہوا قرآنی وعظ، فہم قرآن، علم قرآن اور اسرار قرآن۔[429]

زہد

زہد دراصل تھوڑی سی چیز پر قناعت کرنے کو کہتے ہیں۔ اس لیے زاہد عام طور پر اسے کہتے ہیں جو بقدر ضرورت تھوڑی دنیا پر قناعت کرے۔[430] حظ نفس کو چھوڑ دینا اور اس کے متعلقہ جملہ ارزوؤں سے دستبردار ہو جانا زہد کہلاتا ہے۔[431]

استنباط

علامہ غلام رسول سعیدی نے قرآن مجید کی آیات مبارکہ

---

428 مفتی احمد یار خان نعیمی، تفسیر نعیمی، ج ۳، ص ۱۱۷

429 مفتی احمد یار خان نعیمی، تفسیر نعیمی، ج ۳، ص ۱۱۷

430 سید محمد ذوقی، سر دلبراں، ص ۲۳۳

431 قاضی عبد الکبیر منصور پوری، فرہنگ اصطلاحات تصوف، ص ۸۸

شیخ شہاب الدین عمر ابو حفص سہروردی، عوارف المعارف ۶۴۱

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْرِیْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ-وَ اللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ [432]

اہل محبت میں کوئی ایسا بھی ہوتا ہے جس نے اپنی جان ہی بیچ رکھی ہوتی ہے اس تلاش میں کہ اللہ راضی ہو جائے اور اللہ بندوں پر بے حد مہربان ہے۔

اور

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَ لَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا[433]

سب تعریفیں اللہ کے لیے جس نے اپنے بندہ خاص پر کتاب نازل کی اور اس نے اس میں کوئی کجی رکھی ہی نہیں۔

علامہ غلام رسول سعیدی نے سورہ کہف اور سورہ بقرہ کے اندر زہد پر گفتگو کی ہے لیکن دونوں جگہوں پہ انہوں نے مفہوم زہد کے حوالہ سے گفتگو کی اور سیر حاصل بحث کی لفظ زہد کو استعمال نہ کیا۔ انہوں نے دنیا سے رغبت کو کم کرنے کا جو مفہوم ہے زہد کے حوالہ سے اس حوالے سے لکھا کہ دنیا کی ہر چیز فنا ہو جانے والی ہے۔ دنیا کی ہر چیز ختم ہو جانے والی ہے۔ دنیا اور ختم ہونے والی دنیا سے جی لگانا خلاف حقیقت اور حکمت ہے۔ اور اللہ تعالی سے لو لگانا اور اسی پر توکل کرنا اور اسی سے مدد طلب کرنا یہ زہد کہلاتا ہے۔ اور یہی دنیا سے بے رغبتی کو بھی ظاہر کرتا ہے۔[434]

اس پر انہوں نے ترمذی شریف کی ایک حدیث نقل کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب تم سوال کرو تو اللہ سے سوال کرو جب تم مدد طلب کرو تو اللہ سے مدد طلب کرو۔

اس کے علاوہ بھی کئی احادیث جو زہد کے مفہوم میں داخل ہوتی ہیں ان کو انہوں نے نقل کیا۔

---

[432] البقرۃ:۲۰۷

[433] الکھف:۱

[434] علامہ غلام رسول سعیدی، تبیان القرآن، جلد ۷، ص ۴۴

جس میں ایک حدیث حضرت ابو سعید خدری سے بھی مروی ہے کہ دنیا شیری اور سرسبز ہے اور اللہ تعالی تم کو اس میں خلیفہ بنانے والا ہے پھر وہ دیکھے گا کہ تم اس میں کس طرح عمل کرتے ہو سو تم دنیا سے اور عورتوں سے بچو کیونکہ بنو اسرائیل کا پہلا فتنہ عورتوں میں تھا۔

رضائے الہی کی خاطر دنیا ترک کرنا یہ زہد کہلاتا ہے۔

انہوں نے یہ لکھا کہ یہ جو آیت ہے وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ-وَ اللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ [435]
اہل محبت میں کوئی ایسا بھی ہوتا ہے جس نے اپنی جان ہی بیچ رکھی ہوتی ہے اس تلاش میں کہ اللہ راضی ہو جائے اور اللہ بندوں پر بے حد مہربان ہے۔
یہ دراصل زہد ہی پر دلالت کرتی ہے اور زہد ہی کے مفہوم کو واضح کرتی ہے۔ اس آیت میں باقی ماندہ اقسام میں سے اس شخص کو بیان کیا گیا جو اخرت کی خاطر دنیا کو ترک کر دیتا ہے اور صرف اخرت میں رغبت رکھتا ہے اور اس کی توثیق کے لیے ایک زاہد یعنی زہد اختیار کیے ہوئے شخص کے طور پر حضرت صہیب رومی رضی اللہ تعالی عنہ کو انہوں نے بیان کیا کہ وہ کس طرح دنیا کو ترک کر بیٹھے تھے۔ اللہ اور اس کے رسول کے لیے کہ جب وہ مکہ سے مدینہ ہجرت کرنے لگے تو قریش نے کہا کہ جب تم آئے تھے تو تمہارے پاس کچھ نہ تھا اب تم سارا مال لے کے جا رہے ہو تو حضرت صہیب رومی نے کہا کہ کیا سارا مال میں تمہیں دے دوں تو تم مجھے مدینہ جانے دو گے تو انہوں نے کہا کہ ہاں تو حضرت صہیب رومی نے تمام مال مشرکین کو دے دیا اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ میں حاضر ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صہیب رومی سے فرمایا صہیب تمہاری تجارت نے نفع پایا ہے۔ گویا دنیا کے تمام مال و دولت کو ترک کر کے اللہ اور اس کے رسول کی رضا کے حصول کا قصد کر لینا یہی زہد ہے اور اسی کو اس حدیث میں بیان کیا گیا اور رسول اللہ نے اسی کے متعلق ارشاد فرمایا کہ یہ بہترین نفع ہے۔[436]

مولانا مفتی میں شفیع نے قرآن مجید کی آیت مبارکہ

---

[435] البقرۃ:۲۰۷

[436] علامہ غلام رسول سعیدی، تبیان القرآن، جلد ۱، ص ۷۸۶

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ-وَ اللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ [437]

اہل محبت میں کوئی ایسا بھی ہوتا ہے جس نے اپنی جان ہی بیچ رکھی ہوتی ہے اس تلاش میں کہ اللہ راضی ہو جائے اور اللہ بندوں پر بے حد مہربان ہے۔

کی تفسیر میں زہد کے حوالے سے لکھا کہ

اللہ تعالیٰ کی رضا اور حصول کے لیے اپنی جان کی بازی لگا دینے والے مومن اور مخلص صحابہ کا ذکر کیا۔ اور اس کا یہاں پہ مفہوم یہ لیا کہ جو اللہ کی رضا کے لیے اپنی جان تک صرف کر دینا۔ اپنی جان آپنا مال گو کہ ہر چیز خرچ کر دینا یہ مخلص مومن کی نشانی ہے۔ اور اس پہ حضرت صہیب رومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جو مکہ سے مدینہ جانے کا واقعہ ہے اس کو نقل کیا لیکن یہاں پہ زہد کا مفہوم یوں حاصل کیا جا سکتا ہے کہ مومن اور مخلص جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لیے مال اور دولت ہر چیز خرچ کر دے وہ زاہد ہی ہوتا ہے اور زہد کا یہی مفہوم ہے جو یہاں پہ صاحب معرف القرآن نے اخذ کیا ہے۔ [438]

فراست

دلوں کی باتوں یا لوگوں کے حالات پر اللہ کے نور سے آگاہ ہونا، [439]

فراست اللہ کا نور ہے جس سے مومن دیکھتا ہے اور فائدہ اٹھاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ڈرو تم مومن کی فراست سے کیونکہ وہ دیکھتا ہے اللہ کے نور سے۔

استنباط

علامہ غلام رسول سعیدی نے قرآن مجید کی آیت مبارکہ

---

[437] البقرۃ:۲۰۷

[438] مولانا مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، جلد ا، صفحہ ۴۹۷

[439] قاضی عبد الکبیر منصور پوری، فرہنگ اصطلاحات تصوف، ص ۳۲

سید محمد ذوقی، سر دلبراں، ص ۹۰، ۳۲۷

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِیْنَ[440]

بے شک اس میں سوچنے والے لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں

کی تفسیر میں فراست کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ

فراست کے دو معنی ہیں

1۔ اللہ تعالی نے اپنے اولیاء کے دل میں جو چیز ڈالتا ہے جس سے انہیں بعض لوگوں کے احوال کا علم ہو جاتا ہے۔ یہ کبھی کرامت سے ہوتا ہے اور کبھی صحیح گمان سے اور کبھی حدس سے (اچانک کسی چیز کے یاد آنے کو حدس کہتے ہیں)۔

2۔ دلائل، تجربہ، ظاہری صورت کی کیفیت اور باطنی اوصاف کی مدد سے لوگوں کے احوال کو جان لینا۔[441]

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد المالکی قرطبی کے حوالہ سے لکھا کہ

ثعلب نے کہا جو شخص تم کو سر سے لے کر قدم تک دیکھے وہ واسم ہے۔ وراست کے حصول کے متعلق لکھا کہ فراست اس شخص کو حاصل ہوتی ہے جس کا دل پاک صاف ہو اور دنیاوی تفکرات سے خالی ہو۔ اور وہ شخص گناہوں کے میل برے اخلاق کی قدورت اور لایعنی کاموں سے مبرا اور خالی ہو۔

صوفیا کے حوالے سے لکھا کہ صوفیاء کے نزدیک فراست کرامت ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ فراست کسی چیز پر علامات سے استدلال کرنا ہے۔[442]

فراست کی علامتوں کے حوالے سے لکھا کہ علامتوں کی دو اقسام ہیں۔

1. بعض علامتیں وہ ہوتی ہیں جو پہلی نظر میں ہی ہر شخص کو نظر آجاتی ہیں
2. اور بعض علامات مخفی اور دقیق ہوتی ہیں وہ ہر شخص پر منکشف نہیں ہوتی ہیں نہ بادی و نظر میں ان کا پتہ چلتا ہے۔

---

[440] الحجر: ۷۵

[441] علامہ غلام رسول سعیدی، تبیان القرآن، جلد ۶، ص ۳۰۵

[442] علامہ غلام رسول سعیدی، تبیان القرآن، جلد ۶، ص ۳۰۵

حسن بصری نے کہا متوسلین وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان آیتوں میں غور و فکر کر کے یہ جان لیا کہ جو ذات قوم لوط کو ہلاک کرنے پر قادر ہے وہ اس زمانہ کے کافروں کو بھی ہلاک کرنے پر قادر ہے۔ اور یہ ظاہری دلائل سے کسی چیز کو جان لینا ہے۔[443]

ملا علی قاری الحنفی لکھتے ہیں کہ فراست ایک نور ہے جس کو اللہ تعالی قلب میں القا فرماتا ہے حتی کہ اس سے بعض مغیبات منکشف ہو کر بالکل مشاہد ہو جاتے ہیں اور یہ اس شخص کو حاصل ہوتی ہے جو علم اور عمل میں مرتبہ کمال کو پہنچ جائے۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے میری امت میں ملحمین ہوں گے جن پر الہام کیا جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے چالیس روز تک اخلاص سے عمل کیا اس کے قلب سے اس کی زبان پر حکمت کے چشمے ظاہر ہوتے ہیں۔[444]

فراست کے متعلق متعدد احادیث صاحب تبیان القرآن نے نقل کی ہیں جن میں سے چند درج ذیل ہیں۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔[445]

طبری کے حوالے سے حدیث نقل کی حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا بے شک اللہ کے کچھ ایسے بندے ہیں جو لوگوں کو (توسم) فراست سے پہچان لیتے ہیں۔

طبری کے حوالے سے حدیث نقل کی حضرت ثوبان رضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ والہ وسلم نے فرمایا مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔ اور اس کی توفیق سے بولتا ہے۔

علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری نے قرآن مجید کی آیت مبارکہ

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِیْنَ[446]

بے شک اس میں سوچنے والے لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں

---

[443] علامہ غلام رسول سعیدی، تبیان القرآن، جلد ۶، ص ۳۰۶

[444] ملا علی قاری، مرقات، مطبوعی مکتبہ امدادیہ، ملتان، ۱۳۹۰ھ، ج ۳، ص ۴

[445] ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی، سنن ترمذی، حدیث ۳۱۲۷

[446] الحجر: ۷۵

کی تفسیر میں فراست کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ

جعفر بن محمد نے متوسمین کا معنی اہل فراست کیے ہیں۔

مجاہد رحمہ اللہ نے لکھا کہ اس آیت میں متوسمین سے مراد یعنی اہل فراست سے مراد عبرت حاصل کرنے والے لوگ ہیں۔[447]

کشف

لغت میں کشف پردہ اٹھانے کو کہتے ہیں۔ اصطلاح صوفیا میں امور غیبی اور معانی حقیقی پر سے حجابات کا اٹھنا اور حقیقت ورائے حجاب پر وجودا اور شہودا اطلاع پانا کشف ہے۔[448]

اس کی دو اقسام ہیں کشف صوری اور کشف معنوی[449]

کشف صوری کا ادنی مرتبہ یہ ہے کہ خواب میں جو معاملات بندہ کے ساتھ پیش آئیں وہ بیداری میں بھی اس کے ساتھ پیش انے لگیں۔ کشف صوری میں بالعموم حواس خمسہ عالم مثال میں صورتوں کا ادراک کرتے ہیں۔ یہ ادراک کبھی بطور مشاہدہ کے ہوتا ہے جیسے اہل کشف انوار روحانی اور ارواح کی صورتوں کو متجسد دیکھتے ہیں۔ کبھی بطور سماع کے ہوتا ہے۔ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس وحی کو جو آپ پر نازل ہوتی تھی مسلسل کلام کی صورت میں سنتے تھے اور گھنٹے کی سی آواز اور مکھیوں کی سی بھن بھناہٹ میں اُسے پاتے تھے۔ کبھی وہ کشف نفحات الٰہی اور شمائم ربانی کو سونگھنے کے طور پر ہوتا ہے۔ جیسے کہ حدیث میں آیا ہے کہ تمہارے دہر کے دنوں میں اللہ تعالی کے بہت نفحات اور خوشبوئیں ہیں۔ ہوشیار رہو اور ان کو لو اور دریافت کرو، یا جیسے آنحضرت صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نفس رحمان کو یمن کی جانب پاتا ہوں۔ کبھی وہ کشف بطور ملامست کے ہوتا ہے اور ملامست دو انوار یا دو اجسام کا آپس میں ملنا مراد ہے جیسے کہ عبد الرحمان بن عوف رضی اللہ تعالی عنہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا

---

[447] علامہ ابو الحسنات سید محمد احمد قادری، تفسیر حسنات، جلد ۳، ص ۴۶۸

[448] سید محمد ذوقی، سر دلبراں، ص ۳۴۶، ۳۴۱

[449] قاضی عبد الکبیر منصور پوری، فرہنگ اصطلاحات تصوف، ص ۱۴۱

سے روآیت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے حق سبحانہ وتعالی کا بہت ہی اچھی اور خوبصورت شکل میں دیکھا اور اللہ نے مجھ سے فرمایا کہ محمد ملاء اعلی کس چیز میں جھگڑتے ہیں۔ میں نے دوبار کہا کہ رب انت اعلم یعنی اے میرے رب مالک تو ہی خوب جانتا ہے۔ پھر حق تعالی نے اپنی ہتھیلی کو میرے دونوں مونڈھوں کے درمیان رکھ دیا اور میرے سینہ میں اس ہاتھ کی خنکی ظاہر ہوئی پھر میں نے آسمان اور زمین کی سب چیزوں کو جان لیا پھر آپ نے اس آیت کو پڑھا

وَ كَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ[450]

اور اسی طرح ہم دکھائیں گے ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی وسعتوں کا محکوم ہونا اور یہ اس لیے ہوگا کو وہ ان میں سے سمجھا جائے جو دیکھ کر یقین کرنے والے ہوتے ہیں

کبھی وہ کشف بطریق ذائقہ کے ہوتا ہے جیسے کوئی شخص مختلف اقسام کے کھانوں کو دیکھتا ہے یا دیکھتا بھی ہے اور کھاتا بھی ہے تو اسے معانی غیبیہ پر اطلاع ہوتی ہے۔ جیسے کہ رسول خدا صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ

میں نے اپنے آپ کو دودھ پیتے دیکھا یہاں تک کہ سیری میری ناخنوں سے ظاہر ہوئی پھر میں نے آپنا اُلش عمر کو دیا پھر میں نے اس کی تعبیر علم سے کی

کبھی اقسام متذکرہ بالا میں سے چند اقسام کی صورتیں آپس میں مجتمع ہو کر ایک ہی وقت میں پیش آتی ہیں۔ یہ جملہ اقسام تجلیات اسماء سے ہیں۔ کیونکہ شہود رب تعالی کے اسم بصیر کی تجلی ہے۔ سماع اسم سمیع کی تجلی ہے وعلی ہذا القیاس۔ اور یہ جملہ تجلیات اسم علیم کے آستانہ سے ہیں۔ یعنی اسم علیم کا فیضان جو بصر و بصیرت کے ذریعے پہنچتا ہے وہ شہود ہے اور جو سمع کے ذریعہ سے پہنچتا ہے وہ سماع ہے وعلی ہذا القیاس۔ [451]

---

[450] الانعام:۷۵

[451] سید محمد ذوقی، سر دلبراں، ص۳۴۶،۳۴۱

[451] قاضی عبد الکبیر منصور پوری، فرہنگ اصطلاحات تصوف، ص۱۴۱

کشف کونی یعنی کشف صوری کی وہ انواع جن سے مغیبات دنیوی پر اطلاع یابی ہوتی ہے خلاف شرع لوگوں کیلئے خلاف استدراج بن جاتی ہے۔ مجاہدات وریاضات کے سبب سے جوگیوں اور رراہبوں وغیرہ کا اس نوع کا کشف ہونے لگتا ہے۔ اہل سلوک ایسی باتوں کی طرف التفات نہیں کرتے کیونکہ ان کی ہمت عالی ہوتی ہے اور اموری دنیوی پر نہیں ٹھرتی۔ وہ حقیر اور بیکار چیزوں کی دریافت پر تضیع اوقات نہیں کرتے بلکہ ان قوتوں سے آخرت کا کام لیتے ہیں اور آخرت ہی کے متعلق امور دریافت کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ بعض حضرات تو ایسے اولوالعزم اور عالی ہمت ہوتے ہیں اور اتنا بلند نصب العین رکھتے ہیں کہ اُمور اخروی کی جانب التفات نہیں کرتے بلکہ ان کا تنہا مقصد فنا فی اللہ اور بقاء بالحق ہوتا ہے۔ یہ حضرات عارف اور محقق اور موحد ہوتے ہیں۔ یہ اللہ کی ہستی کے ساتھ قائم رہتے ہیں اور جملہ عوالم میں ہر مظہر کو اللہ ہی کا مظہر جانتے ہیں۔ دوئی اور غیریت اُن سے اٹھ جاتی ہیں۔ کسی چیز کو یہ حق تعالیٰ کا غیر نہیں سمجھتے۔ ہر چیز میں یہ تجلّیٔ الہیٰ پاتے ہیں اور ہر چیز کو اس کی منزلت پر رکھتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے حق میں اس قسم کا کشف استدراج نہیں ہوتا۔ استدراج صرف اُن کے لیے ہوتا ہے جو حق تعالیٰ سے دور ہیں اور امر خسیس پر قناعت کیے بیٹھے ہیں اور دنیا میں جاہ و منصب کے حصول کا ان باتوں کو ذریعہ بنانا چاہتے ہیں۔

مکاشفات کے بھی مدارج ہیں۔ بعض مکاشفات صوری ہوتے ہیں۔ بعض معنوی۔ اور بعض صوری اور معنوی دونوں کے جامع۔ بعض اہل کشف کے لیے چند حجابات اٹھتے ہیں اور بعض کے لیے جملہ حجابات اٹھ جاتے ہیں۔

کشف معنوی

حقائق کی صورتوں سے مجرّد ہوتا ہے۔ یہ کشف اسم علیم اور اسم حکیم کی تجلیات سے حاصل ہوتا ہے۔ اس میں معانی غیبیہ اور حقائق مغیبیہ اچانک ظہور کرتے ہیں۔ اس کے بعد بھی چند مراتب ہیں۔ پہلا مرتبہ یہ ہے کہ قوت فکریہ میں معانی بغیر ترکیب و ترتیب مقدمات اور بغیر اس کے کہ قیاسات سے کام لیا جائے، خود بخود ظاہر ہوتے ہیں بلکہ ذہن مطالب سے مبادی کی جانب منتقل ہوتا ہے۔ پھر یہ معانی قوت عاقلہ میں ظہور کرتے ہیں اور قوت عاقلہ مقدمات و قیاسات کو استعمال کرتی ہے۔ روح میں ایک قوت خاص ہے جسے نور قدس کہتے ہیں۔ جسم سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ کشف معن ی اس نور کی چمک سے ہوتا ہے۔ قوت فکریہ کو چونکہ جسم سے تعلق ہے، نور قدس کے لیے یہ قوت حجاب بن جاتی ہے اور معانی غیبیہ کی بجلی کی چمک کو نہیں دیکھنے دیتی۔

کشف سے مراد یہ ہوتی ہے کہ صاحب کشف کو بعض امور خاص پر اطلاع ہو جائے۔نہ یہ کہ کل امور اس پر ظاہر ہو جائیں۔

استنباط

علامہ غلام رسول سعیدی نے قرآن مجید کی آیت مبارکہ

وَ كَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ[452]

اور اس طرح ہم دکھائیں گے ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی وسعتوں کا محکوم ہونا اور یہ اس لیے ہو گا کو وہ ان میں سے سمجھا جائے جو دیکھ کر یقین کرنے والے ہوتے ہیں۔

علامہ غلام رسول سعیدی نے کشف کی اصطلاح کو تو کہیں استعمال نہیں کیا لیکن منکشف کرنے کو ظاہر کرنے کو طور پر متعدد مقامات پر لیا ہے۔ابن جریر طبری کے حضرت ابراہیم کے حوالہ سے لکھا کہ ملکوت کی زیادہ بہتر تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالی نے آسمان اور زمین کا ملک دکھایا اور جو چیزیں ان میں پیدا کی گئیں مثلاً سورج چاند ستارے اور جانور وغیرہ ان کے لیے تمام امور کے ظاہر اور باطن منکشف کر دیے۔[453]

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا اللہ تعالی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے تمام امور کے ظاہر اور باطن منکشف کر دیے اور مخلوق کے اعمال میں سے کوئی چیز کوئی عمل ان پر مخفی نہیں رہا۔گویا منکشف کرنے کو ظاہر کر دینے کھول دینے اور کسی چیز کا علم دے دینے کے معنوں میں صاحب تبیان القرآن نے استعمال کیا ہے۔

وجد

احوال صادقہ جو قلب پر اس وقت وارد ہوں جبکہ قلب شہود میں فانی ہو۔[454]

---

[452] الانعام:۷۵

[453] علامہ غلام رسول سعیدی، تبیان القرآن، جلد۸، ص ۱۵۴

[454] قاضی عبدالکبیر منصور پوری، فرہنگ اصطلاحات تصوف، ص ۱۷۰

سید محمد ذوقی، سر دلبراں، ص۲۶۹،۳۱۸،۳۱۹،۳۹۳

واردات غیبی ہے جو طالب حق کے باطن کو التفات مزید کے حصول کی امید سے ہے یا اس کے فوت ہونے کے خوف سے یا لذت سرور سے یا تکلیف حزن و ملال سے متاثر کرتی ہے۔

بغیر کسی ارادہ اور کوشش کے قلب پر کسی حالت کے طاری ہونے کا نام وجد ہے۔ امور دنیا میں نفس کی مخالفت اور عقل کی مطابق سے فوائد حاصل کر کے جس طرح انسان لطف زندگی حاصل کرتا ہے، اسی طرح معاملات روحانی میں بھی نفس کی مخالفت اور اوامر و نواہی الٰہی کی پیروی سے جو فتوحات حاصل ہوتی ہیں ان سے جو لذتیں اچانک قلب پر وارد ہوں انہیں وجد کہتے ہیں۔ اختیار اور تکلف سے وجد کو طلب کرنا تواجد ہے۔ اسے کبھی تو کسی خاص ضرورت سے مثلاً تعلیم ناقصاں کے لیے کوئی خاص کیفیت پیدا کرنے کی غرض سے کیا جاتا ہے اور کبھی اس حکم کی تعمیل میں تواجد عمل میں لایا جاتا ہے کہ

ابکو فان لم تبکو فتباکو[455]

یعنی رووـ اگر رونہ سکو تو رونی صورت بناؤ

گویا وجد کے معنی نہ پاسکو تو وجد کی سی صورت ہی بنالو اور اس طرح اپنے تیئں حصول وجد کا طالب گردانو۔ لیکن ریا اور نمائش کی غرض سے تواجد بہر صورت مضموم ہے۔

وجد کے معنی پالینے کے ہیں اور وجود سے یہاں مراد یہ ہے کہ ظہور حقیقت میں بندہ بالکل فنا ہو جائے۔

صاحب تواجد مثل دریا کے دیکھنے والے کے ہیں۔

صاحب وجد مثل اس کے ہے جو دریا پر سوار ہو۔

صاحب وجود مثل اس کی ہے جو دریا میں غرق ہو۔

صاحب وجود دو حالتوں میں کروٹیں بدلتا رہتا ہے۔ کبھی محو میں، کبھی صحو میں۔ محو میں مشاہدہ حق میں بالکل فنا ہو جاتا اور حس و فہم و علم و عقل سے اسے کوئی تعلق نہیں رہتا۔ صحو میں جو کچھ سنتا اور دیکھتا ہے حق تعالیٰ ہی کے وسیلے سنتا دیکھتا ہے۔ پہلی حالت فنا فی اللہ کی ہے اور دوسری بقاباللہ کی۔

---

[455] امام احمد بن حنبل، مسند امام احمد، حدیث ۲۹۲

استنباط

علامہ غلام رسول سعیدی نے قرآن مجید کی آیت مبارکہ

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ نحـ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ-ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَ قُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِؕ-ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُؕ-وَ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ[456]

اللہ نے سب سے زیادہ حسن رکھنے والی باتیں بنانے والی کتاب نازل فرمائی جس کی آیتیں تشابہت کا حسن رکھتی ہیں بار بار دہرائی جاتی ہیں وہ لوگ جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں اس کتاب کی وجہ سے ان کے بدن لرزتے ہیں پھر نرم پڑ جاتے ہیں پھر ان کے بدن اور دل اللہ کے ذکر میں ڈوب جاتے ہیں

کی تفسیر میں وجد کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

علامہ قرطبی کے حوالے سے کہ وہ قرآن سن کر اظہار وجد کرنے والوں کے متعلق لکھتے ہیں کہ حضرت اسماء بنت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ آالہ وسلم کے اصحاب نے بتایا کہ جب ان کے سامنے قران پڑھا جاتا تھا تو ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے تھے اور ان کے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے جس طرح اللہ تعالی نے اس کی صفت بیان فرمائی ہے۔ حضرت اسماء کو بتایا گیا کہ آج کل ایسے لوگ ہیں کہ جب ان کے سامنے قرآن مجید پڑھا جاتا ہے تو ان میں کوئی شخص بے ہوش ہو کر گر جاتا ہے۔[457]

سعید بن عبد الرحمن الجمحی نے کہا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما کے پاس اہل قرآن میں سے ایک شخص گزرا اور گر گیا حضرت ابن عمر نے پوچھا اس کو کیا ہوا لوگوں نے کہا جب اس کے سامنے قرآن مجید پڑھا جاتا ہے تو یہ اللہ کا ذکر سنتا ہے تو گر جاتا ہے حضرت ابن عمر نے فرمایا ہم بھی اللہ سے ڈرتے ہیں لیکن ہم تو نہیں گرتے۔ پھر آپ نے فرمایا ان میں سے کسی ایک کے پیٹ میں شیطان داخل ہو جاتا ہے۔ سیدنا محمد صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے اصحاب کا یہ طریقہ نہیں تھا۔

---

[456] الزمر:۲۳

[457] علامہ غلام رسول سعیدی، تبیان القرآن، جلد ۱۰، ص ۲۱۹

عمر بن عبد العزیز بیان کرتے ہیں کہ محمد بن سیرین کے نزدیک ان لوگوں کا ذکر کیا گیا جن کے سامنے قرآن مجید پڑھا جاتا ہے تو وہ بے ہوش ہو کر گر جاتے ہیں تو انہوں نے کہا کہ وہ ہمارے سامنے چھت کے اوپر ٹانگیں لٹکا کر بیٹھیں پھر ان کے سامنے اول سے لے کر آخر تک قرآن پڑھا جائے پھر اگر انہوں نے اپنے آپ کو چھت سے گرا دیا تو ہم مان لیں گے۔[458]

ابو عمران الجونی نے بتایا کہ ایک دن حضرت موسی علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو وعظ کیا تو ایک آدمی نے اپنی قمیض پھاڑ لی تو اللہ تعالی نے حضرت موسی علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ اس قمیض والے سے کہیے میں ان ڈرنے والوں کو پسند نہیں کرتا جو مجھے آپنا دل کھول کر دکھاتے ہیں۔[459]

گویا حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہا کی اس حدیث سے پتہ چلا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب جب قرآن سنتے تھے تو ان کی انکھوں سے آانسو جاری ہو جاتے تھے گویا اس سے یہ اخذ کیا جا سکتا ہے۔ کہ قرآن مجید فرقان حمید کی تلاوت کی سماعت کے دوران وجد کی یہ کیفیت طاری ہو جانا کہ آنکھوں سے آنسو بہنے لگ جائیں یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کی سنت ہے۔

بیعت

اپنی جان اور اپنے مال کو خدا کے ہاتھ فروخت کر دینا اصل بیعت ہے۔[460] حقیقتا سب کچھ حق تعالیٰ ہی کا ہے۔ جان بھی اسی کی ہے۔ جسم بھی اسی کا ہے اور مال بھی اسی کا ہے۔ بندہ جب خدا کی ملکیت پر چھاپہ مارتا ہے۔ خدا کے ملک کو اپنی چیز سمجھنے لگتا ہے اور اپنے نفس کی خواہش کے مطابق اس کے جا و بیجا استعمال میں مصروف ہو جاتا ہے تو وہ اپنے بادشاہ حقیقی کی مملکت میں مقید ہونے کے باوجود اس مالک عرض و سماء کے خلاف گویا عالم بغاوت بلند کرتا ہے۔ لیکن جب وہ اپنی اس غلطی سے متنبہ ہوتا ہے، جب اس سرکشی اور بغاوت سے نادم ہو کر اپنے خیال اور اپنی روش کی وہ اصلاح کرتا ہے، جب اپنے دل میں ہر چیز کو وہ خدا کی ملکیت سمجھنے لگتا ہے اور

---

[458] علامہ غلام رسول سعیدی، تبیان القرآن، جلد ۱۰، ص ۲۲۰

[459] علامہ غلام رسول سعیدی، تبیان القرآن، جلد ۱۰، ص ۲۲۰

[460] سید محمد ذوقی، سر دلبراں، ص ۱۱۶، ۱۲۰

ایک فرمانبر دار عبد کی طرح حق تعالیٰ کے رضا کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتا ہے اور اپنے اس تغیر حال کے متعلق جملہ شرائط ضروری کو پورا کرنا شروع کر تا ہے تو اس رجوع اللہ کو بیعت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔[461]

کوئی چیز کسی کو پیش کی جاتی ہے اور اس کے بدلہ میں دوسری چیز لی جاتی ہے تو اس لین دین کو بیع کے نام سے پکارتے ہیں۔ بندہ اپنے غلط خیال سے تائب ہو تا ہے۔ اپنے اعضاء و جوارح کو بخوشی و بہ رضاء و رغبت الی اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر کمر بستہ ہو جاتا ہے تو اس کے بدلے میں اللہ کی خوشنودی اور رضامندی حاصل کر تا ہے۔ اس لین دین کو اللہ تعالیٰ بھی خرید و فروخت کے نام سے موسوم فرماتا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَ اَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ ؕ[462]

بے شک اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور مال خرید لیے ہیں ان کے لیے بدلے میں جنت ہے۔

صورت بیعت

خرید و فروخت کی تکمیل کے لیے صرف نیت ہی کافی نہیں۔ فروخت کرنے والے کا صرف دل میں خیال کر لینا کہ میں فلاں چیز فلاں شخص کے ہاتھ فروخت کروں گا اور خریدنے والے کا صرف دل ہی میں خیال کر لینا کہ میں فلاں چیز فلاں شخص کے خریدوں گا اور اس کی یہ قیمت دوں گا، خرید و فروخت کے عمل میں آنے کے لیے کیونکر کافی ہو سکتا ہے، جب تک کہ ان خیالات کا اظہار نہ ہو اور ان پر عمل کا جامہ نہ پہنایا جائے۔ جان و مال کو اللہ کے ہاتھ فروخت کرنے کے لیے بھی صرف نیت کافی نہیں بلکہ عمل کے ذریعے اس نیت کے اظہار کی ضرورت ہے۔ دنیا میں کسی زمین یا مکان یا گاؤں کی خرید و فروخت کے لیے کس قدر طول طویل کاروائیوں کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ جیسی برتر ہستی کے ساتھ جان و مال جیسی بیش بہا چیز کا معاملہ طے کرنا بچوں کا کھیل نہیں جو بلا پابندی آداب و شرائط ضروری طے پایا جائے۔ بلکہ یہ نہایت مہتم بالشان معاملہ ہے جسے انتہا درجہ کی سنجیدگی اور اعلیٰ درجہ

[461] قاضی عبد الکبیر منصور پوری، فرہنگ اصطلاحات تصوف، ص ۳۷

[462] التوبۃ:۱۱۱

کے اہتمام اور نہایت پختہ عزم بالجزم کے ساتھ عمل میں لانے کی ضرورت ہے۔ حق تعالیٰ کے ساتھ یہ بیع ہمیشہ اس برگزیدہ شخص کی وساطت سے عمل میں آتی ہے جو اس سنجیدہ اور مہتم بالشان معاملہ میں وسیلہ بننے کا مجاز ہو:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَ جَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ [463]

اے ایمان والو ڈرو اللہ سے اور ڈھونڈو اس کی طرف وسیلہ اور جہاد کرو اس کی راہ میں تا کہ تم کامیاب ہو

یہ بیعت جب کہ صحیح شخص کے ہاتھ پر پورے آداب و شرائط کے ساتھ کی جاتی ہے تو وہ سلسلہ بس سلسلہ پیغمبر خدا صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم تک پہنچتی ہے اور خدا پر جا کر منتہی ہوتی ہے۔ اور جب بیعت کرنے والا اپنے عہد پر آخرت تک قائم رہتا ہے تو حق تعالی کی بارگاہ سے نوازا جاتا ہے اور بہت بڑا اجر پاتا ہے لیکن اگر اپنے عہد کو توڑ دیتا ہے تو خود ہی خسارہ اٹھاتا ہے۔[464]

بیعت کا حکم

بعض لوگوں کے نزدیک بیعت واجب ہے۔ مگر گروہ کثیر کے نزدیک بیعت سنت ہے۔ اور حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ سے لے کر اس وقت تک متواتر اور متوارث چلی آرہی ہے۔

استنباط

علامہ غلام رسول سعیدی نے قرآن مجید کی آیت مبارکہ

وَ اَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ[465]

اور مجھے اپنی رحمت کے طفیل نیک بندوں میں شامل فرما

کی تفسیر میں بیعت کی اہمیت اور شیخ کی اطاعت کیوں ضروری ہے کہ حوالہ سے لکھتے ہیں کہ

---

[463] الانعام:۳۵

[464] قاضی عبدالکبیر منصور پوری، فرہنگ اصطلاحات تصوف، ص ۳۷

[465] النمل:۱۹

صوفیاء کرام نے کہا ہے کہ جو شخص ہوائے عشق کے پرندوں میں سے ہو گا وہی پرندوں کی زبانوں کو سمجھے گا۔ اور جو شخص اپنے وقت کے سلیمان کو نہیں دیکھے گا وہ رازوں کے معنی کو کیسے سمجھ سکے گا۔ اور سلیمان سے مراد مرشد کامل ہے جس کی ہاتھ میں حقیقت کی انگوٹھی ہوتی ہے۔ جس سے وہ دلوں کی مملکتوں کی حفاظت کرتا ہے۔ اور غیوب کے اسرار پر مطلع ہوتا ہے۔ پھر ہر چیز اس کی خوشی نا خوشی سے اطاعت کرتی ہے۔ جو ناخوشی سے اطاعت کرتے ہیں وہ بمنزل شیاطین ہیں۔ پس مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ امام عصر کی معرفت حاصل کرے اور اس کی بیعت اور اطاعت کرے۔ [466]

اس سلسلے میں احادیث رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم درج ذیل ہیں۔

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے خیر کے متعلق سوال کرتے تھے اور میں آپ سے شر کے متعلق سوال کرتا تھا۔ مبادا میں کسی شر میں مبتلا نہ ہو جاؤں۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ ہم زمانہ جاہلیت میں شر میں تھے پھر اللہ تعالیٰ ہمارے پاس اس خیر کو لے آئے کیا اس خیر کے بعد پھر شر ہو گا؟ آپ نے فرمایاہاں۔ میں نے پوچھا آیا اس شر کے بعد پھر خیر ہو گی؟ آپ نے فرمایاہاں۔ لیکن اس خیر میں کچھ کدورت ہو گی۔ میں نے عرض کیا وہ کدورت کیسی ہو گی؟ آپ نے فرمایا لوگ میری سنت کی اتباع نہیں کریں گے اور میری ہدایت کے خلاف عمل کریں گے۔ ان میں اچھی اور بری دونوں باتیں ہوں گی۔ میں نے پوچھا آیا اس خیر کے بعد پھر کوئی شر ہو گا؟ آپ نے فرمایاہاں۔ کچھ لوگ دوزخ کے دروازوں پر کھڑے ہوں گے اور لوگوں کو بلائیں گے جو ان کے پاس چلا جائے گا وہ اس کو دوزخ میں ڈال دیں گے۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ آپ ہمیں ان لوگوں کے اوصاف بیان کیجیے۔ آپ نے فرمایا ان لوگوں کا رنگ ہماری طرح ہو گا اور وہ ہماری زبانوں میں بات کریں گے۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ اگر میں ان کا زمانہ پاؤں تو میرے لیے کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا تم مسلمانوں کے امام اور ان کی جماعت کے ساتھ وابستہ رہنا۔ میں نے عرض کیا کہ اگر اس وقت مسلمانوں کی جماعت اور ان کا امام نہ ہو تو؟ آپ نے فرمایا تم ان تمام فرقوں سے الگ رہنا خواہ تم کو تاحیات درختوں کی جڑیں چبانی پڑیں۔ اور اسی حال میں تمہیں موت آجائے۔ [467]

---

[466] علامہ غلام رسول سعیدی، تبیان القرآن، جلد ۸، ص ۶۴۹

[467] امام محمد بن اسماعیل بخاری، الجامع الصحیح، حدیث ۳۶۰۶

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایاجو شخص حاکم کی اطاعت سے نکل جائے اور جماعت کو چھوڑ دے تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔ اور جو شخص اندھی تقلید میں کسی کے جھنڈے تلے جنگ کرے یا کسی عصبیت کی بناپر غضبناک ہو یا عصبیت کی دعوت دے یا عصبیت کی خاطر جنگ کرے اور مارا جائے تو وہ شخص جاہلیت کی موت مرے گا۔ اور جس شخص نے میری امت کے خلاف خروج کیا اور اچھوں اور بروں سب کو قتل کیا کسی مومن کا لحاظ کیا نہ کسی سے کیا ہوا عہد پورا کیا وہ میرے دین پر نہیں ہے۔ اور نہ اس سے میرا کوئی تعلق ہے۔ [468]

علامہ ابو محمد عبد الحق حقانی نے قرآن مجید کی آیت مبارکہ

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَؕ-یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْۚ-فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا یَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖۚ-وَ مَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَیْهُ اللّٰهَ فَسَیُؤْتِیْهِ اَجْرًا عَظِیْمًا[469]

بے شک وہ لوگ جو آپ کی بیعت کرتے ہیں بے شک وہ اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں اللہ کا ہاتھ ہے ان کے ہاتھوں پر تو جس شخص نے اس بیعت کو توڑا تو بیعت توڑنے کا وبال اسی پر ہو گا اور جس شخص نے اللہ سے کیے ہوئے عہد کو پورا کیا عنقریب اللہ اسے اجر عظیم سے نوازے گا

کی تفسیر میں بیعت کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ

بیعت کا معنی ہوتا ہے بیچنا۔ اس قسم کے معاہدے کو اس لیے بیعت کہتے ہیں کہ بیعت کرنے والا اپنی جان اور مال کو اللہ کی راہ میں بیچ کرتا ہے یعنی بیچ دیتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم سے جہاد کے لیے بیعت ہوئی تھی اور کبھی ہجرت پر کبھی ترک منکرات پر کبھی خدا تعالی کی بندگی و یاد میں مستحکم رہنے پر بیعت ہوئی تھی۔ اور کتب احادیث اس کی شاہد ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کے بعد بیعت خلافت کا سلاطین کے لیے دستور جاری رہا۔ اور بیعت توبہ وانابت کی سنت قائم ہوئی۔ اور بیعت

[468] ابوالحسین مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری، صحیح مسلم شریف حدیث ۱۸۴۸
[469] الفتح

اہل طریقت بھی بیعت انابت ہے یہ مسنون ہے۔ مگر جس کے ہاتھ پر بیعت کی جائے وہ ظاہر شریعت وانوار طریقت سے مزین ہونا چاہیے۔[470]

نتائج (Findings)

1. قرآن مجید کی کئی آیات میں تصوف کی بنیادی اصطلاحات کا مفہوم واضح طور پر موجود ہے، اگرچہ ان کا صوفیانہ نام استعمال نہیں ہوا۔
2. ایمانیات، اخلاقیات اور معاملات سے متعلق صوفیانہ اصطلاحات کا قرآنی بنیادوں پر استنباط ممکن اور مدلل ہے۔
3. اردو تفاسیر جیسے *تبیان القرآن*، *معارف القرآن*، *نعیمی*، *بیان القرآن*، *حسنات* اور *حقانی* نے صوفیانہ اصطلاحات کی تشریح میں متنوع اور روحانی انداز اختیار کیا۔
4. تصوف کی اصطلاحات جیسے *توحید*، *قرب*، *ریاضت*، *کشف*، *فنا*، *بقاء* کو تفسیری ادب نے قرآن سے ہم آہنگ کر کے پیش کیا ہے۔
5. بیان القرآن اور معارف القرآن میں تصوف کو اصلاحی اور اعتدال پسند انداز میں بیان کیا گیا ہے۔
6. تبیان القرآن میں فقہ، حدیث، اور تصوف کا جامع امتزاج نظر آتا ہے۔
7. تفاسیر نے صوفیانہ اصطلاحات کو عوامی سطح پر قابلِ فہم بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔
8. اصطلاحات تصوف کو تین زمروں میں تقسیم کرنا (ایمانیات، اخلاقیات، معاملات) تحقیقی تجزیہ کے لیے مفید ثابت ہوا۔
9. صوفیانہ اصطلاحات کی قرآن سے تطبیق تصوف کے اسلامی اور شرعی پہلو کو واضح کرتی ہے۔

[470] علامہ ابو محمد عبد الحق حقانی، تفسیر حقانی، جلد ۳، ص ۳۴۷

10. یہ تحقیق اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ تصوف کا حقیقی اور معتدل تصور، قرآن و سنت کی تعلیمات سے مکمل طور پر ہم آہنگ ہے۔

سفارشات(Recommendations)

1. مدارس، جامعات اور خانقاہی نظام میں تصوف کی قرآنی بنیادوں پر مبنی تعلیم کو شامل نصاب کیا جائے۔
2. اردو تفاسیر میں موجود صوفیانہ مفاہیم پر مزید گہرائی سے تحقیقی مطالعہ کیا جائے، تاکہ صوفیانہ تعلیمات کو عصری انداز میں سمجھایا جاسکے۔
3. آئندہ تحقیق میں صرف ایک تفسیر یا ایک اصطلاح کو موضوع بنا کر تفصیلی Case Study کی صورت میں تحقیقی کام کیا جائے۔
4. صوفیانہ اصطلاحات(Sufi terminologies) پر مشتمل قرآنی اصطلاحاتی لغت (Glossary)مرتب کی جائے، جو اردو و عربی تفاسیر سے ماخوذ ہو۔
5. بین المذاہب یا عالمی سطح پر تصوف اور قرآن کے تعلق پر تحقیقی مقالات و تقابلی مطالعہ کو فروغ دیا جائے۔
6. تصوف پر موجود عصری اعتراضات کا قرآن و تفسیر کی روشنی میں مدلل اور تحقیقی جواب تیار کیا جائے۔
7. آئندہ تحقیقی میدان میں Artificial Intelligence اور ڈیجیٹل ٹولز کے ذریعے قرآن اور تفاسیر میں صوفیانہ اصطلاحات کی تلاش اور درجہ بندی کو ایک الگ تحقیقی شعبہ بنایا جاسکتا ہے۔

آیات قرآنیہ

نمبر شمار	آیات	سورہ	آیت نمبر
.1	فَاذْكُرُوْنِیْٓ اَذْكُرْكُمْ وَ اشْكُرُوْا لِیْ وَ لَا تَكْفُرُوْنِ	البقرہ	152
.2	یؤْتِی الْحِكْمَةَ مَنْ یَّشَآءُۚ-وَ مَنْ یُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا كَثِیْرًاؕ-وَ مَا یَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الْاَلْبَابِ	البقرہ	269
.3	وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْرِیْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِؕ-وَ اللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ	البقرہ	207
.4	وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓىٕكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةًؕ	البقرہ	30
.5	فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَیْهِؕ-اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ	البقرہ	37
.6	وَ اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِؕ-	البقرہ	45
.7	رَبَّنَا وَ ابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِكَ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ یُزَكِّیْهِمْؕ-اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ	البقرہ	129
.8	قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِی اللّٰهِ وَ هُوَ رَبُّنَا وَ رَبُّكُمْۚ-وَ لَنَاۤ اَعْمَالُنَا وَ لَكُمْ اَعْمَالُكُمْۚ-وَ نَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ	البقرہ	139
.9	وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ یَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا یُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِؕ-وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ	البقرہ	165
.10	اِنْ یَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْۚ-وَ اِنْ یَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِیْ یَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖؕ-وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ	آل عمران	160
.11	الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ الْكٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَ الْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِؕ-وَ اللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ	آل عمران	134
.12	لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَۚ-وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ	آل عمران	164
.13	مَا یَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَ اٰمَنْتُمْؕ-وَ كَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِیْمًا	النساء	147
.14	فَاُولٰٓىٕكَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیْقِیْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِیْنَۚ	النساء	69
.15	وعلی اللہ فتوکلو ان کنتم مومنین	المائدہ	23

48	المائدہ	لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّ مِنْهَاجًاؕ	16.
51	المائدہ	وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ	17.
131	الاعراف	فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖۚ-وَ اِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَ مَنْ مَّعَهٗؕ	18.
10	الاعراف	وَ لَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَ جَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَؕ-قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ	19.
89	الاعراف	وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًاؕ-عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَ	20.
75	الانعام	وَ كَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ	21.
119	التوبہ	يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ	22.
	التوبہ	اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَؕ	23.
20	الرعد	الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَ لَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ	24.
7	ابراہیم	وَ اِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَىٕنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ	25.
75	الحجر	اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ	26.
90	النحل	اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ وَ اِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَ يَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ وَ الْبَغْيِۚ-يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ	27.
7	الاسراء	اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ	28.
65	الکهف	فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَ عَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا	29.
24	الکهف	وَ اذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ وَ قُلْ عَسٰۤى اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّيْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا	30.
7	الکهف	اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا	31.
8	الکهف	وَ اِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًاؕ	32.
1	الکهف	اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَ لَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا	33.
110	الکهف	فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّ لَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا	34.

55	النور	وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ-وَ لَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضٰى لَهُمْ وَ لَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًاؕ-يَعْبُدُوْنَنِىْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِىْ شَيْــٴًـاؕ-وَ مَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ	.35
41	النور	اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍؕ-كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَ تَسْبِيْحَهٗؕ-وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ	.36
44	ص	اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًاؕ-نِعْمَ الْعَبْدُؕ-اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ	.37
18	الزمر	الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗؕ-اُولٰٓىٕكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَ اُولٰٓىٕكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ	.38
23	الزمر	اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِیَ نحـ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْۚ-ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَ قُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِؕ-ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِیْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُؕ-وَ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ	.39
60	الرحمٰن	هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ	.40
18	الحشر	يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ لْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍۚ-وَ اتَّقُوا اللّٰهَؕ-اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ	.41
3	الطلاق	-قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَیْءٍ قَدْرًا	.42
10	الفتح	اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَؕ-يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْۚ-فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖۚ-وَ مَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا	.43
8	الشمس	فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰىهَا	.44
1	الاعلیٰ	قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى	.45
2	التکاثر	كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ	.46
3	التکاثر	ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَؕ	.47
4	التکاثر	كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِؕ	.48
5	التکاثر	لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ	.49

6	التكاثر	ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ	.50
7	التكاثر	ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَىِٕذٍ عَنِ النَّعِ	.51

مصادر و مراجع

القرآن

تفاسیر

1. تھانوی، مولانا اشرف علی، بیان القرآن، دار الاشاعت کراچی، ۲۰۱۵
2. حقانی، ابو محمد عبد الحق حقانی، فتح المنان، دار الاشاعت، لاہور، ۲۰۱۳
3. ابو الحسنات، سید محمد احمد قادری، تفسیر حسنات، ضیاء القرآن پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۲۳
4. سعیدی، غلام رسول، تبیان القرآن، فرید بکسٹال لاہور ۲۰۰۹ء
5. القرطبی، امام محمد شمس الدین، الجامع لاحکام القرآن، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران، ۱۳۸۷ھ
6. مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، سروسز بک کلب راولپنڈی، ۲۰۰۶
7. نعیمی، مفتی احمد یار خان، تفسیر نعیمی، نعیمیہ کتب خانہ، لاہور
8. قادری، پیر محمد کرم شاہ الازہری، تفسیر ضیاء القرآن، ضیاء القرآن پبلیکیشنز، لاہور

عربی کتب

1. البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، الریاض، دار الاسلام ۱۹۹۹ء
2. الترمذی، ابو عیسٰی محمد، السنن، دار الغرب الاسلامی، بیروت ۱۹۹۶ء
3. الجرجانی، میر سید شریف، کتاب التعریفات، مطبوعہ المطبعہ الخیریہ مصر ۱۳۰۶ھ
4. ابو داؤد، سلیمان بن اشعث، السنن، دار الرسالۃ العالمیۃ، الطبعۃ الاولی ۱۴۳۰ھ
5. الذھبی، شمس الدین، العبر فی الخبر، دار الکتب العملیہ، لبنان، بیروت
6. الشیبانی، احمد بن حنبل، مسند، محقق شعیب الارنووط، مؤسسۃ الرسالۃ ۲۰۰۱ء
7. الاصفہانی، علامہ راغب، المفردات، مطبوعہ مکتبہ الرضویہ ایران، ۱۳۴۲ھ
8. الطبرانی، سلیمان بن أحمد، المعجم الأوسط، دار الحرمین، قاہرہ ۱۹۹۰ء

9. الطبری، محمد بن جریر، جامع البیان، مطبوعہ دار الفکر بیروت
10. الغزالی، ابو حامد محمد بن محمد بن محمد، احیاء العلوم، مطبوعہ دار الخیر، بیروت، ۱۴۱۳ھ،
11. القشیری، امام ابو القاسم عبد الکریم بن ہوازن، الرسالہ قشیریہ، مطبوعہ دار الکتب العمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ
12. القشیری، مسلم بن حجاج، الجامع الصحیح، دار الکتب، بیروت ۲۰۱۰ء
13. القاری ملا علی، مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، دار الکتب العلمیہ لبنان بیروت
14. النسائی، احمد بن شعیب، السنن، المکتبۃ التجاریۃ الکبری، قاھرۃ ۱۹۳۰ء
15. ابو نصر سراج، کتاب اللمع، تصوف فاؤنڈیشن، لاہور، پاکستان، مترجم: سید اسرار بخاری، ۲۰۰۰

اردو کتب

1. جامی،، مولانا عبد الرحمان، نفحات الانس، مترجم سید احمد علی شاہ، شبیر برادرز اردو بازار لاہور۔
2. حقانی، محمد عبد الحق، مقدمہ، میر محمد کتب خانہ آرام باغ کراچی۔
3. خلیق نظامی، تاریخ مشائخ چشت، مشتاق بک کارنر، الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور
4. ذوقی، سید محمد، سر دلبراں، الفیصل ناشران کتب، اردو بازار، لاہور ۲۰۲۰
5. ہجویری، علی بن عثمان، کشف المحجوب، ترجمہ: مفتی غلام معین الدین، مکتبہ اسلامیہ، لاہور
6. شہاب الدین، عمر ابو حفص سہروردی، عوارف المعارف، مترجم، محمد عبد الستار طاہر، شبیر برادرز زبیدہ سنٹر اردو بازار لاہور، ۲۰۱۱
7. صدیقی، شیخ بلال احمد، حالاتِ زندگی حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی بدایونی، نعیمی کتب خانہء، گجرات، پاکستان، ۲۰۰۴
8. فاروقی، پیرزادہ محمد اقبال تذکرہ علمائے اہل سنّت و جماعت لاہور، مکتبہ نبویہ گنج بخش لاہور
9. قاسمی، مفتی اختر امام عادل، سلاسل تصوف، دائرۃ العارف الربانیہ، جامعہ ربانی منوروا شریف، سمستی پور بہار
10. منصور پوری، قاضی عبد الکبیر، فرہنگ اصطلاحات تصوف، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی لاہور ۲۰۱۱
11. سعید احمد، **تصوف کی قرآنی اساسات**، مکتبہ قرآنیات، لاہور، ۲۰۱۶

12. عارف ندیم، **اسلامی تصوف کی اصل بنیادیں**، جامعہ دارالعلوم، کراچی، ۲۰۱۸
13. امین احسن اصلاحی، **تزکیہ نفس اور قرآنی تعلیمات**، ادارہ تدبرِ قرآن، لاہور
14. ڈاکٹر محمد عطاء الرحمان، **قرآن اور سلوک**، مرکز علومِ روحانیہ، اسلام آباد
15. حکیم محمد سعید، **تصوف کیا ہے؟**، ہمدرد فاؤنڈیشن، کراچی
16. غلام نبی شاہ، **تفسیر اور تصوف**، مکتبہ قادریہ، راولپنڈی
17. ڈاکٹر مظفر اقبال، **قرآنی تصوف کی فکری اساس**، جامعہ پنجاب، ۲۰۲۱